لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

چشمۂ عرفان

بیادگار

چوہدری محمد ملک خان صاحب تسنیم بی۔اے متعلم لاء کالج مرحوم غفر اللہ لہٗ

رئیس ایمن آباد

مرتبہ

خاکسار مبارک احمد خاں (ایمن آبادی)

(سابق مدیر جریدہ عبرت کلکتہ)

پبلشر

ابو الفضل محمود قادیان دار الامان نے

وزیر ہند پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام سردار جوب اندر سنگھ بی اے۔ ایل ایل بی پرنٹر چھپوا کر شائع کی

قیمت مجلد [illegible]

M. Malik Tasneem

B.A.,

تعارف

مجموعہ ہذا میں نے عزیزم چوہدری محمد مالک خاں تسنیم بی۔ اے مرحوم متعلم لاء کالج لاہور غفر اللہ لہٗ و جعل اللہ الجنۃ مثواہٗ کی ایک نیک یادگار کے طور پر مرتب کیا ہے تھوڑا عرصہ ہوا، عالم رؤیا میں مرحوم مجھ سے ملے۔ میں نے کہا آپ کی موت سے ہم سب کو بہت صدمہ ہوا مرحوم نے جواب دیا، اسی لئے اب میں آپ سے ملنے آگیا ہوں اور کہا کہ میری موت نہیں ہوئی میں نے تو جگہ بدل لی ہے میں نے کہا اب آپ ہمارے پاس ہی رہیں، واپس نہ جائیں۔ مرحوم نے کہا کہ یہ بات میرے امکان میں نہیں۔ صرف آپ سے ملاقات کی اجازت ہی ملی ہے۔

پھر کہا۔ کہ میں نے اب لاء کی کتابیں پڑھنی چھوڑ دی ہیں اور ارادہ کیا ہے کہ اب میں حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی

تصنیف "چشمۂ عرفان" پڑھا کرونگا۔

آپکا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے جواب میں کہا اس سے بہتر اور کونسی چیز ہو سکتی ہے۔ پھر کچھ دیر اور باتیں کرنیکے بعد نماز صبح کیلئے میں بیدار ہو گیا۔ اُسی روز سے میں نے ارادہ کیا کہ مرحوم کی یادگار میں "دینی اور رُوحانی نور" بخشنے والے مضامین کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا جائے جسے "چشمۂ عرفان" کے نام سے موسوم کیا جا سکے۔

سو اس مفید مجموعہ مضامین کو مرحوم کے کچھ ذکر خیر کے ساتھ پیش کرتے ہوئے ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مرحوم کیلئے دُعا فرمائیں کہ مولیٰ کریم اُنہیں اپنے مغفور بندوں میں شامل کر کے اپنی اُن تمام رحمتوں کا وارث کرے جنکا اُس نے اپنے پیاروں کیلئے وعدہ فرمایا ہے۔ آمین ثم آمین

طالب دُعا

مُبارک احمد خاں عفی اللہ عنہ

امین آباد۔ ضلع گوجرانوالہ
۷ ماہ امان ۱۳۱۹ھ ہجری شمسی
۲۷ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ ہجری قمری
علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

مرثیہ بر وفات

عزیز چوہدری محمد مالک خاں تسنیم غفر اللہ لہٗ

(از حضرت مولوی ذوالفقار علی خانصاحب گوہر برادر بزرگ علی برادران شاگرد حضرت داغ مرحوم)

ہائے یہ اُس کی جوانی اور یہ مرگِ الیم
اِس جدائی پر ہمیں دے صبر اے ربِّ کریم
مرنے والے نوجواں کی تیری رحمت ہو کفیل
عبدِ صالح تھا عطا کر اُس کو جنّتُ النّعیم
تیرے فضلِ خاص نے دُنیا میں کی تھی رہبری
مل گیا تھا مرنے سے پہلے صراطِ مستقیم
کیا سعادت تھی طبیعت میں کہ آخر اے خُدا
کھینچ لائی عرشِ اعظم سے ترا فضلِ عظیم
اُس کی فطرت میں ودیعت تھا محبت کا خمیر
تھی کریمانہ روش پہلو میں تھا قلبِ سلیم

اُس کے اخلاقِ حمیدہ میں تھا وہ رنگِ وفا
جس نے اُس کے دل میں پیدا کر دیا عزمِ صمیم
بیعتِ فضلِ عمر کی اُس نے سنہ اڑتیس میں
دولتِ وصلِ خدا جو آئی ہی میں مل گئی
کھل گئے اُس کے لئے اَبوابِ جنت النعیم
وہ تو خوش ہو گا یقیناً اپنے رب کے پاس ہے
حالتِ احباب لیکن ہے جدائی سے سقیم
اُس کی بی بی خستہ جان و سوختہ دل کیوں نہ ہو
دائمی فرقت گرانباری ہے اے ربِ کریم
مرنے والے نوجواں پر رحمتیں ہوں تا اَبد
اور پسماندوں کو دے صبر اور کر فضلِ عظیم
تربتِ تسنیم باد اعنبریں اے کردگار
اَبرِ رحمت بر سر وابستگانش ہم بہار

(آمین ثم آمین یا سمیع الدعا)

دُعا گو عاجز ذوالفقار علی خاں گوہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعود

تسنیم مرحوم غفر اللہ لہٗ کا کچھ ذکرِ خیر

حضور سرورِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اذکروا موتاکم بالخیر" کہ اپنے مرنے والوں کی نیکیوں اور خوبیوں کا تذکرہ کیا کرو۔ حضور کے اس ارشاد کی تعمیل کے نتیجہ میں مرحومین کے نیک نمونوں کے سامنے آنے سے نیکیوں کی ترغیب کے ساتھ اُن کے لئے دعائے مغفرت و ترقی درجات کی بھی تحریک ہو جاتی ہے۔

اس خیال سے میں اس کتاب کے شروع میں اپنے نہایت ہی عزیز محب اور پیارے رفیق چوہدری محمد مالک خاں صاحب تسنیم بی اے متعلم لاء کالج لاہور رئیس امین آباد غفر اللہ لہٗ "وجعل اللہ الجنۃ مثواہ" کا کچھ ذکرِ خیر کر کے ناظرین سے دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں۔

عزیز مرحوم مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۹ء تقریباً ایک ماہ بعارضہ ٹائیفائڈ مبتلا رہ کر تیس برس کی عمر میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن مرحوم نہایت خوش خصال، ملنسار اور حد درجہ کے خلیق نوجوان تھے۔ اسی وجہ سے مرحوم کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ لاہور کے تمام کالجوں کے بہت سے ہندو، مسلم اور سکھ، عیسائی

طالب علموں کے ساتھ مرحوم کے دوستانہ تعلقات تھے۔ آل ورلڈ پین فرینڈ شپ کی شاخ لاہور کے سیکرٹری تھے۔ اِس طرح مرحوم کا حلقۂ احباب لاہور سے باہر بھی بہت وسیع تھا۔ اپنے دوستوں کو رشتہ داروں کی طرح عزیز سمجھتے تھے۔ بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ "لوگ کہتے ہیں خون کا رشتہ بڑی چیز ہے میں تو اپنے وسیع تجربہ کی بناء پر دیکھتا ہوں کہ محبت کے تعلق سے بڑھ کر دُنیا میں اور کوئی رشتہ نہیں"!

اپریل ۱۹۳۲ء میں مرحوم کی شادی ہوئی تو برات کے ساتھ علاوہ دیگر احباب کے، مختلف کالجوں کے تقریباً ایک سَو ہندو مسلم اور سکھ عیسائی طالب علموں کو لے گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب دوست ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "دیکھئے میری رشتہ داری کتنی وسیع ہے۔

مرحوم کے سینہ میں خلوص و محبت سے بھرا ہُوا دل تھا۔ جس کی طرف خود بخود دل کھنچے آتے تھے، اُن کے محبت سے معمور دل کا کچھ اندازہ اُن سطور سے ہو سکتا ہے، جو "محبت" کی توصیف میں انہوں نے اپنے ایک خط میں تحریر کیں۔ لکھتے ہیں :-

"محبت ایک باغ ہے جس کے ہرے بھرے درختوں کے ٹھنڈے سائے ایک مایوس، حرماں نصیب، اُداس اور پریشان کو زندگی، خوشی، فرحت اور رُوح بخشتے ہیں۔ محبت ہی ہے۔ جس کے دراز بازوؤں تلے دُنیا کے غم والم انسان بھلا سکتا ہے۔

محبت ہی ایک تریاق ہے تمام اخلاقی اور رُوحانی بیماریوں کا۔ محبت ہی سے معمولی سا اثاثہ ہفت اقلیم کے خزانوں کے تہادی

نظر آتا ہے، محبت ہی سے ایک کٹیا محل معلوم ہوتی ہے۔
کسی عاشق سے پوچھو کہ اُس کا محبوب اُس کی نظروں میں کیا ہے؟
دُنیا کی ہستیوں سے بالا ایک ہستی، کوئی انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا،
کوئی شخص اُس جیسی صفات کا حامل نہیں۔
سُبحان اللہ! محبت بھی کیا چیز ہے، کیسی دلکش شیریں اور میٹھی
ہے اور انسان سے فرشتہ بنانے والا پاک جذبہ"۔
اِسی طرح ایک دُوسرے خط میں لکھا۔
کہ "محبت مقناطیسی پتھر کی مانند ہے جس کی فطرت میں دوسری اشیاء
کو اپنی طرف کھینچنا قدرت نے ودیعت کیا ہُوا ہے، اگر وہ اُن
اشیاء اور اجسام کو اپنی طرف نہیں کھینچتا تو وہ مقناطیسی پتھر
نہیں معمولی سنگریزہ ہے۔ بعینہٖ حال محبت کا ہے اگر محبت دُوسری
محبت کو اپنی طرف کشش نہ کر سکے تو وہ محبت، محبت ہی نہیں۔
ایک جذبۂ کاذب ہے جو ہنگامی طور پر موجزن ہُوا۔ یعنی آندھی
کی طرح آیا اور بگولے کی طرح گیا"۔
اِن چند الفاظ سے اُن کی قلبی کیفیات کا اظہار ہوتا ہے، جو اُن کے
محبت کرنے والے دل میں موجزن رہتی تھیں۔
اپنے احباب کی خوشی میں ہی اپنی خوشی محسوس کرتے تھے، انسانی ہمدردی
شرافت، وضعداری اور مہمان نوازی دیکھنے والوں کو محوِ حیرت کر دیتی
تھی، حد درجہ کے مہمان نواز تھے، مہمان کی آمد سے بہت خوش ہوتے،
کسی وقت اُس سے جُدا ہونا گوارا نہ کرتے اور جہاں تک بس چلتا اُسکی
خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے۔

اس ضمن میں اپنی دلی حالت کا اظہار کرتے ہوئے گذشتہ سال اپنے ایک خط میں مجھے لکھا۔

"بانشراح صدر لکھتا ہوں کہ دُنیا میں مجھے تین چیزوں سے بہت مسرت حاصل ہوتی ہے، اوّل خیرات کرنے سے، دوئم مہمان کو خوشی خوشی کھلانے سے، سوئم آپ کو خط لکھنے اور آپ کا خط پانے سے۔"

چار پانچ برس سے کُوپر ہوسٹل واقع، ابہاولپور روڈ لاہور میں رہتے تھے، اگر گھر سے لاہور اُن کے پاس کوئی خادم کسی کام سے بھیجا جاتا تو اُسے بھی اپنا مہمان سمجھ کر دوستوں کی طرح اُس کی تواضع اور خاطر داری کرتے، اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے، اور بعض اوقات رات کو اگر دوسری چارپائی کا انتظام نہ ہو سکتا تو اپنا بستر فرش پر بچھوا کر اُسے کہہ دیتے کہ "مَیں نے رات کو پڑھنا ہے تم چارپائی پر سو جاؤ، مجھے چارپائی پر سونے سے نیند زیادہ آتی ہے اور مطالعہ میں حرج ہوتا ہے۔"

مرحوم کی خُوش خلقی، شادان و فرحان طبع، لطیفہ گوئی اور زندہ دلی اُن کے ملنے والے بُھلائے سے بھی نہیں بُھول سکتے، احسان اور سخاوت کا جذبہ اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا تھا۔ کبھی کسی سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے اگر اپنے پاس کسی وقت کچھ نہ ہوتا، تو کوشش کر کے جلد ہی سوالی کی حاجت براری کر دیتے۔

مجھ سے بسا اوقات بیان کیا کہ "سائل کو مایوس واپس کرنے سے مجھے اتنا دُکھ ہوتا ہے کہ مَیں بیان نہیں کر سکتا، مَیں سمجھتا ہوں کہ جب کوئی سائل ہو کر میرے پاس آتا ہے تو گویا اُس نے اپنے احساسات و جذبات کو مار کر ایک قُربانی کی سی حالت پیدا کر کے مجھ پر احسان کیا۔

کہ مجھے اِس قابل سمجھا کہ میں اُس کی دستگیری کروں۔ بدیں وجہ میں سائل کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اُس کی حاجت برآری میں دِلی خوشی محسوس کرتا ہوں۔"

اعلیٰ درجہ کی علمی کتابوں سے بہت پیار تھا۔ بہت سی علمی ادبی قیمتی کتب کا نہایت خوبصورت جلدوں سے مزین کرا کے کافی ذخیرہ جمع کیا ہوا تھا۔ اگر کوئی کتاب مانگ کر لے جاتا اور پھر واپس نہ کرتا۔ یا اگر کسی سے واپس ملتی بھی تو خستہ وخراب حالت میں، تو دیر تک متاسف رہتے، ایک روز میں نے کہا کہ جب آپ کو کتابوں سے اتنی زیادہ محبت ہے تو پھر کسی کو دیتے کیوں ہیں ؟ جواب دیا کہ "مانگنے والے کو مایوس بھیجنے کی تکلیف کا خیال کر کے وقتی طور سے کتابوں کی محبت دب جاتی ہے۔ اور کتابوں سے محبت کی خوشی سے مانگنے والے کو مایوس جاتے ہوئے دیکھنے کی تکلیف کو زیادہ محسوس کرتا ہوں"۔

مرحوم کا عموماً دستور تھا کہ اپنے نہایت عمدہ قیمتی کپڑے اچھی حالت میں تقسیم کر دیتے، اور کہا کرتے کہ جتنا ہمارا حق تھا وہ ہمیں مل گیا اب ان میں دُوسروں کا حق ہے"۔

اکثر بیان کرتے تھے کہ "کسی کو قرض دے کر واپس مانگنے کی مجھے جُرأت نہیں ہوتی، جب کسی کو قرض دیتا ہوں تو واپسی کا خیال دل سے نکال لیتا ہوں۔ اِس طرح میرے دل میں اپنے آشناؤں کے متعلق کبھی جذباتِ تنغص پیدا نہیں ہوتے"۔

زندہ دلی اور لطیفہ گوئی کے ساتھ ساتھ طبیعت میں خشیتِ الٰہی صبر و توکل اور تدین بھی بہت تھا۔ دُعا پر بہت اعتقاد تھا۔ اپنے کمرہ

میں ایک طرف مُصلّیٰ بچھا رکھا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ یہ میری مسجد ہے، ہر قسم کے علوم سے واقف ہونے اور یادِ الٰہی میں کافی وقت صرف کرنے کا بہت ذوق تھا۔ اس ضمن میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے ایک خط میں لکھا۔

"پیارے مولوی جی! تحصیل علوم کی ایک تڑپ ہے جو دل بیقرار میں محسوس کرتا ہوں اور یا یہ سوچتا رہتا ہوں کہ صرف عبادالٰہی کو ہی انیس و دمساز بناؤں تاکہ آئینۂ خاطر سے گردِ ملال دُور ہو"

اپنی رفیقۂ حیات کو بھی اکثر اپنے خطوں میں نماز ، ورد دُعا اور مطالعۂ کتب کی تلقین کرتے رہتے،

ایک خط میں انہیں لکھتے ہیں،

"بالالتزام نمازیں پڑھا کریں دُعا کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، جس چیز کی ضرورت ہو خدا سے مانگیں پھر دُعا کا کرشمہ دیکھیں کہ وہ مسبّب الاسباب خود بخود ایسے اسباب پیدا کر دیگا۔ کہ آپ کی خواہش فوراً پُوری ہو جائے گی، کتابوں کو اپنا سچّا مونس اور تنہائی کا دوست بنائیں، یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ مطالعہ آپ کو ایک اعلےٰ اور افضل انسان بنا دیگا مطالعہ ہی آپکی زبان میں ایک مقناطیسی کشش پیدا کر سکتا ہے، اور مطالعہ ہی سے آپ سوسائٹی کی مہذب خاتون بن سکتی ہیں"۔

اس کے بعد ایک دُوسرے خط میں اُنہیں لکھتے ہیں۔

"اُمید کرتا ہوں کہ آپ میری نصائح پر کماحقہٗ عمل پیرا ہونگی، وُہی نماز اور مطالعہ۔

اس امر کی اطلاع حاصل کرنے کے لئے کہ آپ فی الواقع مطالعہ میں مشغول رہتی ہیں، ایک مطالبہ کرتا ہوں، وہ یہ کہ مجھے ایک مضمون لکھ کر بھیجیں جس کا موضوع ہو "انسان کے مرنے کے بعد کی حالت" اس کی تیاری کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف اسلامی اصول کی فلاسفی اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" سے آپ کو بہت مدد مل سکتی ہے، میں ۱۲ تاریخ کو ایمن آباد آؤنگا اور یہ مضمون تیار آپ سے لونگا،

اگر میرے الفاظ اور احساسات کا آپ کو ذرہ برابر بھی پاس ہوگا تو آپ خاص خیال سے ان کُتب کا مطالعہ کر کے مضمون تیار کر رکھیں گی"۔

ایک اور خط میں لکھا ہے کہ

"امید ہے آپ کو میری وہ دو تین باتیں یاد ہونگی، یعنی نماز۔ مطالعہ۔ اور مضمون نویسی۔

ایک تندرست جوان مرد اور عورت کے لئے چھ گھنٹے کا سونا کافی ہے، اور اگر اس سے زیادہ وقت سونے میں صرف کیا جائے تو دماغ موٹا اور بوجھل ہو کر ضائع ہو جاتا ہے، دل اور جگر صحیح کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ پھیپھڑے سستی کی وجہ سے کمزور ہو جاتے ہیں، گویا عام ضُعف کی شکایت لاحق ہوجاتی ہے ساری رات گیارہ گھنٹے کی ہوتی ہے، آپ کو چاہیئے کہ رات کو کھانا کھانے کے بعد ایک آدھ گھنٹہ گھر میں

اِدھر اُدھر ٹہلیں پھر فوراً نماز پڑھ کر مطالعہ شروع کر دیں۔
مطالعہ کی بھی ایک عادت ہوتی ہے اور اس عادت کو پیدا کرنے کے لئے ایک ہُنر اور سمجھ کی ضرورت ہے۔
مطالعہ پہلے اُن کتابوں سے شروع کرنا چاہئے جو بہت دلپسند اور دلچسپ ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف حضرت صاحب کی کتابیں ہی مطالعہ کریں۔ اُن کے علاوہ کوئی کتاب ہو جو آپ کو دلچسپ لگے پڑھنا شروع کر دیں پھر یہ عادت آہستہ آہستہ بڑھتی جاوے گی۔ اور ایک وقت آئیگا کہ مطالعہ دوبھر نہیں محسوس ہوگا بلکہ اس میں مزا آویگا"۔
ایک دُوسرے خط میں پھر انہیں امور کی طرف تاکید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مطالعہ میں پُورے انہماک کے ساتھ مشغول ہونگی، مولوی صاحب کی الماری سے کوئی کتاب اُٹھالیں شروع سے آخر تک پڑھیں۔
مطالعہ کی عادت پیدا کرنا کچھ آسان کام نہیں، نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ لیکن پاکیزہ کتابوں کے مطالعہ سے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور اُسے "جبر" کا معاوضہ حاصل ہو کر رہتا ہے"۔

بیعت کرنے سے پہلے اپنی اہلیہ صاحبہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔
اُن کا اپنا انشراحِ صدر تو بفضلہٖ تعالےٰ ہو چکا تھا۔ اپنی رفیقہ حیات کو بھی اپنے رنگ میں رنگین کرنے کے لئے ساعی رہتے۔

چنانچہ ایک خط میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اپنے جذبات عقیدت کا تبلیغی رنگ میں اُن کے سامنے اِس طرح ذکر کرتے ہیں،
آپ کا پند نامہ نازل ہوا۔ آپ کے مخلصانہ جذبات اور پند و نصائح کا شکریہ۔ جو کچھ آپ نے مجھے لکھا ہے اگر آپ خود ان باتوں پر کاربند ہیں تو مجھے سمجھنا چاہیئے کہ آپ میں ایک خارق عادت تغیر پیدا ہوگیا ہے اور اس تغیر کا موجب حضرت مرزا صاحب کی تعلیم ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ جتنی تسکین قلبی مجھے حضرت مرزا صاحبؑ کی کتابیں پڑھ کر ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی اور مجھے ماننا پڑتا ہے کہ وہ خدا کے نبی تھے، اکثر مسلمان جب حضرت مرزا صاحبؑ کے کلام اور کام پر غور کرتے ہیں تو انہیں مجدد کہنے لگ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ کے بھائی پروفیسر عبدالمجید خاں صاحب تک اُنہیں مجدد اور ایک صادق شخصیت مانتے ہیں۔ تو اب آپ ہی سوچیں کہ کیا ایک صادق مجدد جو خدا کی طرف سے مبعوث کیا جاتا ہے جو آثارِ نبوی کے مطابق ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برپا ہوتا ہے، جھوٹ بول سکتا ہے؟

اگر حضرت مرزا صاحبؑ کو مجدد مان لیا جائے تو پھر جو کچھ بھی وہ دعویٰ کریں ماننا پڑے گا۔ اِس لئے کہ خدا کی طرف سے مامور کئے جانے والے برگزیدہ بزرگ جھوٹ نہیں بولا کرتے،
حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں، کہ مَیں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں، خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ سب کچھ

سچ ہے ۔

دیکھو! جس شخص میں تجسس و تحقیق کا مادہ نہیں اس کی حیثیت بھینس کے بچھڑے برابر ہے ۔ انسان دوسرے حیوانات سے ذی العقل ہونے کی وجہ سے ہی امتیازی شان رکھتا ہے ۔

اور عقل کیا ہے؟ تحقیق و تجسس اور غور و فکر۔ ایک چیز کو دیکھنا اور مشاہدہ کر کے سوچ سمجھ کر اس کا معائنہ کر کے نتائج اخذ کرنے کا نام ہی تو عقل ہے ۔ پس اگر اس رنگ میں عقل سے کام لیا جائے (جو عقل کے مفہوم میں مضمر ہے) تو حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر ایمان لانا کچھ بھی مشکل نہیں ۔

آپ کی وعظ اور پند و نصائح سے میں بہت متاثر ہوا ہوں امید ہے کہ آپ کی ایسی ایسی نیک تحریکیں عمدہ نتائج مرتب کریں گی۔"

مرحوم اپنی رفیقۂ حیات کو مختلف مواقع پر اپنے خطوں میں بہت عمدہ پیرایہ میں اخلاقی اسباق سے مستفید کرتے رہتے، مشکلات اور حوادث دہر کا مقابلہ کرنے کے لئے ان الفاظ میں تلقین کرتے ہیں ۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ نفسیات کے عالم کی طرح دنیا کو ایک کھیل سمجھیں ۔ سر سے پہاڑ گذر جائیں ، مگر آپ اُسے بھی ایک کھیل سمجھیں ۔ ٹس سے مَس نہ ہوویں ، ہنس کر گذار دیں ، مصیبت کو ایک تبدیلی تصور کریں ۔ اور تنگئ حالات کو تھیٹر کے کھیل کا ایک پہلو سمجھنا چاہئے"۔

ایک دوسرے خط میں اعتماد علی النفس اور سیلف ڈیپنڈنس کے متعلق اس طرح تلقین کرتے ہیں ۔

"کسی نے ارسطو (جو یونان کا ایک بہت بڑا فلسفی ہُوا ہے) سے
پُوچھا، کہ دُنیا میں تمہارے ہزاروں دوست آشنا ہیں۔ اور
بیشمار لوگ تمہاری دوستی کا دم بھرتے ہیں اُن سب میں سے کس کو
تم اپنا حقیقی دوست سمجھتے ہو، جواب ملا۔ ارسطو کو (یعنی اپنے آپ کو)
ایک اور خط میں مواسات اور انسانی ہمدردی کا سبق دیتے ہوئے
لکھتے ہیں :۔
"دُنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے ہی لئے جینا زندگی نہیں
موت ہے۔ ابدی موت ——— ایسے شخص کا وجود خدا کی زمین پر
ایک ناجائز بوجھ ہے"۔
قادیان کی زیارت کا مدت سے شوق تھا چنانچہ گذشتہ سال یعنی ۱۹۳۰ء
میں میرے ساتھ پہلی مرتبہ دارالامان گئے تو دوسرے ہی روز ایک جگہ دوستوں
کی مجلس میں کہا کہ "پنجاب یونیورسٹی جغرافیکل سوسائٹی کے ٹور میں ہندوستان
کے بہت سے بڑے بڑے مشہور شہروں کی سیر کی ہے لیکن قادیان ایسی
مبارک فضا کہیں نظر نہیں آئی"۔ سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ
کے حضور ملاقات کے لئے پانچ منٹ کی درخواست کی گئی لیکن حضور ایدہ اللہ
تعالیٰ نے ازراہِ ذرہ نوازی بیس منٹ تک اُنہیں اپنے رُوحانی فیوض سے
متمتع فرمایا۔
دارالامان سے واپسی پر لاہور پہنچ کر اپنے خط میں مجھے قادیان کے
متعلق اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں لکھا:
"یہ کہنا کہ قادیان ایک شہر ہے اسی طرح جیسے لاہور، گوجرانوالہ
یا لائل پور وغیرہ۔ ایک حماقت اور بیوقوفی ہے قادیان واقعی

ایک بستی ہے اُن انسانوں کی نہیں جو اپنی تمام کمزوریوں" کو لئے بس رہے ہوں۔ بلکہ اُن انسانوں کی جو حقیقت میں انسان کہلانے کے مستحق ہیں قادیان کی فضاء رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کی حجاز کی فضاء سے بالکل مشابہ ہے۔ ایک نور اور رُوحانیت کی زندگی ہے جو قادیان میں پائی۔ کاش ایکدفعہ پھر اس ٹکڑۂ نور کی خاک پاک پر اپنی جبین نیاز رکھ سکوں اللہ میاں بہت جلد میری اس دُعا کو قبول فرمائیگا"۔

اس کے بعد پھر ۳۰ جون ۱۹۳۰ء کو مجھے منصوری خط لکھا۔ کہ ویسے تو پہلے سے ہی آپنے مجھ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہوا ہے لیکن قادیان کی طویل صحبت نے بدرجۂ اتم متاثر کیا ہے یعنی اپنے اندر ایک نہایت خوشگوار تغیر محسوس کرتا ہوں"...... میں آپ کی عطا فرمودہ جملہ کتب کا بالالتزام مطالعہ کر رہا ہوں اور اللہ کے فضل سے کسی حد تک ان میں مستور و مقید فیوض سے بہرہ اندوز ہو چکا ہوں گھر کے لوگوں سے گرما گرم بحثوں نے اُنہیں یقین دلا دیا ہے کہ میں "مرزائی" ہو گیا ہوں، مگر میں اُس معین وقت کی انتظار میں ہوں جب خدا کی پاک جماعت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کروں"۔

غیر احمدیت کے زمانہ میں مرحوم نے کبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال نہیں کئے۔ ہمیشہ عزت سے نام لیتے تھے اور بکواس کرنے والوں کو ڈانٹتے تھے،

۔۔ ۱۹۳۲ء میں برادرم ملک سعید احمد صاحب بی۔ اے سابق سیکرٹری آل انڈیا نیشنل لیگ سے میرے ساتھ اُن کی ملاقات ہوئی، پہلی ملاقات کے بعد ملک صاحب موصوف نے مجھے اپنے خط مرقومہ ۹ جنوری ۱۹۳۸ میں لکھا۔ "بہت سے لوگوں سے تبادلہ خیالات کرتے رہنے سے مجھے کچھ لوگوں کے دل کا بھی تجربہ ہو گیا ہے اور میں اس تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ گو چوہدری محمد مالک صاحب سے مجھے ایک ہی دفعہ ملنے کا اتفاق ہوا اور باوجود کئی مواقع ہاتھ آنے کے میں محض سستی کی وجہ سے اُنہیں نہیں مل سکا۔ وہ نیک دل انسان ہیں انشاء اللہ جلد ہی حق کو پالینگے، بشرطیکہ وہ دلائل سے اُن پر روشن کر دیا جائے"۔

مرحوم جب مجھ سے ملتے عموماً دینی گفتگو میں ہی دلچسپی لیتے۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے روزنامہ الفضل، فاروق اور سن رائیز اپنے نام جاری کروالئے۔ اور سلسلہ کی کتب بھی مزید دلچسپی سے پڑھنی شروع کیں۔

بالآخر وسط دسمبر ۱۹۳۸ء میں گھر بیٹھے ہوئے ایک روز مجھے کہا کہ اب میرا جی چاہتا ہے کہ میں حضرت صاحب کی بیعت کر لُوں میاں جی اور والدہ صاحبہ تھوڑے دن غصہ ہو کر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے' میں نے کہا کہ بیعت ضرور کرنی چاہئیے میں نے اس ضمن میں آج تک کبھی آپ کو تحریک نہ کی تھی اور چاہتا تھا کہ یہ نیک تحریک خود بخود آپ کے دل میں پیدا ہو۔ یہ الٰہی تحریک ہے، اب آپ اس بارے میں ضرور جلدی کریں تاکہ آپ کو بیش از بیش رُوحانی تمتّعات حاصل ہوں، دوسرے روز صبح اپنا خواب سُنایا کہ "میں نے بڑا سخت زلزلہ دیکھا ہے خوف و ہراس کی حالت میں مَیں نے دُعائیہ کلمات پڑھنے شروع کر دیئے جن سے زلزلہ

رُک گیا" مَیں نے کہا کہ آپ بیعت کریں گے تو آپ کی بہت مخالفت ہو گی، پھر دُعاؤں سے انشاء اللہ تعالےٰ امن ہو جائیگا، چُنانچہ ایسا ہی ہُوا"

اِس کے بعد مرحوم نے اپنی اہلیہ صاحبہ کے ساتھ جلسہ سالانہ ۱۹۳۶ء میں شمولیت کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں تاکہ کسی طرح روانگی سے پہلے والدین کو علم ہو کر اس نیک ارادہ میں مزاحمت نہ ہو"

چنانچہ ۲۲ر دسمبر کو اپنی اہلیہ صاحبہ کو لاہور ان کے میکے پہنچانے کے لئے طیار ہوئے اور مجھے کہا کہ آپ ۲۵ر تاریخ کی شام تک ہمیں لاہور آملیں تاکہ میاں جی کو شک نہ پڑے کہ ہم قادیان جارہے ہیں، بالآخر ہم بفضلہٖ تعالےٰ ۲۵ر دسمبر کو رات کے ۹ بجے دار الامان پہنچ گئے،

لاہور میں گھر سے اسٹیشن کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں تانگہ پر بیٹھے ہوئے خوش ہو ہو کر کہتے رہے، اللہ تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو ہم گنہگاروں کو خُدا کے رسول کی تخت گاہ کی طرف لے جارہا ہے، اگر تیرا فضل نہ ہوتا تو یہ سعادت ہمیں کبھی نصیب نہ ہوتی، ۲۷ر دسمبر کو حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالےٰ کے گھر جاکر اُن کی اہلیہ صاحبہ نے بیعت کی، جب اُنہیں اِس امر کا علم ہُوا کہ اُن کی اہلیہ صاحبہ کی بیعت اُن سے پہلے ہو گئی ہے تو نہایت رشک سے کہتے رہے کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گئیں"

مورخہ ۲۸ر دسمبر کی صبح مرحوم کی بیعت ہوئی۔ مرحوم کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح سب سے پہلا ہاتھ بیعت کے وقت حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالےٰ کے مُبارک ہاتھ پر وہ رکھیں چنانچہ خداوند کریم کے فضل وکرم سے اُن کی یہ خواہش بھی بر آئی۔ ڈیڑھ سَو کے قریب بیعت کرنے والوں میں سب سے

پہلے اُنہیں ہی اپنا ہاتھ حضرتِ اقدس ایدہُ اللہ تعالےٰ کے بابرکت ہاتھ پر رکھنا نصیب ہوا ؛

بیعت سے واپسی پر مجھے کہا کہ پہلے بھی دو دفعہ حضرت صاحب سے مل چکا ہوں، لیکن جو رُوحانی مُسرت آج کی مُلاقات اور مصافحہ سے ہوئی وہ بیان نہیں کر سکتا، اس کے بعد روز بروز اخلاص میں ترقی کرتے گئے، والدین نے احمدیت قبول کرنے پر مخالفت کی، بہت کچھ سخت سُست کہا، جس پر وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کو دُعا کے لئے لکھتے رہے اور نہایت سعادتمندی کے ساتھ ماں باپ سے پیش آتے رہے،

والدہ کی مخالفت سے متاثر ہو کر مرحوم اکثر حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی درخواست کے خطوط لکھتے رہتے،

جن میں سے چند ایک کے جواب اُن کے کاغذات سے ملے ہیں جو یہاں نقل کئے جاتے ہیں،

(۱) مکرمی جناب ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مؤرخہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۹ء حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالےٰ کے ملاحظہ میں آیا، حضور نے دُعا فرمائی، نیز فرمایا ہے کہ نیک نمونہ اور دُعا اصل علاج ہے، نرمی سے کبھی کبھی بات سمجھا دیا کریں،

خاکسار صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری

۳/۳ ۳۹ از ناصر آباد سندھ

(۲) ۲۳۳۲/۳۰-۱-۳۹ بخدمت مکرمی تسنیم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مؤرخہ ۱/۳۹ ۲۴ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ

بنصرہ العزیز نے ملاحظہ فرما کر فرمایا، اللہ تعالےٰ آپ کے ساتھ ہو اور سچا مُسلم بننے کی توفیق دے، فکر نہ کریں، اور پڑھائی میں لگے رہیں ایسی مخالفتیں عارضی ہوتی ہیں دوم مومن اللہ تعالےٰ پر توکّل رکھتا ہے۔

۱۹۰۰۷ خاکسار صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری خلیفۃ المسیح ثانی۔ قادیان پنجاب

(۳) ۱۳۵۴۴ / ۱۹۔۲۔۳۹ مکرمی تسنیم صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط مورخہ ۲/۳۹ ۱۱ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے ملاحظہ فرما کر دُعا فرمائی، اللہ تعالےٰ آپ کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے اور اپنا فضل شاملِ حال رکھے آمین

اور حضور نے فرمایا کہ یہ عہد کر لیں کہ نماز کبھی نہ چھوڑے اسے تو اپنے نفس پر واجب کر لیں خواہ رستہ میں ہی نہ پڑھنی پڑے، والسلام

۲۰۸۱۷ خاکسار صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری خلیفۃ المسیح ثانی۔ قادیان ۱۸/۲/۳۹

ہوسٹل میں اپنے کمرہ میں مختلف قسم کے نصیحت آموز قطعات عمدہ فریموں میں لگوا کر آویزاں کئے ہوئے تھے جن میں سے چند ایک کے الفاظ لکھتا ہوں جن سے مرحوم کے نیک رُجحانِ طبع کا اظہار ہوتا ہے،

(۱) جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

(۲) عاشقو! دیکھ چکے عشق مجازی کے کمال
اب میرے یار سے بھی دِل کو لگا دیکھو تو

(۳) یا الٰہی! آپ ہی اب میری نصرت کیجئے
کام لاکھوں ہیں مگر ہے زندگی مثلِ حُباب

(۴) مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو سدا ؎ رنج و غم یاس و اَلَم فکر و بلا کے سامنے
بارگاہِ ایزدی سے تُو نہ یوں مایوس ہو ؎ مُشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

حاجتیں پوری کرینگے کیا تیری عاجز بشر کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے
چاہئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سر جُھکا بس مالکِ ارض و سماء کے سامنے

(۵) حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی نظم نونہالانِ جماعت سے خطاب۔

(۶) اپنے سرہانہ کی طرف دیوار پر موٹے حروف میں لکھا ہؤا تھا۔
فاذا عزمت امراً فتوکّل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکّلین۔

علاوہ ازیں کمرہ کی دیواروں پر مندرجہ ذیل نصیحت آموز کلمات لکھے ہوئے تھے:-

(۱) "خدا کے سوا اور کسی پر تکیہ رکھنا نادانی ہے"
(۲) "آپ کاج مہا کاج"
(۳) "زندگی کائنات کے لق و دق صحرا میں محض سراب کی مانند ہے"
(۴) "جہدِ پیہم - زندگی ہے - ابدی زندگی"
(۵) "تساہل اور کاہلی موت ہے - ابدی موت"
(۶) "وہ چال چل کہ عمر خوشی سے کٹے - اور وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں"
(۷) "حصولِ تعلیم کا بڑا مقصد صرف علم حاصل کرنا ہی نہیں - بلکہ اہم ترین مقصد تہذیبِ نفس اور تعمیرِ سیرت ہے"

کہا کرتے تھے کہ یہ قطعات و کلمات میرے کمرہ میں میرے لئے خاموش واعظ ہیں، نفس میں قبض کے وقت ان پر غور کرتا ہوں تو رُوحانی زندگی کی لہریں دوڑنی شروع ہو جاتی ہیں۔

احمدیت قبول کرنے کے بعد جب مجھے لاہور اُن کے پاس چند یوم قیام کرنے کا اتفاق ہؤا، تو مَیں نے دیکھا کہ وہ تین بجے اُٹھ کر نہایت

خشوع وخضوع کے ساتھ نوافل ادا کرتے اور پھر کچھ اسٹڈی کے بعد نمازِ صبح گذار کر سیر کو جاتے اور سیر سے واپس آکر تلاوت قرآن مجید نہایت خوش الحانی کے ساتھ کرتے پھر انگریزی ترجمہ (پارہ اوّل) کا مطالعہ کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیف لطیف کشتی نوح کا تھوڑا سا حصہ پڑھتے۔ کشتی نوح کی مقناطیسی قوت رکھنے والی رُوحانی عبارتیں پڑھ کر اُن پر وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی بیعت سے پہلے بھی "کشتی نوح" سے بہت محبت تھی جہاں کہیں مذہبی گفتگو ہوتی تو آخر میں کہتے ذرا کشتی نوح کا مطالعہ کریں۔ مجھے بارہا کہا کہ اِس کتاب نے میرے دِل و دماغ کو دھو کر شفاف کر دیا ہے،

انہی امور کے التزام کی وجہ سے مرحوم میں تقویٰ شعاری کا قابلِ رشک جوہر روز بروز ترقی پذیر تھا۔ جب سے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کا ایک رُوحانی مضمون بعنوان "تقویٰ کی باریک راہیں" مرحوم کی نظر سے گذرا۔ عموماً چھوٹے چھوٹے امور کا بھی بہت لحاظ رکھتے بسا اوقات مَیں نے اُن کو بعض امور کے متعلق کہتے سُنا کہ "یہ تقویٰ کی باریک راہوں کے خلاف ہے" اِس لئے اِس سے بچنا بہتر ہے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف کو مرحوم کے ساتھ لاہور سے ایمن آباد آنیکا اتفاق ہُوا، اُس روز اسٹیشن پر مرحوم کے ایک اور آشنا بھی مل گئے جو ایمن آباد ہی آرہے تھے۔ مرحوم ہمارے لئے تین ٹکٹیں ایمن آباد کی خرید لائے۔ جس پر صاحب مذکور نے کہا کہ آپ نے خواہ مخواہ چھ آنوں کا نقصان کیا۔ بہتر ہوتا کہ آپ تینوں ٹکٹ گوجرانوالہ کے لاتے۔ ایمن آباد کی ٹکٹ کی قیمت نو آنے بھی اور گوجرانوالہ جو ایمن آباد سے آگے دُوسرا

اسٹیشن ہے کی ٹکٹ لاری کمپیٹیشن کی وجہ سے سات آنے ہے) اس کی مرحوم غفرُ اللہ لہٗ نے کہا کہ یہ بات چونکہ میں تقویٰ کی باریک راہوں کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اس لئے ہمیشہ ایمن آباد کی ہی ٹکٹ خریدتا ہوں۔ چند پیسوں کے بدلے اپنا ایمان کیوں خراب کیا جائے؟"

بیعت کرنے کے بعد ایک روز مرحوم میرے ساتھ جناب میر محمد بخش صاحب پلیڈر امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ سے ملنے کے لئے گئے۔ اسی ضمن میں اتفاقاً مرحوم کے اُستاد مکرمی جناب صوفی نذر محمد صاحب ایم۔اے ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول ایمن آباد بھی کچہری میں مل گئے۔ مخدومی صوفی صاحب نے مرحوم سے پُوچھا "سُنا ہے آپ مرزائی ہو گئے ہیں اور بیعت کر آئے ہیں کیا یہ درست ہے" مرحوم نے جواب دیا جی درست ہے، میں احمدی ہو گیا ہوں اور بیعت کر آیا ہوں، اِس پر جناب صوفی صاحب موصوف نے فرمایا "تو میں آپ کو مُبارکباد کہتا ہوں، آپنے بہت اچھا کیا، آپ کا خاندان تو مادیت کی طرف جُھکا ہوا ہے، میں بہت خوش ہُوں کہ آپ تو دیندار ہو گئے، اس پر مرحوم نے نہایت ادب سے کہا کہ صُوفی صاحب! اگر احمدیت دینداری کا نام ہے تو آپ اِس دینداری کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ اتنے میں ایک غیر احمدی وکیل آ گئے جنہوں نے خلطِ مبحث کر دیا۔

ایک روز گھر میں میرے ساتھ نمازِ مغرب ادا کر رہے تھے کہ اسلامیہ ہائی سکول ایمن آباد کے سابق مدرس مکرمی برادرم شیخ غلام حسین صاحب ایم۔ اے تشریف لائے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بہت محبت سے مُلاقات کی۔ شیخ صاحب نے کہا کہ آپ سے

عدالت میں ایک شہادت دلانی ہے مرحوم کے مُنہ سے فوراً بیساختہ یہ کلمہ نکلا کہ "شیخ صاحب! میں احمدی ہو گیا ہوں جھوٹ نہیں بول سکونگا" اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی سچی شہادت چاہتے ہیں۔ مرحوم نے جواب دیا کہ سچ کے اظہار میں تو مجھے کچھ باک نہ ہوگا۔

مرحوم کو موسیقی سے بہت مَس تھا۔ احمدیت سے پہلے اپنے کمرہ میں ستار اور ہارمونیم رکھا ہوا تھا۔ بی۔اے تک ایک اُستاد روزانہ موسیقی سکھانے آتا تھا۔ اور اب اس ضمن میں خاصے ماہر ہو چکے تھے۔ ریڈیو پر کبھی کوئی خوش الحان گانے والا گا رہا ہوتا تو سب کام کاج چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور سُن سُن کر وجد میں آتے،

ایک روز میں نے سمجھایا کہ موسیقی کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ آپ اب اس میں شغف نہ رکھا کریں۔ چونکہ وہ عرصہ سے اس کے دلدادہ تھے اس لئے بہت بحث کی کہ یہ آرٹ بہت کارآمد ہے، اور اس میں کوئی شرعی عیب نہیں، بلکہ یہ رُوح کی غذا ہے اور رُوحانیت اس سے ترقی کرتی ہے۔ مَیں نے کہا اگر یہ رُوح کی غذا ہے اور رُوحانیت میں ترقی کا ذریعہ ہے تو تمام قوالوں اور ایکٹرسوں کو تو بہت بڑے ولی اللہ بن جانا چاہیئے، لیکن اُن کی زندگی میں تو رُوحانیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے لکھا ہے کہ حضرت امام ابن سیرین کے سامنے ذکر ہوا کہ فلاں شخص قرآن کریم کی ایک آیت سُن کر ہی وجد میں آکر گر پڑتا ہے، اُنہوں نے فرمایا کہ اُسے ایک اُونچی دیوار پر بٹھا دو اور پھر ایک آیت نہیں سارا قرآن سُنا دو۔ اگر پھر بھی وجد میں آکر گر جائے تو میں اُسے سچا سمجھونگا۔

اِس ضمن میں تقریباً ایک گھنٹہ تک ہماری گفتگو جاری رہی۔ لیکن چونکہ اُنہیں بچپن سے ہی اس آرٹ سے بہت دلچسپی تھی اِس لئے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے کہ یہ بھی کسی طرح ناجائز ہو سکتا ہے، مَیں نے کہا حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ ہم اسے ناجائز سمجھتے ہیں کہنے لگے "اگر حضرت صاحب کی تحریر دکھا دیں تو پھر میری وُہی رائے ہوگی جو حضور کا ارشاد ہوگا۔ لیکن ابھی مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ حضرت صاحب کے بیان کا مفہوم نہیں سمجھے ہونگے۔ حضور بنفسِ نفیس اپنی نظمیں خوش الحانی سے سُنتے ہیں۔ جلسہ پر جو حضور کی نظم پڑھی گئی اس میں پڑھنے والے کا لحن موسیقی کی فلاں شِق سے متعلق تھا۔

کچھ عرصہ بعد الفضل کے فائلوں میں مجھے خُطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ ستمبر ۳۳ء ملا، جس میں حضرت امیرالمومنین کا یہ ارشاد درج ہے کہ "خوش الحانی علیحدہ چیز ہے اور راگ علیحدہ، راگ میں الفاظ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا بلکہ سُر اور تال کو دیکھا جاتا ہے مگر خوش الحانی میں صرف آواز کا خیال ہوتا ہے، الفاظ کو نہیں بگاڑا جاتا۔ اور ڈھولک تو بالکل ہی اور چیز ہے اس کے سُننے سے اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا نہیں ہو سکتا۔"

فائل میں سے یہ خُطبہ اُکھاڑ کر مَیں نے مرحوم کو بھیجا۔ جس پر مرحوم نے کہا کہ حضرت صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے۔ علم النفس کے رُو سے مَیں نے خود بھی غور کیا ہے یہ چیز مُہیجاتِ نفس میں سے ہے! ور رُوحانیت کے منافی ہے،

بیعت سے پہلے ایک مرتبہ جب لاہور سے گھر آئے تو مجھے کہا کہ بیٹے اپنی بیوی کے نام سے بیمہ کرا دیا ہے، مَیں نے کہا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے

خلاف ہے، میرے سمجھانے پر کہنے لگے وُہ بات جسے ہفتوں غور کرنے
کے بعد مَیں طے کرتا ہوں آپ اُسے منٹوں میں ختم کر دیتے ہیں ایکا
کی قسط ادا کر چکے تھے۔ دوسرے روز لاہور واپس چلے گئے تو میں نے
ایک مفصّل خط لکھا اور اپنی پالیسی واپس لینے کی تحریک کی۔

اِس پر مجھے لکھا

”کہ مَیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ انشورنس ایک ایسا فعل ہے
جس کی اسلام نے قطعاً اجازت نہیں دی مَیں نے اس کے تمام
پہلوؤں پر اطلاع پالی ہے اور بانشراحِ صدر اپنی پالیسی واپس
لیتا ہوں بیشک آپ خود بھی اور نیشنل انشورنس کمپنی دی
مال لاہور کو میری طرف سے پالیسی کی واپسی کا خط لکھ دیں“

بچپن سے ہی مرحوم کو علم سے بہت محبت تھی۔ ہر جماعت میں نہایت
اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوتے، اسکول کے علاوہ دُوسری علمی کتب کے مطالعہ
کا بہت ذوق تھا۔

بارہا بیان کیا کرتے تھے کہ اگر کوئی سید امتیاز علی صاحب تاج
سے میرا ذکر کرے، تو وہ شہادت دینگے کہ میں اسکول لائف میں اُن سے
کتنی کتابیں منگواتا رہا ہوں۔

اکثر دس دس روپے میں اُن کے نام بھیج دیتا کہ مجھے عمدہ عمدہ
خُوبصورت کتابیں بھیجا کریں۔

دسویں جماعت میں پڑھتے تھے تو مجھے کلکتہ خط لکھا کہ

”وقت بہت تنگ ہے، منزل زیادہ ہے اور سخت محنت درکار
ہر وقت کتابوں میں مستغرق رہتا ہُوں اور حال یہ ہے کہ ؎

ہمیں دُنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن شاداں
مٹینگے ہم کتابوں میں ورق ہوگا کفن اپنا

آپ کا تابعدار مالک شاداں

رائیٹنگ پیڈ کے لئے بہت شوق سے ایک ڈائی بنوائی جسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے ڈائی میں ایک جلتی ہوئی شمع کے خاکہ میں لکھوایا گیا

"پئے علم چوں شمع بائد گداخت"

مجھے اپنے نام کا چھپا ہُوا پیڈ دکھایا جس پر مذکورہ بالا ڈائی بھی کندہ تھی۔ بہت خوشی سے کہا کہ "دیکھئے یہ ہے میرے دلی جذبات کا خاکہ"

نومبر ۱۹۲۸ء میں مرحوم نے بہت دَوڑ دھوپ سے اپنے ہوسٹل میں ڈیڑھ سو روپیہ کے قریب چندہ کرکے "گرو نانک ڈے" منانے کا اہتمام کیا۔ مرحوم نے سر سُندر سنگھ صاحب سے مل کر مذکورہ محفل کی صدارت منظور کروائی۔ اور نہایت دھوم دھام سے حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کا جلسہ منعقد کیا۔ اِس جلسہ کے سب انتظامات مرحوم نے بڑی سرگرمی سے خود سر انجام دیئے اور کامیاب ہونے کے بعد کہا کہ یہ ابھی ابتدا ہے، اب انشاءاللہ تعالےٰ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت کرشن علیہ السلام کی سیرت کے جلسوں کا بھی انتظام کیا کرونگا۔

مرحوم کو اپنی وفات کا علم چندماہ پیشتر ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ فروری ۱۹۲۹ء کے وسط میں ایک روز گھر میں بیٹھے ہوئے مجھے کہا کہ "مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ مَیں بغیر کسی ذریعۂ پرواز کے آسمان کی طرف پرواز کر رہا ہوں اور پھر آسمان میں ہی کہیں داخل ہو گیا ہوں" پھر حضرت امام ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف تعبیر الرویا کا اُردو ترجمہ مجھے دکھا کر

کہا کر دیکھئے اس میں لکھا ہے کہ "آسمان پر اُڑنے سے مُراد "واصل بحق ہونا" ہے۔

مَیں نے تامل کر کہا کہ اِس سے مُراد "تعلق باللہ کی زیادتی" بھی ہو سکتی ہے، مرحوم نے کہا کہ الفاظ صاف ہیں۔ آپ کی توجیہ درست معلوم نہیں ہوتی' اور بھی بہت سی خوابیں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اب میرا وقت قریب آ رہا ہے۔ لیکن میں نے بات ٹال دی اور مزید خوابیں سُننے کی طرف توجہ منعطف ہی نہ ہو سکی۔

پھر اپنے ایک خط میں مجھے لکھا۔

سے "دُنیا نام ہے اک منزل کا ذرا دم لے کر آگے چلیں گے

اور اس سفر میں عزیز محسن رُوحانی' آپ کو سب سے مفیما ور مہربان ہم سفر سمجھتا ہوں۔ اعمال کے لحاظ سے ہم سب اس سرائے میں اجنبی ہیں۔ ایک دُوسرے کو نہیں جانتے، مگر جس مُسافر میں میرے لئے سب سے زیادہ جاذبیت ہے، وہ آپ ہیں دُنیاوی سامان مجھے ہیچ نظر آتے ہیں، دُنیا میں میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں، اور اگر کوئی دلچسپی ہے، تو صرف اس لئے کہ آگے آنے والی دائمی زندگی کے لئے جتنا سامان ہو سکے فراہم کر لوں۔ جب دیکھتا ہوں کہ بانگ دراء عین قریب ہے' اور قافلے کی روانگی کا وقت آن پہنچا۔ تو ایک گھبراہٹ اور کپکپی جسم زار میں محسوس کرتا ہوں ...... عزیزمن! اپنے زمانۂ ماضی میں کیئے ہوئے گناہوں اور لغزشوں کے پیشِ نظر مجھ پر بسا اوقات ایک مجرم ایسی کیفیات طاری ہو جاتی ہیں۔

اور عجیب بیقراری کی حالت میں تمام تمام دن کوئی کام نہیں کرتا'
صرف خوف الٰہی ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو محور رکھتی ہے،
طبیعت میں بالیدگی لطافت اور رُوحانیت محسوس کرتا ہوں'
یہی ہے جسے دُنیا "اطمینانِ قلب" کہتی ہے اسی "اطمینانِ قلب"
کے حصول کے لیئے دُنیا لاکھ سر مارتی ہے، مگر اس کو پتہ نہیں
کہ حقیقی خوشحالی اور "اطمینانِ قلب" اپنی حقیقت معلوم کرنے،
مقصدِ زندگی کو پہچاننے اور یہ معلوم کرنے کہ خدا نے ہمیں کیوں
پیدا کیا اور وہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں، سے
حاصل ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالےٰ سے دُعا کریں کہ مجھے صراطِ
مستقیم پر چلائے اور قوتِ عمل عطا فرمائے"!

اس کے بعد وفات سے تقریباً دو اڑھائی ماہ پیشتر اپنی اہلیہ صاحبہ
محترمہ کو خط میں لکھا۔ کہ

"یہ تو مجھے معلوم ہو ہی رہا ہے کہ میرے دن نزدیک ہیں، کیونکہ
مجھے ڈراؤنے خواب بڑا پریشان کرتے ہیں اور کمزوری دن بدن
زیادہ محسوس کر رہا ہوں۔ بہکی بہکی باتیں کرتا رہتا ہوں جن کے
متعلق میرے پڑوسی مجھے بتاتے ہیں اور یہ خیال مجھے گو نہ خوشی
بخشتا ہے کہ تم جیسی خلوص بھری نشانی میں اس دُنیا میں چھوڑتا
جاؤنگا، مگر تمہیں جو تکلیف ہوگی کیا اکیلے تمہارا دل گھبرائیگا نہیں
میرے بغیر تمہیں کس طرح قرار آئیگا۔ کن ذرائع سے اپنے دل کو
بہلاؤگی۔ دیکھو! میں تمہارے لئے وہاں جگہ بناؤنگا ایک
اچھی جگہ، جہاں کہ ہم آرام سے رہیں وہاں اپنی نیکیاں دے کر

دوسرے کو بخشوانے کا اختیار ہوا تو میں اپنی بہت سی نیکیاں بقدر آپ کے نام کروا کر آپ کو اپنے پاس رکھونگا"

اس کے بعد پھر ایک اور خط میں انہیں لکھتے ہیں۔ کہ

"بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ میں تم جیسی وفادار دائمی ساتھی سے اپنے کئے ہوئے گناہ بخشواؤں، مگر موقع نہیں ملتا تھا! ب دفعتہ" پڑھتے پڑھتے یہ خیال آیا کہ مبادا میں کسی ایسے وقت موت کا شکار ہو جاؤں۔ جبکہ آپ سے معافی مانگ کر اپنا معاملہ صاف نہ کیا ہو، کیا معاف کر سکتی ہیں؟ خدا کے لئے معاف کر دیں، آپ کی محبت اور اخلاص کی میں قدر نہیں کر سکا دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ہیں جو خلوص کی قلم سے سپردِ قرطاس کر رہا ہوں"

پھر ایک دُوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں۔

"میرا خدا گواہ ہے کہ اپنی اعلیٰ منازل کی خواب میں آپ کو ضرور شامل کرتا ہوں۔

"ہم دونو یہاں ایک ہیں اور مجھے قسم ہے مشرق و مغرب کے بادشاہ کی کہ ہم دونو بفضلہٖ تعالےٰ بہشت میں بھی اکھٹے ہونگے۔ عُقبیٰ کی زندگی حاصل کرنے کے لئے میری انتہائی خواہش ہے۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ہم دونوا انشاءاللہ جنت میں ضرور اکھٹے ہونگے اور بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کیوں ہم جلدی نہیں کرتے۔ کیوں اللہ میاں ہمیں جلدی ہی وہاں نہیں پہنچا دیتا۔ تاکہ ہم اس دارِ فانی کے دھندوں سے جلدی

الگ ہو کر ایک ابدی خوشحالی منائیں۔"
والدہ صاحبہ سے جدا ہوتے وقت اُن کو جو کچھ وصیت کی گئی وہ لکھتا ہوں مُجھے بغور دیکھیں اور والدہ صاحبہ سے بھی دریافت کر لیں کہ آیا روانگی کے وقت میں نے اُنہیں یہ کلمات کہے ہیں یا نہیں ؟ میں نے اُن سے کہا " اگر آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں تو میری بیوی بھی اُتنی ہی محبت کی حقدار ہے ، دُنیا میں مجھے وہ بہت عزیز ہے اُسے مالک سمجھ کر پیار کیا کریں محبت سے گلے لگایا کریں۔ اور میرے مرنے کے بعد اُسے اپنے پیارے بیٹے کی ایک نشانی سمجھیں ۔ مالک کے مرنے کے بعد اگر وہ زندہ رہی تو مالک کو مُردہ نہ سمجھنا جب مالک کو پیار کرنے کو جی چاہے یُوں سمجھنا کہ وُہی مالک ہے ، گویا مالک کی رُوح اس میں آگئی ہے ۔"
یہ الفاظ تھے جو میں نے نہایت تاکید سے والدہ صاحبہ کو کہے ، اللہ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے ۔ یہ خط لکھ رہا ہوں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور اب افراطِ گریہ سے سر میں درد محسوس کر رہا ہوں ۔
آہ کیا ہم علیحدہ ہو جائیں گے ۔ نہیں ، نہیں ، دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں علیحدہ نہیں کر سکتی جسم علیحدہ ہونے والے ہیں اور ہونگے مگر میری رُوح تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے سر پر منڈلائیگی ۔ کیا آپ بھی اس سُکھ کی دُنیا میں جانے کو تیار ہیں ؟ اگر آپ بھی چلی گئیں تو مجھ گنہگار کو بخشوائیگا کون ؟ میرے لئے مغفرت کی دُعائیں کون مانگے گا ؟ آپ سراپا اُجالا ہونگی ، میں سراپا

ظلمت - آپ کا ٹھکانا باغِ رضواں ہوگا، ہمارا دوزخ کا گڑھا۔
اس حالت میں کہتے ہیں کہ بہشتی بیوی اپنے گنہگار خاوند کو پہچان
بھی نہ سکے گی - کیا آپ ایسا ہی کرینگی؟ سب سے دُکھ دینے والی
چیز میرے ارمان ہیں میری اُمنگیں ہیں - خواہشات ہیں جو
دل کی دل میں رہ جائیں گی اور ہم آگے نکل جائیں گے انا للہ
وانا الیہ راجعون اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

آپ کا تابعدار مالک تسنیم)

مرض الموت سے بہت تھوڑا عرصہ پیشتر مرحوم کی اہلیہ صاحبہ نے
خواب دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ لایا جا رہا ہے۔
جس کے ساتھ ساتھ وہ بھی چل پڑی ہیں۔ جب نماز کے لئے جنازہ رکھا
گیا تو کفن میں سے مرحوم اُٹھ کھڑے ہوئے اور نماز جنازہ کی امامت کرا کے
پھر اُسی کفن میں مکفون ہو گئے - چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا یہ غلام اُسی روز اپنے مالکِ حقیقی کے پاس جا پہنچا جس دن کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تھا - اِنا للہ و انا الیہ راجعون۔

اے خدا بر تربتِ او بارشِ رحمت ببار
داخلش کن از کمالِ فضل در بیت النعیم

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ

اے اللہ تو اُس کی مغفرت فرما۔ اور اس پر رحم فرما۔ اور اسے اپنی عافیت
میں لے لے۔

وَاعْفُ عَنْهُ   وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ

اور اس سے درگذر فرما۔   اور اس کی باعزت مہمانی فرما۔

وَ وَسِّعْ مَدْخَلَهٗ

اور اس کو داخل کے لیے وسیع مکانات دے۔

وَ اَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ

اور اس کے دنیوی گھر کے بدلے آخرت میں اسے بہترین گھر دے۔

وَ زَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ

اور اسے دنیوی سوسائٹی سے بہتر سوسائٹی دے۔

وَ نَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا۔

اور پاک صاف کر دے اسے تمام خطاؤں سے۔

كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔

جس طرح پاک صاف ہوجاتا ہے سفید کپڑا میل کچیل سے۔

وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ   وَ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

اور داخل کر اسے جنت میں۔   اور بچا اسے عذابِ قبر سے۔

وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ اٰمِيْن يَا سَمِيْعَ الدُّعَا۔

اور عذاب نار سے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى خُلَفَاءِهٖ وَ عَلٰى عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ ؕ

مرحوم کے نوشتہ چند خطوط کی نقلیں

ذیل میں مرحوم کے متعدد خطوں میں سے دو تین خطوط کی نقل درج کی جاتی ہیں جن سے مرحوم کے دلی اخلاص۔ سعادت مندی۔ دینی ذوق۔ نیک طبیعت اور عام قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

کوپرپوسٹل

لاہور۔ تحریر جنوری ۲۴ ۱۹۳۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے مولوی صاحب۔ میرے وہ مولوی جو اپنے سحر انگیز خط سے مجھے کچھ عرصہ کے لئے ایک نئی دُنیا میں پہنچا دیتا ہے۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اس خدا کے لئے جس نے آپ کو ایسے درد بھرے اور سحر انگیز خط لکھنے کی طاقت اور قابلیت بخشی۔ مجھے ہمیشہ ہی ایسے خط لکھتے رہو تاکہ میرے ڈگمگاتے ہوئے قدم سنبھلتے رہیں اور میں گرنے سے بچ جاؤں۔

مجھے ہمیشہ ہی للہ ایسی پند و نصائح کرتے رہو جو روح افزا ہوں جو ایک نئی تڑپ اور خوش کن بے چینی پیدا کر دیں۔

میرے اچھے مولوی جی آپ کے خط میری زندگی کے بحر بیکراں میں ایسے زبردست تلاطم پیدا کرتے ہیں کہ خط کو ہاتھ میں لئے پہروں سوچتا رہتا ہوں کہ مجھے کیا ہو گیا۔ اور اس خدا تعالٰے کی جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب آپ کا خط ہاتھ میں ہو (خصوصاً آپ کا آخری خط) تو دل کی عجب کیفیت ہوتی ہے۔ اس دفعہ آپ کا خط اپنے دنوں پر رکھ کر بہت بنا سوچتا رہا۔ دل چاہتا تھا کہ آپ ہوں اور میں ہوں۔ اور ایک نہایت خاموش جگہ پر بیٹھے مشرق اور مغرب کے بادشاہ کی یاد میں محو اس کی حمد کے پیارے اور اور اس گیت گاتے صبح سے شام اور شام سے سحر کر دیں۔

میرے پیارے اور دل کو موہ لینے والے مولوی جی۔ کیا ایسا وقت اور مکان ممکن ہے۔ ہاں اس وقت جبکہ وہی مشرق اور مغرب کا بادشاہ مجھ ناچیز کو نظرِ عطوفت سے دیکھتے ہوئے دنیوی عزت بخشیگا۔ ہر قسم کا آرام ہوگا ہم آپ ہونگے اور ہیں۔ اکٹھے بیٹھے دل کے غبار دل کھول کر نکالا کرینگے۔

مجھے آپ کے کہے بغیر ہی یقین کامل ہے کہ آپ میرے لئے دعائیں کرتے ہونگے۔ میں بھی آپ کے لئے بہت دعا کرتا ہوں اور میرے مولوی جی مجھے یقین ہے کہ میرے محبت بھرے اور بے لوث دل سے نکلی ہوئی دعا کبھی رائگاں نہیں جائیگی۔

آپ کے ایک نئے اخبار کے اجرا کا بیڑا اٹھانے سے مجھے ذرا ڈر ہی لگتا ہے۔ نامعلوم حالات کیسے ہوں اور کیا معاملات پیش آئیں۔ مگر مجھے دلی اطمینان ہے کہ آپ ایسے ثابت قدم اور محنتی انسان کی اللہ میاں ضرور تائید کریگا۔ محترم برادر نیاز صاحب آئی۔ سی۔ ایس ہیں اب کلکتہ آرہے ہیں۔ کیا اُن کی وساطت سے اشتہارات کے لئے کوشش نہ ہو سکیگی؟ اُمید ہے کہ ان کی کلکتہ میں آمد آپ کے لئے انشاء اللہ سودمند ہوگی۔

آپ کی چیلی ہر ایک نے پسند کی ہے۔ کیا اچھا ہو۔ اگر آپ تحفہ تحائف

پیش کرنے کی عادت کو بھلا دیں۔ کیونکہ یہ آپ کی قابل قدر عادت مجھے ذرا کم بھاتی ہے۔

مجھے یہ سن کر کہ نیاز صاحب سیدھے کلکتہ اُسی ٹرین سے مایوس ہو کر سدھارے بہت قلق ہوا۔ ہمشیرہ صاحبہ نے اپنا ایک آدمی بھیجا تو تھا مگر اغلباً وہ اُن کو پہچان نہیں سکا اور نہ ہی نیاز صاحب اسے پہچان سکے اور وہ پہچان بھی کیسے سکتے تھے؟

خیر یہ سب کچھ خدائے پاک کو منظور تھا۔ سو ہو گیا۔ باقی رہی میری پرانی حسرت کہ نیاز صاحب سے ملاقات ہو گی۔ دل میں ہی رہی۔ ریاض بھائی بہت یاد آتے ہیں۔ بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ ایک دفعہ پھر ملنے کو دل چاہتا ہے۔

آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ زبیدہ خانم کو اللہ تعالےٰ نے کل لڑکا دیا ہے نووارد بچے کی درازئ عمر اور خوش بختی کیلئے دعا کریں۔ مجھے اس کی اطلاع ابھی ابھی ملی ہے۔ اکرام صاحب اچھے ہیں اور سلام کہتے ہیں۔

فوٹو اُتارنے پر تاسف کا اظہار کرتا ہوں۔ دراصل یہ ایک مذاق تھا جو فوٹو کو واپس کرنے کے خیال کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ مگر وہ خیال خیال ہی رہا۔ متفکر نہ رہیں۔ انشاء اللہ ایک تازہ فوٹو ارسال کرونگا۔

اب شام ہونے کو آئی ہے۔ اور سیر کو دل چاہتا ہے۔ لہذا رخصت چاہتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کو بہت محبت کرنے والا۔

مالک۔

۱۷ بہاولپور روڈ۔ لاہور۔ جون ۲۸؍ ۱۹۳۸ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ عزیز از جان مولوی جی میں بڑی سستی اور

بے اعتنائی کا اعتراف کرتا ہوں۔ مگر میری یہ سستی اور تاخیر لاعلمی نہیں۔ بلکہ عدیم الفرصتی اس تاخیر کا باعث ہوئی۔ اس تساہل اور ظاہراً فراموشی سے یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ ایسے عزیز۔ محسن۔ مجسّم محبت انسان کو بھول گیا۔ ہرگز نہیں۔ یہ طبعی ناممکنات سے ہے کہ مالک اپنے مولوی صاحب کو بھلا دے۔

دن میں متعدد بار آپ کا خیال اور آپ کی محبت بھری باتیں ذہن میں آتی ہیں اور طبیعت کو چند لمحوں کے لئے گرما کر پردہ نیست میں مستور ہو جاتی ہیں۔

ملفوفہ خط میں نے چند ہفتے گذرے آپ کی طرف لکھا تھا اور میرا خیال تھا کہ خط ڈاک کی نذر ہو چکا ہو گا۔ مگر وہ خیال۔ خیال ہی نکلا۔ اور ایک روز الماری میں ایک کتاب کی جستجو کے دوران میں ہاتھ آیا۔ لگے ہاتھوں وہ بھی ساتھ ہی ارسال کر رہا ہوں کہ عینی شہادت ہو کر سند رہے۔

آپ کی کرمفرمائیوں۔ عنایتوں اور مہربانیوں کے بوجھ کے نیچے سے میرا سر نہیں اٹھ سکتا۔ آپ کی محبت بھری رُوحانی صحبت ایک اُستادِ کامل سے زیادہ فیض رساں ثابت ہوئی۔ ویسے تو پہلے ہی سے آپ نے مجھ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہوا ہے۔ مگر قادیان کی طویل صحبت نے بدرجۂ اتم متاثر کیا ہے۔ یعنی اپنے میں ایک نہایت خوشگوار تغیر محسوس کرتا ہوں۔ آپکی صالح صحبت نے مجھے علم و عرفان۔ الٰہیات اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے صحیح ذرائع سے رُوشناس کیا ہے۔ وہ رموز اور نکاتِ رُوحانی جو میں اپنی ذاتی کوشش سے سالہا سال کی پیہم محنت سے بھی نہ سمجھ سکتا۔ آپ کی نہایت قلیل صحبت نے ذہن نشین کر دئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اس قربانی کا اجر دیوے۔ میں آپ کی عطا فرمودہ جملہ کتب کا بالالتزام مطالعہ کر رہا ہوں اور اللہ کے فضل سے ان میں مستور اور مفید فیوض سے بہرہ اندوز ہو چکا ہوں۔ گھر کے لوگوں سے گرما گرم بحثوں نے

انہیں یقین دلا دیا ہے کہ میں "مرزائی" ہو گیا ہوں۔ مگر میں اس معین وقت کی انتظار میں ہوں جب خدا کی پاک جماعت میں شمولیت کی سعادت حاصل کروں۔ شکر ہے کہ آپ منصوری پہنچ گئے۔ مجھے گونہ رنج ہوتا ہے یہ یاد کر کے کہ ابھی تک آپ کو موذی تکلیف لاحق ہے۔

مگر یقین جانیں کہ اس بیماری نے جس سے آپ خائف ہیں، ہرگز جڑیں نہیں پکڑیں۔ بلکہ ایک نہایت بے حقیقت اور کمزور سا حملہ سمجھ لیجئے اور میں تو سرے سے ہی یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ آپ ایسے قہقہہ پسند شخص کو کوئی سینے کی بیماری ہو سکے۔ ہاں اگر لکھنے کے وقت متواتر جھکنے سے کوئی تکلیف محسوس ہو (جو لازمی ہے) ۔ اور ہر تندرست شخص کو بھی محسوس ہوتی ہے) تو وہ ایک "خطرناک" بیماری نہیں کہلا سکتی۔ بالکل ہنگامی ہے جو متواتر لیٹے رہنے سے دور ہو سکتی ہے۔

شاید میں نے پہلے بھی آپ سے ذکر کیا تھا کہ سینے کی جملہ امراض کے لئے کھلی ہوا میں لانبے لانبے سانس لینا اور چھوڑنا تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ اور آپ آج کل اس مقام پر ہیں جہاں آکسیجن ایسی روح افزا اور جان بخش ہوا سے سینکڑوں گنا زیادہ مفید "اوزون (Ozone) چلتی ہے۔ اور اس زریں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلی ہوا میں نکل کر یا کسی چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر لانبے لانبے سانس لیا کریں۔ یقین رکھیں کہ ایک ہفتہ کی قلیل مدت کے بعد آپ کو اس زریں اصول کی ماہیت سمجھ میں آ جائیگی۔

اکرام صاحب پاس ہو گئے ہیں۔ ان کے حاصل کردہ نمبر ۲۳۱ ہیں۔ جن میں اختیاری مضمون کے نمبر بھی شامل ہیں۔ آج کل گونڈا میں ہیں اور کراچی جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ کی فرستادہ کتاب وصول پائی ہے۔ شکریہ۔ میرا کہیں بھی

سلہ کوہ منصوری۔

جانے کا ارادہ نہیں۔ کیول شملہ آنے کو بہت کہتا ہے۔ لیکن ابھی میرا ارادہ
نہیں۔ لظیر بھائی بخیریت ہیں۔ اور کوئی قابل ذکر بات نہیں۔ فقط۔ والسلام۔
تابعدار تسنیم مالک

کوپر ہوسٹل۔ المرقوم ۱۷ فروری ۱۹۳۹ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اللہ کے فضل اور رحم کے ساتھ

عزیزی مولوی صاحب حفظکم اللہ تعالےٰ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
آپ کا دوسرا لفافہ آج ملا۔ اور پہلا ایمن آباد سے واپسی پر میز پر پڑا ہوا پایا
اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کی نصائح میرے لئے کافی تحریک
کا باعث ہوتی ہیں۔ اور یہ مجھے ماننا پڑیگا کہ بعض اوقات نہیں۔ بسا اوقات ایسا
بھی ہوتا رہا ہے کہ ایک زشت ماحول اور بری فضا سے متاثر ہو کر پائے۔
ایمان لڑکھڑانے لگے کہ آپ کا ایمانی جڑوں کو مستحکم کرنے والا۔ رُوحانیات کے
معارف سے لبالب بھرا خط آ پہنچا جس نے مُردہ رگوں کو ایک نئی زندگی بخشی۔
پژمُردہ ایمان کو تازگی بخش کر شگفتہ صُورت کیا۔ ان خطوط میں ایک بجلی ہوتی
ہے کہ ہاتھ لگتے ہی ایک بے پناہ جنبش جسم کو ہوتی ہے۔ اور عجیب کشمکش شروع
ہوجاتی ہے۔ آخر طاغوتی لہروں پر جو حق کی فضا پہ محیط ہوئی ہوتی ہیں۔ حق کی افواج
قاہرہ کو ایک مبتہم بالشان فتح ہوتی ہے۔ آنکھیں ملتا ہوں۔ رُوحانیات کی پَو
پھٹی ہے۔ اور حق کا آفتاب رحمتوں کی کرنوں سے میرے دل و دماغ کو منوّر کردیتا ہے
اسی وقت اپنے معبودِ حقیقی کا شکریہ بجا لاتا ہوں کہ میرے مولا ایک دفعہ
پھر تُو نے اس عاجز پر سے جہالت کے بادل پھاڑے اور اپنی رحمتوں کی بارش برسائی۔
اور پھر میرا پیارا اللہ میرے پژمُردہ دل کے لئے یہ انتظام کرتا ہے کہ اپنی

برکتوں کی معطر ہوائیں چلاتا ہے کہ آئینہ خاطر سے گردِ ملال دُور ہو کر روح شگفتہ ہو۔ ہاں تو اُس کی رحمتیں لاتعداد ہیں۔ مجھ عاصی پر رحمتوں پہ رحمتیں کرکے مجھے شرمندہ کرتا رہتا ہے۔ میں گناہ پہ گناہ کرتا ہوں۔ اس کے ہر حکم سے دیدہ دلیری کے ساتھ علانیہ آنکھ بند کر لیتا ہوں۔ مگر پھر بھی اس کا فضل شامل حال ہے۔ یہ ہے اس کی شان رحیمیت۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔

آپ کے خطوط ایک خاردار مہمیز ہیں کہ اسپ ادراک کو چوکنا کر دیتی ہیں میں ان نصائح اور انتباہ کا جو عین وقت پر میری روحانی آنکھیں کھولتی ہیں کسی طرح بھی صلہ نہیں ادا کر سکتا۔ مجھ عاجز اور احقر العباد اللہ کے پاس سوائے مخلصانہ دعاؤں کے کچھ نہیں۔ اور میں اللہ کے رحم و فضل کے ساتھ ہر محسن کے سامنے اسی ہدیئے کے ساتھ حاضر ہوتا ہوں۔ اور اہل بصیرت کے لئے یہ ایک انمول ہدیہ ہے۔ آپ کے خط سے حسرت اور یاس ٹپک رہی تھی۔ کھانسی نے آپ کو کیوں مایوس کر دیا ہے۔ ناامیدی کی اس ترمید کا موجب آپ کا اپنا "خیال" اور "وہم" ہے

کھانسی ایک عام مرض ہے اور جب آپ بدستور علاج کر رہے ہیں۔ تو یہ کسی حالت میں مہلک نہیں ہو سکتی۔ البتہ تکلیف ضرور ہے۔ اور مرض اور تکلیف دو متضاد چیزیں تو ہیں نہیں! اور یہ تکلیف بھی آپ کی اپنی بنائی ہوئی ہے۔

آپ اس خیال پہ کہ آپ کو ایک واقعی مہلک بیماری لاحق ہے بہت توجہ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس حالت کا دوسرا پہلو "علاج اور آرام" آپ کا خیال جھول ہی نہیں کرتا۔ تکلیف آپ کے دماغ پر محیط ہو جاتی ہے اور اور یہی اس خیال کا ماحصل ہے۔

دیکھیئے. قوتِ ارادہ سے کام لیتے ہوئے دماغ پر زور دے کر اگر بہت نہیں تو تھوڑی حد تک دماغ کو منوا دیں کہ تکلیف بہت کم ہے اور اگر ہے بھی تو بہت ہنگامی ہے. اگر یہ بات آپ کے Sub conscience mind میں ہی کسی طرح داخل ہو جائے تو آپ کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو جائے. مگر آپ ہیں کہ ہر وقت "ہائے تکلیف" کا راگ الاپ رہے ہیں۔ اس طرح اگر تکلیف نہ بھی ہو تو ظاہر ہے کہ ہو جاتی ہے۔

دماغ غیر شعور میں داخل کرنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ پوشیدہ طور پر مثبت جو غیر شعور دماغ میں مقید ہے. "نفی" کا کچھ نہ کچھ مقابلہ کرتا رہیگا۔ اور اس طرح بہت حد تک تکلیف کم ہو جاتی ہے. گو غیر شعور دماغ میں مقید خیال کی کچھ حقیقت نہیں وہ ایک گم شدہ چیز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تاہم وہ مقید خیال ایسے وقت عود کر آئیگا جب کہ تکلیف کے خیال کا شعور دماغ پر بہت زور سے ہو۔ یہ مسئلہ ذرا زیادہ وضاحت سے شاید آپ کی سمجھ میں آجاوے۔

مندرجہ ذیل عبارت کو علیحدہ کسی کاغذ پہ جلی قلم سے لکھیں۔ ایک فقرہ ایک اِن میں اور صبح اُٹھتے وقت اور سوتے وقت پڑھیئے۔

"میری تکلیف بہت عارضی ہے۔ بیماریاں دُنیا میں جب رہتے ہیں تو ضروری ہیں۔ اور یہ ایک عام مرض ہے۔ میں علاج کر رہا ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اب کچھ فرق پڑ رہا ہے۔ تدریجاً یقیناً آرام آ جاویگا۔ آخر کھانسی ہی تو ہے۔"

میرے جسم کا ایک عضو کسی وجہ سے ٹھیک کام نہیں کرتا۔ کوئی بات نہیں۔ وہ اپنی اصلی حالت پر آجاویگا۔

خطرناک سے خطرناک بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے. کیا دنیا میں اس کا علاج موجود نہیں؟ جو دوائیں میں پی رہا ہوں ان سے سینکڑوں کو فائدہ ہوا ہے. مجھے اگر جلدی نہیں تو ذرا دیر سے ہو جاویگا. میں ضرور اچھا ہو جاؤنگا.
(ان فقرات کو علیحدہ علیحدہ پڑھنے کے بعد ان کا مفہوم سمجھ کر غور کریں اور پھر آگے چلیں). کھانسی ایک فضول بیماری ہے مجھے اس سے نفرت ہے. مگر کھانسی ایک معمولی بیماری ہے

عجب ہنسی کی بات ہے کہ
تمام دن نہیں ہوتی اور رات کے وقت شروع ہو جاتی ہے. قدرت کا انتظام بھی کیسا مکمل ہے کہ بیماریاں تک بھی اپنے حملوں کو خاص اوقات کے ماتحت رکھتی ہیں.
مگر یہ ایک عام بیماری ہے.
یو.پی میں یہ بیماری بہت کم ہے کیونکہ یہاں کی آب و ہوا گرم تر ہے.
مجھے یہاں یقیناً آرام آ جاویگا.
اب آگے سے فرق ہے.
آج رات میں آرام سے سوؤنگا. شکر ہے خدا نے مجھے خلاصی دی.
مندرجہ بالا عبارت کو جیسا کہ کہا گیا ہے لکھ کر صبح اور سوتے وقت لفظوں میں پوشیدہ خیال کے مطابق لہجہ کو تبدیل کر کے بآواز بلند آہستہ آہستہ پڑھیں. یہ علاج آپ کے شعور دماغ کے لئے ہے. اور مذکورہ عبارت ہر روز پڑھیں اور اسے ایک محبت کا تحفہ سمجھ کر پڑھئے. فقرے کے خیال کی کیفیت ضروری ہے کہ آپ اپنے اوپر طاری کرتے جائیں. یو.پی کی آب و ہوا کا جسے آپ کو موافق آنا چاہئے تھا. آپ کے مخالف ہونا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ وہاں جاکر

اپنی بیماری کے متعلق Conscious ہو گئے ہیں۔

جب آپ کا سینہ صاف ہے۔ جب آپ کی تھوک صاف ہے تو پھر کسی مہلک بیماری کا خیال تک لانا ہمالیہ جتنی بڑی غلطی ہے۔ رہا کھانسی کے متعلق سوائے آپ پرانی کھانسی سمجھیے یا کچھ اور۔ آخر پرانی کھانسی کا بھی تو آپ کی موجودہ حالت پہ اطلاق ہو سکتا ہے۔ اپنی کھانسی کو خطرناک کھانسی کیوں سمجھتے ہیں۔ پرانی کھانسی سے کیوں تعبیر نہیں کرتے؟

اور جو اب تک آپ کو آرام نہیں آیا۔ اس کی وجہیں دو ہیں۔ (۱) کہ آپ تپ دق کا علاج کرتے رہے ہیں۔ پرانی کھانسی کا نہیں۔ اور چونکہ آپ قنوطیت کے دلدادہ ہیں۔ اس لئے بیمار ہونا پسند کرتے ہیں۔ قنوطیت کی زندگی میں کیا لطف ہے؟

اپنے فلسفہ یاسیہ کی تحریک کے لئے اپنے کو مہلک مرض میں گرفتار ظاہر نہ کریں۔ بلکہ اس زشت فلسفے کے لئے آپ کو اس دنیا دار المحن میں اور ہزاروں سامان مل سکتے ہیں۔

دنیا کی بے ثباتی۔ خوشیوں کی بے ثباتی۔ بہار کی بے ثباتی۔ گل کی بے ثباتی۔ دوستوں کی دوست کشی۔ ظالموں کا ظلم۔ محسن کشی۔ طاغوتی طاقتوں کا احاطہ کر لینا۔ آپ کی قنوطیت میں کافی سے زیادہ موجب تحریک ہو سکتا ہے۔

اندھیرے میں اگر یہ خیال کریں کہ آپ کے عین سامنے تین فٹ کے فاصلے پہ ایک فرش سے لے کر چھت تک لانبا انسان۔ دو دو فٹ لانبے کانوں والا۔ لانبے لانبے دانتوں والا۔ جس کے جسم پہ دو دو فٹ لمبے بال ہیں۔ کھڑا آپ کی طرف دانت پیس رہا ہے۔ تو قوتِ واہمہ وہی شکل آپ کے سامنے لا حاضر کرے گی۔ وہ خوفناک شکل ایک منٹ میں آپ کے خیال کرتے ہی کیسے آگئی؟

وہ آپ کی توجہ۔ اور آپ کے خیال کی بدولت۔

خیال ایک بہت طاقتور قوت ہے جو ایک وہم کو اتنا فانا پیدا بوؤ بخش سکتا ہے۔

تو اگر اس خیال کی بدولت آپ نے ایک وہم کو تپ دق بنا دیا ہو۔ تو کوئی حیرت نام نہیں۔ روزمرہ کا ایک ادنی مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا کی کوئی دوائی آپ کو صحت نہیں بخش سکتی۔ ایک صحیح تندرست ماحول۔ چند دل دماغ کی صحبت اور قوتِ ارادی ہی آپ کی پیچیدہ بیماری کا علاج ہے۔ خدا آپ کے ساتھ ہو۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ تابعدار المستنصر باللہ مالک تسنیم۔

تعزیت نامے

ذیل میں مرحوم کی وفات پر خاکسار راقم الحروف اور مرحوم کے والد بزرگوار
اور اُن کی اہلیہ صاحبہ محترمہ کے نام بزرگان سلسلہ احمدیہ اور مرحوم کے اعزہ و
احباب کے تعزیت نامے درج کئے جاتے ہیں. جن سے مرحوم کے اخلاق و محاسن
پر بہت حد تک روشنی پڑتی ہے.

منجانب جناب امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور

لاہور کشمیری بازار. کوچہ گگے زئیاں
۲۶ جولائی ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

عزیزم مولوی مبارک احمد صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. مجھے امیر صاحب جماعت احمدیہ لاہور نے
آپ کی چٹھی مؤرخہ ۱۷ جولائی ۱۹۳۹ء کے جواب کے لئے ارشاد فرمایا ہے. عزیز چودری
محمد مالک خانصاحب بی. اے. لاء سٹوڈنٹ کی بے وقت وفات کا نہایت ہی
صدمہ ہے. یقیناً عزیز موصوف ہونہار. صالح. سعید فطرت تھا. اس کی وفات
ایک قومی نقصان ہے. ہماری دلی ہمدردی اس کی معصوم بیوی اور اس کے
خاندان سے ہے.
آپ کی سعی سے اللہ تبارک و تعالےٰ نے عزیز کو سلسلہ عالیہ احمدیہ میں

شمولیت کی سعادت بخشی تھی۔ آپ کو مرحوم سے نہایت محبت تھی۔ آپ کے لئے بھی بہت بڑا صدمہ ہے۔ ہماری ہمدردی آپ سے بھی ہے۔ دُعا ہے اللہ تبارک و تعالےٰ۔ تمام عزیزوں اور بزرگوں کو صبر عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلےٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

مرحوم کی وفات پر جماعت گوجرانوالہ کے امیر صاحب بمعہ دیگر احباب کے بروقت ایمن آباد پہنچ گئے تھے اور جنازہ حاضر پڑھا تھا۔ جماعت لاہور نے گذشتہ جمعہ کے بعد مرحوم کا جنازہ غائب پڑھ لیا ہے۔ والسلام۔

(خاکسار ملک خدابخش جنرل سکرٹری جماعت احمدیہ۔ لاہور۔)

منجانب جناب میر محمد بخش صاحب پلیڈر امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ

گوجرانوالہ۔ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

اخویم مکرم!

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں عرض ہے کہ چوہدری محمد مالک خاں صاحب کی وفات کا بے حد افسوس ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مجھے میاں محمد الدین صاحب نے بذریعہ تار وفات کے دن اطلاع دے دی تھی۔ میں مع دیگر احباب کے ایمن آباد پہنچ گیا تھا اور جملہ احمدیوں نے میری اقتدا میں مرحوم کا جنازہ پڑھا۔ اور اُن کے لئے دُعائے مغفرت کی۔ مرحوم کے غیر احمدی رشتہ داروں نے نہایت اچھے اخلاق کا نمونہ دکھایا۔ اور خود نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں نماز جنازہ ادا کرنے

کا موقع دیا۔ اور جب تک نماز جنازہ سے فارغ نہ ہو گئے۔ نہایت اطمینان اور صبر سے پاس کھڑے ہو کر انتظار کرتے رہے اور دوسرے اشخاص کو قریب آنے سے روکتے رہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر عطا کرے اور اس نیک اخلاق کے بدلے میں اپنی ہدایت کی راہوں سے رُوشناس کرے۔ میں انشاء اللہ تعالےٰ آپ کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے احباب جماعت کو کل بروز جمعہ کے روز اپنے مرحوم بھائی کے لئے نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے عرض کرونگا۔

مجھے مرحوم کی وفات کا بے حد افسوس ہے۔ مرحوم مخلص نوجوان تھا۔ اور تبلیغ حق کا اُسے خاص شوق تھا۔ اللہ تعالےٰ اس کے درجات بلند کرے۔

خاکسار محمد بخش میر امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب سابق مسلم مشنری انگلستان و امریکہ

کراچی۔ ۲۵ جولائی ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم مکرم مبارک احمد خاں صاحب سلمکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کا محبت نامہ مورخہ ۱۹ جولائی ملا۔ عزیز تسنیم کی وفات کی خبر سے بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت میں بلند مقامات دے اور اپنے قرب میں جگہ دے۔ اور آپ کو اور دیگر پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

انشاء اللہ جمعہ کے دن یہاں ان کا جنازہ پڑھا دیا جائیگا۔ آپ کا خواب ان کے حق میں اچھا ہے۔ پگڑی باندھنا عزت و مرتبہ کی ترقی ہے جو مرحوم کو رُوحانی رنگ میں حاصل ہوئی۔ اللہ کریم آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔

مسز مالک کو بھی میں نے خط لکھا ہے۔ والسلام
خادم محمد صادق عفی عنہ۔ ۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ ہجری علی صاحبہا التحیہ والسلام

از جناب پیر اکبر علی صاحب ایم۔ بی ای ایم ایل اے ایڈووکیٹ فیروز پور

فیروز پور سٹی۔ ۲۱ جولائی ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عزیزم مکرمی زاد اللہ نور ایمانہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عزیز چوہدری محمد مالک صاحب تسنیم کی دفعتہً حسرت آیات کی خبر کل ملی۔ سخت صدمہ ہوا۔ گھر میں سب چھوٹے بڑے اس خبر سے غمگین ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم پر اپنی خاص الخاص رحمتوں کا نزول فرمائے۔

موت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کو وہ انعام حاصل نہ ہو سکیں جن کے عطا فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ آن کی بے وقت وفات پسماندگان کا امتحان ہے۔ میری طرف سے ان کی اہلیہ صاحبہ کے پاس بہت ہمدردی کا اظہار کریں اور مرحوم کے دوسرے اعزہ کے پاس بھی۔ والسلام۔ خیر اندیش اکبر علی۔

از جناب پیر صلاح الدین صاحب بی اے۔ ایل ایل بی۔ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ فاضلکا

فاضلکا۔ ۲۲۔ جولائی ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل رات ابوہر سے واپسی پر آپ کا خط پایا۔ میرا پیارا مالک کچھ عرصہ کے لئے

مجھے چھوڑ گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ میرے چین و قرار کو بیقراری کی نذر کر گیا۔ میرے بہت تھوڑے دوستوں میں سے ایک تھے۔ ان کی احمدیت سے محبت کی وجہ سے مجھے ان سے خاص محبت ہے۔ جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ اب کوپر ہوسٹل لاہور جا کر میں اپنے پیارے مالک کو نہیں دیکھ سکونگا۔ اب جلسہ سالانہ پر قادیان میں وہ نظر نہیں آئینگے اب کسی خوشی کے موقع پر وہ پیاری پیاری صورت اور بشاش چہرہ نظر نہ آئیگا۔ تو دل خون ہو جاتا ہے۔ مجھے اُن کی خبر صرف آپ ہی کے خط سے ملتی رہی۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے جلدی جلدی اطلاع ملے کیونکہ اس طرح دعاؤں کے لئے خاص تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جب میں نے پہلی دفعہ ان کے لئے دعا کی تو اس میں قبولیت کے آثار پائے۔

اے میرے آقا میری دعاؤں کو سننے والے مالک حقیقی! ہمارے پیارے مالک کو اپنی مغفرت میں لے لیجئے۔

پیارا مالک یاد آ رہا ہے اور دل بیقرار بچین و محزون ہے۔ آہ! کیا وہ صبح و شام اب پھر نہیں آئینگے۔ جبکہ پیارا مالک پھر اپنی مسرور کن صحبت سے ہمیں فیضیاب کرے۔ اے مالک کے پیارے مالک! تو ہم پر رحم کر ہمارے پیارے مالک کی روح سے ہمارا روحانی تعلق قائم کر دے تا حسن و جمال یار کے آثار اس فرقت کی درد کو کم کر دیں۔ میرا دل ماہئے بےتاب کی طرح تڑپ رہا ہے اور میرے رخسار قطار در قطار آنسوؤں سے سیراب ہو رہے ہیں لیکن اس درد کی دوا درد ہی ہے۔ میں اکیلا فاضلکا کی بستی میں چراغوں کی دنیا میں بہا جلا جا رہا ہوں میرے دل کا حال کسی کو معلوم نہیں۔

اے میرے مولیٰ! اے میرے آقا! ایسا کر کہ ہم تیری یاد میں سب غم غلط کر دیں۔ تو نے خود ہی بعض لوگوں کی محبت دل میں رکھ دی ہے۔ پھر دل میں کیوں درد محسوس

نہ ہو۔ کیونکر بیتابی سے نجات ملے۔ ہم تیری اجازت سے ہی درد دل سے کھیل رہے ہیں۔ اگر تیرا حکم ہو تو دم گھٹ کر مر جاؤں۔ پیارے مالک کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آنکھیں پھر اسے دیکھیں میری آنکھیں اپنی رونق کھو رہی ہیں۔ آہ میرا مالک مجھے چھوڑ گیا۔ اے خدا! مالک پر اپنی طرف سے ہزاروں ہزار سلام اور رحمتیں نازل فرما۔ انہیں دُنیا میں نیکی کے ساتھ تاقیام دُنیا زندہ رکھیو۔ اے رحیم آقا! رحم کر۔ اِرْحَمْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

میں نہیں جانتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ دماغ قوت فکر سے عاری ہو رہا ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے دُھندلی۔ اور دل درد کی نذر۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ پر پیارے مالک کا ملنا ہی کچھ محال نظر آ رہا ہے۔

میری طرف سے مسز مالک سے افسوس و ہمدردی کا اظہار کریں۔ مجھے پیارے مالک کا ایک فوٹو بھیجدیں۔ اور دُعا کریں۔ جتنا یہ صدمہ مجھے پہنچا ہے اگر میرا کوئی بھائی بھی فوت ہو جاتا تو اتنا صدمہ نہ پہنچتا خدا تعالےٰ میرے بھائیوں کو بھی احمدیت کی محبت سے اسی طرح حصہ دے جس طرح اس نے پیارے مالک کو دیا۔

اے میرے آقا اے میرے مالک! ہم دُنیا میں تیرے ایک مشن کے لئے زندہ ہیں تو ہمیں توفیق دے کہ ہم اسے تیری منشا کے مطابق پُورا کریں وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ اور ہماری سب محبتیں اور راحتیں تیرے ہی تعلق سے ہوں۔
تو ہی ہمارا آقا ہے۔ تو ہی ہمارا مولا ہو۔ آمین۔ محزون صلاح الدین

از جناب ملک محمد دین صاحب احمدی

از تھانہ گنڈا سنگھ والا ضلع لاہور
۳۰ر جنوری ۱۹۴۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مرحوم مالک

کی المناک وفات کا مجھے سخت صدمہ اور افسوس ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
میں نے عمیق نظروں سے مرحوم کا مطالعہ کیا تھا۔ میں نے اُسے بہت ہمدرد۔ احمدیت کا
شیدائی اور ملنسار پایا۔ التزام کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے لاہور کی احمدیہ جامع مسجد
میں آیا کرتے تھے۔ اور نہایت خاموش اور ریزرو رہا کرتے تھے۔ اور مسجد میں ایک طرف
کھڑے ہو کر نہایت خشوع و خضوع سے نماز ادا کیا کرتے۔ اور مجھے ہمیشہ نہایت
محبت اور خلوص سے ملا کرتے تھے۔ ان کی احمدیت سے اخلاص کی وجہ سے مجھے اُن سے
ایک عشق سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے مرحوم کی دفات کی خبر سُن کر میں فوراً امین آباد
پہنچا اور تار دے کر گوجرانوالہ سے احباب جماعت کو نماز جنازہ کے لئے بلوایا۔ دورانِ
بیماری میں بھی میں لاہور سے عیادت کے لئے آیا۔ مرحوم کی والدہ صاحبہ چارپائی پر
بیٹھے مرحوم کو دبا رہی تھیں اور ان کی خالہ صاحبہ بھی پاس بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھ
کر مرحوم دیوانہ وار رونے لگے۔ اور دل تڑپ کے ساتھ لیٹے لیٹے ہاتھ جوڑ کر دردِ
دل سے رو کر مجھے کہا کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور میری طرف سے معافی
مانگیں اور دُعا کی درخواست کریں۔ میں حضرت اقدس کے سب حکموں پر پوری طرح
چلونگا۔ میرے سامنے مرحوم یہ باتیں کہتے ہوئے کافی دیر تک روتے رہے میں تسلّی
دیتا رہا۔ اس وقت اُن کے گھر کے سب آدمی موجود تھے۔

اس وقت ان کی والدہ صاحبہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا اور اُن کی خالہ
صاحبہ بھی اس امر کی تائید کرنے لگیں کہ اگر مالک احمدیت سے تائب ہو جائے تو
آج ہی صحتیاب ہو جائے۔ مجھے کہا کہ تمہارا اسٹسر احمدیت کا کتنا مخالف ہے؟
میں نے کہا مخالفت کر کے انہوں نے خستگی و قابلِ رحم حالت کے سوا کیا حاصل کر لیا ہے؟
اس پر مرحوم مالک غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ نے کہا کہ میں نے احمدیت کو حق سمجھ کر
قبول کیا ہے۔ اور اب صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ احمدیت کی حقیقت کی تہ تک پہنچ

چکا ہوں اور احمدیت کی سچائی میں مجھے ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں۔ اب تو اگر
میں مر بھی جاؤں تو مجھے افسوس نہیں۔ میں خدا کے فضل سے احمدیت سے
کسی صورت میں بھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔

اس پر ان کی والدہ صاحبہ اور خالہ صاحبہ نے مجبور ہو کر کہا کہ بچہ!
ایسی باتیں مت کرو۔ مرزائی ہونے کی وجہ سے ہی تم بیمار ہوئے ہو۔
ان باتوں کو مرحوم نے بہت بُرا منایا۔ اور کہا کہ میں خوش ہونگا اگر احمدیت
کی وجہ سے مر جاؤں تو۔

اور بھی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے سب باتیں اسی وقت گھر
آکر ہمشیرہ صاحبہ سے کہیں۔ آپ بیشک ان سے تصدیق کر لیں کہ اسی وقت
میں نے انہیں یہ باتیں کہیں۔ اور حضرت صاحب کی خدمت میں بھی عرض
حال کیا۔ مرحوم مالک غفر اللہ لہٗ نے پیچھے آکر اول نمبر پر سفر طے کر لیا۔
وہ دُنیا سے کامیاب و کامران گیا۔ جماعت احمدیہ لاہور نے بھی نماز
جنازہ ادا کی۔ مرحوم احمدیت کا ایک ہونہار اور درخشندہ گوہر تھا۔ جو
بہت جلد ہم سے لے لیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ والسلام

(خاکسار محمد دین محرر تھانہ گنڈا سنگھ والا) ۳۰ ۱/۴

ازجناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی پلیڈر گجرات

محلہ جٹاں۔ گجرات۔ ۲۳ ۵/۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیارے بھائی! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ برادرم محمد مالک صاحب
مرحوم ومغفور کی وفات کی اندوہناک خبر معلوم کر کے دل کو انتہائی صدمہ ہوا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔
عزیز موصوف کی مین عنفوانِ شباب میں۔ شادی کے تھوڑا ہی عرصہ بعد وفات ایک سخت تکلیف دہ صدمہ ہے مگر بجز صبر چارہ کار کیا ہے؟
مرحوم نہایت سعید الفطرت اور پاک طینت خوش خو نوجوان تھا۔
خداوندکریم اس کے درجات بلند کرے۔ اور اس کے بوڑھے باپ اور دیگر اقرباء کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
مرحوم کے والد بزرگوار جناب۔ چوہدری امام دین خاں صاحب کی خدمت میں بھی مَیں نے عریضہ ارسال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام (احقر ملک عبدالرحمٰن خادم۔ پلیڈر گجرات)

ازمولوی عبدالوہاب صاحب عمر خلف حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ

قادیان۔ ۴ راگست ۱۹۳۹ء

پیارے بھائی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔
چوہدری محمد مالک خاں تسنیم ایک ایسا پیارا بھائی تھا۔ جس کی موت کا مجھے بہت سخت صدمہ ہوا ہے۔ آپ نے جب ایسے پیارے بھائی سے ملاقات کرائی تو میرے دل میں آپ کے لئے محبت بڑھی کہ مبارک نے مجھے ایسے محبت کرنے والے ہنس مکھ اور خوش خلق بھائی کے ساتھ ملاقات کرائی۔ آہ کیا پتہ تھا کہ ایسا محبت کرنے والا بھائی اتنی جلدی ہم سے جدا ہو جائیگا۔

رُوئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

خداوند کریم ہمارے مرحوم بھائی کو اپنی خاص جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور اپنے بیشمار فضلوں کا وارث کرے۔ آمین والسلام۔ عبداللہ تیمی

ازجناب نواب منصور مظفر خاں صاحب ای اے سی۔ گوجرانوالہ

سول لائنز گوجرانوالہ ۲۸ ۹/۴۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم عزیزم سلامت باشد۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ خبر المناک آپ کے خط سے ہی ملی۔ اگر پہلے مجھے اطلاع مل جاتی۔ تو میں اپنے دوست کی آخری شکلِ مبارک تو دیکھ لیتا۔ یہ ارمان اور حسرت بھی دل میں ہی رہی۔

کیا آپ نے اپنا پہلا خط مجھے یہ خبر بد سنانے کے لئے ہی لکھنا تھا؟ افسوس! افسوس!! میں اُن کی زندگی میں ان کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ اور ان کی صحبت سے بھی زیادہ مستفید نہ ہو سکا۔

کیا ان کا آخری خط آپ کے پاس موجود ہے؟ اگر ہو تو کیا میں مانگ سکتا ہوں ؂

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ میری اور ان کی آخری ملاقات ہے۔ آہ جی بھر کر باتیں بھی نہ کیں۔ سوائے صبر کے اب کوئی چارہ نہیں۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دِل پھٹا جاتا ہے۔ افسوس! کہ پھر ملا بھی نہیں اور چل دیا۔ اس کی یاد کبھی نہیں مٹ سکتی ؂

گر اسے عمر بھر رویا کئے تو کیا رویا کئے

اس سے زیادہ رونا بھی اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس کی تو جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس کی یاد تو کسی وقت بھی نہیں جاتی۔ اس کا ہنس مکھ چہرہ۔ مسکراتے ہونٹ۔ میٹھی میٹھی باتیں۔ تہذیب سے بیٹھنا۔ بڑی احتیاط سے لفظ منہ سے نکالنا۔ ہر وقت آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اور یقین نہیں آتا کہ اب وہ ہم میں نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اچھی چیز اللہ تبارک و تعالےٰ کو بھی پسند ہے۔ اور وہ اسے اپنے پاس جلد بلا لیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس کا اس گناہ بھری دنیا میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا میں نے مالک کے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ اس کی عنایت اور محبت تھی۔ جو اُس نے مجھ ایسے گنہگار کو ایسے الفاظ سے یاد کیا۔ افسوس! کہ پوری طرح ملاقات بھی نہ کی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ ورنہ کبھی نہ جانے دیتا۔ لیکن

؎ ہوتا ہے وہی جو منظور خدا ہوتا ہے

بندے کا کوئی زور نہیں۔ اب سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں اچھا خدا حافظ۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ شریکِ غم منصور تنی عنہ

از چوہدری محمد نذیر صاحب بھٹی بی اے۔ لاہور

لاہور۔ ۲۶ جولائی ۱۹۳۹ء۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

پیارے اور محترم بھائی۔ مالک کی افسوس ناک اور یاد سے محو نہ ہونے والی وفات کی خبر ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس خبر سے دل کو

اس قدر صدمہ ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ مرحوم کی اس جوان عمر میں وفات واقعی دل و جگر کے ٹکڑے اڑانے والی ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کا پیارا تھا جس کو خدا نے جلدی بُلا لیا۔ مجھے عربی کا وہ شعر تو یاد نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قبیلے کا سردار دُوسرے قبیلے کے سردار کو فخریہ کہتا ہے کہ ہمیں موت جلدی آتی ہے۔ اس لئے کہ ہم خدا کے پیارے اور زیادہ محبوب ہیں۔ برادرم مالک مرحوم پر عین یہی مثال عائد ہوتی ہے مجھے مرحوم سے اگرچہ زیادہ گہرا تعلق نہ تھا۔ مگر اُس کی نیکی اور اُلفت اور اُنس کی زندگی سے میں اس قدر متاثر تھا کہ میری نظر میں اس کی بیحد عزت تھی پچھلے دنوں اپنی نیک زندگی کے آخری ایام میں وہ جمعہ مسجد میں ہر دفعہ ملا۔ اور ہمیشہ مجھے اپنے ہاں آنے کی پُر خلوص دعوت دی۔ جسے قبول نہ کر سکنے کا مجھے اب رہ رہ کر افسوس آ رہا ہے۔ خدا تعالےٰ پیارے اور محترم بھائی کو جنت میں اعلےٰ درجات عطا کرے۔ اور اُس کی خطاؤں کو معاف فرما کر اپنی خاص جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کی دُلہن۔ والدین۔ اقربا و احباب کو صبر جمیل بخشے۔ وہ ایک نیک بخت انسان تھا۔ بہت ہی نیک بخت۔ اللہ تعالےٰ نے اسے اپنے پاس بُلا لیا۔ اور اُس کے عزیزوں۔ دوستوں اور محبوب۔ بیوی کو ایک ابدی داغِ مفارقت مل گیا۔ میری قلم اس غم کے بیان سے عاجز ہے۔ آج عشاء کی نماز کے ساتھ اپنے عزیز بھائی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کروں گا۔ والسلام۔ محمد نذیر احمد بھٹی

از ملک صفدر علی خاں صاحب انڈین ریڈ کراس سوسائٹی نئی دہلی

نئی دہلی۔ مورخہ ۴ اگست ۱۹۳۹ء۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اخی الکرم و محترم ملک صاحب ۔

السلام علیکم ۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ آہ ۔ صد آہ ! ! مالک ہونہار نہایت ہی خلیق ۔ شریف النفس اور فطری طور پر سعادتمند مالک غیر متوقع طور پر ہمیشہ کے لئے ہم سے جُدا ہوگیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ ۱۹ جولائی کو ٹھیک ساڑھے دس بجے عزیز بھائی کے سانحہ ارتحال کی دہشتناک خبر نے اوسان کھو دئے ۔ جسم میں کپکپی و رعشہ سا طاری ہوگیا ۔ مالک کی وفات کے واقعہ کو دل ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا ۔ لیکن لکھنے والے نے میرے اور مالک کے تعلقاتِ محبت واخوت کو پیش نظر رکھ کر خوب تفصیل سے اطلاع دی ہوئی تھی ۔ بے ساختہ منہ سے نکلا ؎

اے پیر فلک تھا تو جواں ہی ابھی مالکؔ
کیا تیرا بگڑتا ۔ جو نہ مرتا کوئی دن اور

شدتِ غم سے دفتر کا کچھ کام نہ کرسکا اور جلدی ہی گھر چلا آیا کیونکہ میرے دل ۔ دماغ ۔ خیالات و جذبات اور احساسات پر قابل صد افتخار احمدی بھائی ۔ مجھ سے نہایت محبت وپیار ۔ عزت و وقار کے ساتھ پیش آنے والے پیارے مالک کی پیاری یاد نے دل کو تڑپانا شروع کر دیا ۔ میری حالت وہی تھی جو کسی نے کہا ہے ؎

ہے لختِ لختِ دل تو جگر چاک چاک ہے
دیکھو جسے وہ صورتِ بسمل تپاں ہے آج

اللہ تعالےٰ نے پیارے مالک کو حلقہ بگوشِ احمدیت کرکے اس کی نیک بختی ۔ تقویٰ اور راستبازی پر مہر تصدیق ثبت کردی ۔

اگرچہ مرحوم نے ویسے بھی مجھے ہمیشہ ہی محبت اور عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا۔ لیکن قبول احمدیت کے بعد جب اسی سال اپریل کی نو تاریخ کو مسجد احمدیہ لاہور میں بعد نماز جمعہ مرحوم بھائی سے میری ملاقات ہوئی۔ تو میں نے ان کی حالت میں ایک نمایاں تغیر محسوس کیا۔ احمدیت نے اُن پر اپنا رنگ چڑھا دیا تھا۔ اور اُن کی شیریں گفتگو میں ایسی حلاوت پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے اُن کی ہر بات کو آنکھوں سے برملتے ہوئے دل پر گرتے دیکھا۔ میرے ساتھ پہلے سے بڑھ کر عزت و وقار سے اور عمر کے لحاظ سے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات چیت کی اور میں نے ان کو اپنی توقعات سے کہیں بڑھ کر پایا۔

میری درخواست پر جماعت احمدیہ دہلی اور نئی دہلی نے ۲۸ جولائی جمعہ کے روز مرحوم کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ میں نے نئی دہلی میں جنازہ پڑھا تھا تین سو کے قریب احمدی بھائیوں نے ہمارے مرحوم بھائی کا جنازہ پڑھا اور دُعائے مغفرت کی اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنی خاص جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔ آمین ثم آمین۔

احقر العباد خاکسار صفدر علی خان

از مسٹر ریاض محمد خاں صاحب بی۔ اے۔ کلکتہ

۱۲ فیڈول گارڈنز۔ کلکتہ۔ المرقومہ ۲؍ اگست ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مکرمی و معظمی جناب مولینا صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط ملا۔ بے ساختہ زبان سے نکلا۔

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دِکھلا گئے

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ملک صاحب کی ناگہانی وفات کی خبر سُن کر کلیجہ مُنہ کو آرہا ہے۔
افسوس مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ صرف کلکتہ کی چند گھنٹوں کی ملاقات آخری ہوگی۔
میں نے کئی دفعہ لاہور جاکر ان کو ہوسٹل میں تلاش کیا۔ ہر دفعہ یہ معلوم ہُوا
کہ ملک صاحب میرے آنے سے چند گھنٹے پہلے باہر چلے گئے ہیں۔ شائد
قدرت میری کوششوں پر ہنس رہی تھی اور زبانِ حال سے مجھے بتایا جا رہا
تھا کہ تمہیں تا قیامت اُن سے ملنے کا انتظار کرنا ہوگا۔
جب اُن کی اِس بے وقت وفات کا تکلیف دہ خیال آتا ہے۔ تو دل
بے چین ہو جاتا ہے۔ اُن کی شادی ہوئے ابھی کچھ دن ہی گزرے ہیں۔
ان کی زوجہ محترمہ کے لئے یہ جانگداز سانحہ زندہ در گور ہونے کی طرح
ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن پر رحم کرے۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ انہیں
اور ملک صاحب کے تمام اعزا و اقربا کو صبر جمیل بخشے۔ آمین ثم آمین۔
میں آپ کے تعلقات کو بھی خوب جانتا ہوں وہ آپ کے دلی محب تھے۔
مگر اب صبر کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے؟
اُن سے ایک ہی ملاقات میں میرے دِل میں جو محبت و اخلاص ان کے لئے
پیدا ہوا اور انہیں مجھ سے جو مودّت ہو گئی وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔
مگر اب ہمارے لیے صبر اور رضا برضائے الٰہی اختیار کرنے کے اور کچھ چارہ
نہیں۔ ہونے والے امر کو کون روک سکتا ہے؟ اجل کے سامنے کسی کا بس
نہیں چلتا۔ اللہ تعالےٰ اپنا رحم کرے۔ اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔
آمین ثم آمین۔ فقط۔ والسلام۔

تابعدار ریاض

از دفتر ہیڈ ماسٹر صاحب اسلامیہ ہائی سکول ایمن آباد

ایمن آباد۔ المرقومہ ۱۹ جولائی ۱۹۳۹ء۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیہ ہائی سکول ایمن آباد کے طلبا اور سٹاف کا جلسہ تعزیت سکول کے ہال میں منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل ریزولیوشن پاس کئے گئے۔ یہ جلسہ:-

(۱) چوہدری محمد مالک خلف الرشید چوہدری امام الدین صاحب ذیلدار کی وفات حسرت آیات پر رنج وملال کا اظہار کرتا ہے۔ اور ان کے لواحقین خصوصاً ان کے والد ماجد اور برادران محترم چوہدری محمد حسین صاحب۔ چوہدری محمد نذیر صاحب۔ چوہدری سردار خاں صاحب و چوہدری محمد اکرام صاحب اور ان کے ماموں ملک چنن دین و دیگران عزیزان کے ساتھ اس غم والم میں اظہار ہمدردی کرتا ہے۔

(۲) اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہے کہ عزیز مرحوم کو اپنے جوار رحمت اور ظل عاطفت میں لے اور اس کی روح کو راحت ابدی عطا فرمائے۔

(۳) چونکہ عزیز مذکور سکول ہذا کا ایک قابل ہونہار اور فرمانبردار طالب علم تھا اور اس کی قابلیت پر سکول کو بجا طور پر فخر حاصل تھا اس لئے تعزیت کے طور پر سکول تمام دن کے لئے بند کیا جائے۔

(۴) ان ریزولیوشنوں کی نقول چودھری صاحب کی خدمت میں ارسال ہوں۔ نذر محمد ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول۔ ایمن آباد

حضرت مولوی محمد دین صاحب سابق احمدیہ مسلم مشنری امریکہ کا تعزیت نامہ مرحوم کے والد ماجد کے نام

بخدمت مکرمی مخدومی چوہدری امام دین خان صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ والسلام علیٰ عبدالمسیح الموعود

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔ عزیزم۔ مبارک احمد خان صاحب کے خط کے ذریعہ عزیزم محمد مالک صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ عزیزم مرحوم بہت ہی رشد وسعید طبیعت کے آدمی تھے اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وساطت سے ان کو ہر طرح سے فارغ البال بنایا ہوا تھا۔ لیکن وہ دُنیا سے بالکل سیر چشم تھے۔ اس قسم کے نیک خصلت فرشتہ سیرت نوجوان دنیا میں کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ افسوس ہے کہ عمر نے وفا نہ کی - ورنہ وہ آپ کے خاندان کے لئے ایک درخشندہ گوہر ثابت ہوتے۔ یُوں تو اُن کی نیکی وسعادت کو مدنظر رکھ کر میرا یہی خیال ہے کہ اس وقت وہ ان پاک لوگوں کی مجلس میں بھی ایک درخشندہ گوہر کی مانند بیٹھے ہونگے جو اس دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ مگر خدا کے حضور وہ تسبیح وتحمید کرنے والی مجلس ہے جن کی نظر ہر آن اپنے خالق کی طرف اُٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جو اُس کی نئی تجلی کو ہی اپنے لئے آب حیات سمجھتے ہیں۔ اور جن کی زندگی محض اس کا ذکر۔ آپ سچ جانئے عزیز محمد مالک جو اب دُنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ وہ ان احباب کی مجلس میں بہت خوش بیٹھا ہوگا جن کی مجلس کے لئے وہ یہاں بھی بیتاب رہتا تھا۔ کیا تعجب ہے کہ اس کا جانا آپ کے لئے مبارک ہو کیونکہ وہ آپ کی شفاعت کریگا۔ وہ پاک

گوہر تھا۔ وہ اپنے پاک خدا کی آغوش میں ہے۔ اور آپ کے لئے وہ دُعا کرتا ہوگا
کہ اللہ تعالےٰ آپ کو بھی خاتمہ بالخیر نصیب کرے۔ اے اللہ! تو ایسا ہی کر۔
بیشک آپ کی آخری عمر میں یہ صدمہ بہت بڑا ہے۔ اور اس کی
دُلہن کے لئے جس کو اسے پُورے طور پر دل بھر کر غالباً دیکھنے کا بھی موقعہ
نصیب نہیں ہوا۔ اس کے لئے بھی یہ صدمہ جانگداز ہے۔ مگر مومن کے
لئے یہی ضروری ہے کہ صبر کرے۔ کیونکہ ویسے صبر تو ہر ایک کو آخر آ ہی
جاتا ہے۔ لیکن جو اللہ کی امانت کو اللہ کے سپرد کر کے صبر کرے وہ اللہ
کے نزدیک بہت اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ بے شک جس پر گذرتی ہے
وہی جانتا ہے۔ مگر چونکہ سب کے خالق و مالک کی طرف سے یہی ارشاد ہے
اس لئے یہ عاجز بھی آپ کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ وہی ہے جو صبر دے
سکتا ہے۔ آپ اس کے حضور میں جُھک جائیں۔ وہی آپ سب کا
متکفل اور ولی و والی و متولّی ہو جائیگا۔

میں معافی کا خواستگار ہوں کہ میں یہ جرأت کر رہا ہوں۔ غالباً آپ کو
یاد ہوگا۔ چند سال گذرے کہ مکرم برادرم حکیم عبدالعزیز خاں صاحب کے
ساتھ آپ کی قیام گاہ پر ٹھہرا تھا اور آپ سے چند گھنٹے مستفید ہونے
کا موقع ملا تھا۔ والسلام۔

(خاکسار محمد دین ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول
قادیان
مورخہ ۸ر اگست ۱۹۳۹ء
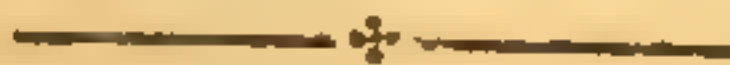
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم وعلےٰ عبدہ المسیح الموعود

اخلاقی اور رُوحانی مشعلیں

(۱)
قرآنِ حکیم

عباد الرحمٰن خدائے رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں (۱) جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل اُن سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو اُن کو سلام کریں اور وضعداری کے ساتھ الگ ہو جائیں۔

(۲) اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کریں، اور دست بستہ کھڑے رہیں، (یعنی نمازیں پڑھیں)،

(۳) اور جو دعائیں مانگا کریں کہ اے ہمارے پروردگار! عذابِ دوزخ کو ہم سے پرے ہی رکھیو، کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی بھاری مصیبت ہے۔

(۴) اور تھوڑی دیر اس میں ٹھہرنا ہو تو بھی اور ہمیشہ ٹھہرنا ہو تب بھی بہت بُری جگہ ہے۔

(۵) اور جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی سے خرچ کریں بلکہ اُن کا خرچ افراط و تفریط کے درمیان بیچ کی راس کا ہو۔

(۶) اور جو خدا کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں۔

(۷) اور ناحق و ناروا کسی شخص کو جان سے نہ ماریں کہ اس کو خدا نے حرام کر رکھا ہے۔ (۸) اور نہ زنا کے مرتکب ہوں۔

(۹) اور جو کوئی شرک اور گناہ (مذکورہ بالا) کریگا وہ اپنے گناہ کا خمیازہ بھگتیگا یہ کہ قیامت کے دن اس کو دہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ اسی حالت میں ذلیل و خوار ہمیشہ رہیگا۔

(۱۰) مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۱۱) اور یاد رکھو کہ جو شخص توبہ کرنے کے بعد نیک عمل بھی کرتا ہے تو وہ حقیقت میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۱۲) ہاں خدا کے خاص بندے وہی ہیں جنکا ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔

(۱۳) اور نیز وہ بھی جو جھوٹی گواہی نہ دیں اور جو اگر اتفاقاً بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گذریں تو سنجیدگی اور وضعداری کے ساتھ گزر جائیں۔

(۱۴) اور نیز وہ لوگ کہ جب اُن کو اُن کے پروردگار کی آئتیں سُنا سُنا کر نصیحت کی جائے تو اندھے اور بہرے ہو کر اُن پر سے نہ گزریں بلکہ ارادتمندانہ سُنیں اور نصیحت پکڑیں۔

(۱۵) اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیبیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ (۱۶) یہی لوگ ہیں جنکو اپنے صبر کے بدلے بلند مقام ملینگے اور دُعا وسلام کے ساتھ اُن کا استقبال کیا جائیگا۔ اور وہ ہمیشہ بہشت میں رہینگے جو اچھی قرارگاہ اور ٹھہرنے کے لائق جگہ ہے۔ (سورہ فرقان)

(۲)

مِنْ اَحادیثِ سیّدِ المُرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم

۱ اعلیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے کہ لوگ تیرے ہاتھ سے امن میں رہیں۔ اور کسی کو تجھ سے دُکھ نہ پہنچے۔ اور اعلیٰ درجہ کا اسلام یہ ہے کہ لوگ تجھ سے محفوظ رہیں یعنی تُو نہ زبان سے اُن سے لڑے اور نہ ہاتھ سے اُنہیں کوئی تکلیف پہنچائے

۲ اگر اسلام کی خدمت میں کوئی شخص تم میں سے ایک گھنٹہ خرچ کرتا ہے، جس کا اُسے کوئی ذاتی فائدہ نہیں پہنچتا تو وہ چالیس دن کی عبادت سے زیادہ ثواب حاصل کرتا ہے۔

۳ خدا تعالیٰ کی عبادت کے دس حصے ہیں ایک حصہ عبادت کا تو نماز روزہ۔ حج اور زکوٰۃ ہے۔ مگر عبادت کے ۹ حصے رزقِ حلال کھانا ہے۔

۴ جب تم دُنیا کے کام کرو تو ایسی محنت اور چُستی سے کرو گویا تم نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور کبھی مرنا ہی نہیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں اس طرح ڈرتے ڈرتے کام کرو گویا تم نے کل ہی مر جانا ہے۔

۵ اچھے اخلاق دین کا برتن ہیں (یعنی جو شخص اخلاقِ حسنہ کا مالک نہیں وہ مومن نہیں)

۶ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے، اگر نادار ہو تو محنت مزدوری سے گزران کرے اور جو بچے اُسے خیرات کرے۔ ورنہ محتاج اپاہج کی امداد کرے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو نیک کام کی ہدایت کرے، اگر اس کا اہل بھی نہ ہو تو بُرائی سے بچے یہ بھی صدقہ میں داخل ہے۔ راستہ کی

تکلیف دہ چیز کو دُور کرنا۔ کسی ضرورتمند کی ضرورت کو پُورا کرنا۔ خدا کی عبادت کے لئے ہر قدم جو اُٹھایا جائے۔ صدقہ میں داخل ہے۔

۷ صفائی رکھنا ایمان کا جزو ہے۔ وہ دستر خوان جس کو چکنائی لگ گئی ہو۔ اُسے اپنے گھروں سے نکال کر باہر پھینک دو کیونکہ وہ خبیث چیز ہے اور گندگی کا مقام ہے۔ یعنی اس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور بیماریاں پھیلتی ہیں۔

۸ اے لوگو تم جھوٹ سے بچو اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جھوٹ نہ ہنسی میں جائز ہے اور نہ سنجیدگی میں۔ تمہیں چاہیئے کہ تم اپنے بچوں سے بھی جھوٹا وعدہ نہ کرو۔

۹ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک دفعہ صحابہؓ آئے اور اُنہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ایک شخص رات دن عبادت میں لگا ہُوا ہے فرمائیے وہ سب سے اچھا ہُوا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا جب وہ رات دن عبادت میں لگا رہتا ہے تو کھاتا کہاں سے ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا لوگ دیتے ہیں حضورؐ نے فرمایا "تو پھر جتنے اُسے کھانے کے لئے دیتے ہیں وہ سب اُس سے بہتر ہیں"۔

۱۰ ایک دفعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پاس سے ایک نوجوان گزرا، جو نہایت لمبا۔ مضبوط اور قوی الجثہ تھا۔ اور بڑی تیزی سے اپنے کسی کام کے لئے دوڑتا ہُوا جا رہا تھا۔ بعض صحابہؓ نے اُسے دیکھ کر تحقیر کے طور پر کوئی ایسا لفظ کہا، جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ جا تیرا بُرا ہو اور کہا کہ اگر اس کی جوانی اللہ کے رستہ میں کام آتی تو کیسا اچھا ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُنا تو فرمایا یہ کہنے کا مطلب کیا ہُوا کہ تیرا بُرا ہو۔ جو شخص اس لئے تیزی سے کوئی

کام کرتا ہے، کہ اُس سے اپنی بیوی کو فائدہ پہنچائے تو وہ خدا کی ہی راہ میں کام کر رہا ہے۔ اور جو شخص اس لئے دوڑتا اور پھرتی سے کام کرتا ہے کہ اپنے بچوں کے کھلانے پلانے کا بندوبست کرے، تو وہ خدا ہی کی راہ میں کام کر رہا ہے۔ ہاں جو شخص اِس لئے دوڑتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اُس کی طاقتوں کی داد دیں، تو وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے، اور کما کر گذارہ کرنا تو جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔

۱۱ اگر کوئی اپنی جائداد بیچ کر کھا جاتا ہے تو وہ کسی کام کا نہیں اور وہ اس قابل نہیں کہ خدا تعالیٰ اُس کو برکت دے (مقتبس از انقلاب حقیقی بادنیٰ تغیر)

۱۲ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بکری ذبح کی گئی اُس کا بہت سا گوشت اُنہوں نے غریبوں کو دیدیا، صرف ایک شانہ اپنے لئے رکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور حضرت اُمّ المومنینؓ سے پوچھا، کہ کچھ گوشت باقی ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا۔ جی حضور، ساری بکری تو خیرات کر دی گئی ہے، صرف ایک شانہ باقی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، یقین جانو کہ ساری بکری باقی ہے سوائے اس شانہ کے۔

۱۳ مسلمان اپنے بھائی کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔

۱۴ دی ہوئی چیز واپس لینے والا اپنی قے چاٹنے والے کی مانند ہے۔

۱۵ سعادت مند دوسرے کو دیکھ کر نصیحت پکڑتا ہے۔

۱۶ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں

۱۷ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

۱۸ جو شخص امانت میں خیانت کرے۔ ایفائے عہد نہ کرے اور تکرار میں گالی بکے اور جھوٹ بولے وہ منافق ہے۔

۲-از امیر المومنین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۱ کافروں کے ساتھ تلوار سے جہاد کرنا جہادِ اصغر ہے اور اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر کے اُسے نیکی اور راستبازی پر قائم رکھنے کی کوشش کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔

۲ اے دُنیا پر فریفتہ انسان! تُو دُنیا کے سامانوں کے پیچھے لگا ہُوا ہے اور دُنیا تجھے اپنے اندر سے نکالنے کے لئے مُستعد ہے۔

۳ علی الصبح مُرغانِ سحر کی تجھ سے پہلے بیداری تیرے لئے باعث ندامت ہونی چاہئے

۴ میرے نزدیک وہ لوگ بہتر نہیں جو دُنیا کو آخرت کے حصول کے لئے ترک کر دیتے ہیں۔ بلکہ بہتر وہ ہیں جو دُنیا اور آخرت دونوں حاصل کرتے ہیں۔

۵ جو شخص اپنی زندگی خدا تعالےٰ کے لئے وقف کر کے لِلّٰہی کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے اللہ تعالےٰ اُس کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔

۶ سب سے بدترین اور بدبخت وہ شخص ہے جو خود تو مر جائے لیکن اُسکا گناہ نہ مرے۔

۷ اگر تم اپنی زبان کو شکوہ و شکایات سے روکے رکھوگے تو خوشحالی کی زندگی حاصل کروگے۔

۸ جوان آدمی کا گناہوں میں مبتلا رہنا بھی بُرا ہے لیکن بُوڑھے شخصوں کا گُناہ کی زندگی میں ڈُوبے رہنا بدترین ہے۔

۹ سفر کی دُوری مسافت اور زادِ راہ کی کمی سے ڈرتے رہو۔

۱۰ اُس دن پر روؤ جو بغیر نیکی کرنے کے گذر جائے۔

۱۱ مصیبت کے وقت صبر کرنا مشکل ہے لیکن صبر کے ثواب کو ضائع ہونے سے بچانا اس سے بھی سخت ہے۔

۴۔ از امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۱ خدا اُس پر رحم کرے جو مجھے میرے عیوب بتاتا رہے۔
۲ احمق کی دوستی سے بچو کہ گو وہ تمہارا بھلا ہی چاہے لیکن پھر بھی تمہارے لئے موجب نقصان ہوگا۔
۳ کسی کے خُلق پر اعتماد نہ کرتا وقتیکہ غصّے کے وقت تو اسکی آزمائش نہ کرے
۴ آپ کی انگوٹھی کے نگینہ میں کندہ تھا کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یا عُمَر کرلے عُمَر موت انسان کے لئے بہترین واعظ ہے۔
۵ موت سے پہلے نیکی کے لئے زندگی کو غنیمت جانو۔
۶ سادگی اختیار کرو کہ نعمتیں ہمیشہ نہیں رہا کرتیں۔
۷ اپنے نفس کا خود ہی محاسبہ کرتے رہو قبل اس کے کہ تمہارا احساب لیا جائے۔
۸ عیوب سے مطلع کرنے والے کو اپنا حقیقی دوست سمجھو۔
۹ ایمان کے بعد خدا تعالےٰ کی سب سے بڑی نعمت نیک عورت ہے۔
۱۰ دو آوازیں سب آوازوں سے بدتر ہیں ایک راگ کی اور دوسرے نوحہ یعنی ”بین ڈالنے“ کی۔
۱۱ ظُلم کرنے والے شخص کو معاف کر دینا مظلوم پر ظلم ہے۔
۱۲ انسان ضعیف ہے۔ پھر مقامِ حیرت ہے کہ وہ خدا تعالےٰ جو قوی ہے، اُس کی نافرمانی کیسے کرتا ہے۔
۱۳ مومن، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے دشمن (خواہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں) سے دوستی نہیں رکھتا۔
۱۴ رفعت و بلندی کے حصول کا نسخہ تواضع اختیار کرنے میں ہے ٭

۵- از امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۱ حیرت ہے اُس پر جو موت کو حق جانتا ہے اور پھر ہنستا ہے۔
۲ حیرت ہے اُس پر جو دُنیا کو فانی سمجھتا ہے اور پھر اُسکی رغبت کرتا ہے۔
۳ حیرت ہے اُس پر جو دوزخ کو حق جان کر پھر گناہ کی طرف راغب ہے۔
۴ حیرت ہے اُس پر جو جنت پر ایمان رکھ کر دُنیائے فانی کا آرام ڈھونڈتا ہے
۵ حیرت ہے اُس پر جو اللہ کو حق جان کر پھر غیر کا بھروسہ کرے۔
۶ جس قدر تو دُنیا کو پہچانیگا اُسی قدر اُس سے بے رغبت ہوگا۔
۷ مومنوں کے لئے دُنیا خدا تعالےٰ کی سرائے ہے، تُو اپنا توشہ لے اور جو کچھ سرائے میں ہے اس پر نظر نہ کر۔
۸ عمدہ لباس چاہنے والے! کفن کو نہ بھول۔
۹ عمدہ مکان کے شیدائی کیڑوں مکوڑوں کی غذا بننا نہ بھول جا۔
۱۰ مشقت اور محنت سے روزی حاصل کرنے میں کوشاں رہنا بھی جہاد ہے۔
۱۱ غُصّہ کا بہترین علاج خاموشی ہے۔
۱۲ نُو حصّے عافیت خلوت و تنہائی میں ہے اور ایک حصّہ ملنے جُلنے میں۔
۱۳ یہ زیادہ اچھا ہے کہ لوگ تمہیں گنہگار سمجھیں بہ نسبت اس کے کہ تم اللہ تعالےٰ کی نظروں میں ریاکار ٹھہرو۔
۱۴ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو بیجا خرچ کرنا ناشُکری ہے۔
۱۵ اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر پر راضی رہنے والا اِسی دُنیا میں ہی جنت حاصل کرلیتا ہے۔
۱۶ اگر آنکھیں روشن ہوں تو ہر روز روزِ حشر ہے۔

۶- از امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱ سب آرزوئیں پوری نہیں ہُوا کرتیں۔
۲ مال آرزوؤں کو بڑھاتا اور موت امیدوں کی جڑیں کاٹتی ہے۔
۳ گُناہوں پر ندامت، گناہوں کو مٹاتی ہے، اور نیکی پر تکبر، نیکی کو برباد کرتا ہے۔
۴ دشمن ایک بھی بہت سمجھو، اور دوست بہت بھی تھوڑے خیال کرو۔
۵ دُنیا مسافر خانہ ہے بدبخت ہے وہ جو اسے وطن سمجھے۔
۶ عقلمند وہ ہے جو غیروں سے عبرت پکڑے نہ کہ خود عبرت بنے۔
۷ جلدی معاف کرنا شرافت، اور جلدی انتقام لینا کمینگی ہے۔
۸ تیرا مال وہی ہے جو تُو نے آگے بھیجا، باقی وارثوں کا ہے۔
۹ اگر تُو کسی پر احسان کرے تو چُپ رہ۔ اگر کوئی تجھ پر احسان کرے تو اُسے بیان کر۔
۱۰ غیبت سُننے والا غیبت کرنے والے کی طرح ہے۔
۱۱ مجھے بیش قیمت موتی جمع کرنے کی بجائے کسی صاحب کرم شریف سے تعارف زیادہ پسند ہے۔
۱۲ جو خود خراب ہوگا وہ دوسروں پر بہت بدظنی کریگا۔
۱۳ اگر کوئی قدر شناس نہ ملے تو تُو اپنی نیکی کو بند نہ کر۔
۱۴ قابل دوست میسر نہ آسکے تو نا اہل سے دوستی نہ کر۔
۱۵ احسان کی خوبی، نہ جتلانے پر ہے۔
۱۶ بہترین واعظ قبرستان ہے۔

۷۔ از حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۱ شکستہ قبروں میں غور و فکر کی نظر دوڑاؤ کہ کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔

۲ سب سے بڑے دشمن تیرے بُرے ساتھی ہیں۔

۳ وعظ خالصتہً للہ کر ورنہ تیرا گونگا پن بہتر ہے۔

۴ جب تک تیرے اندر غیظ، غضب اور بیجا فخر موجود ہے تُو اپنے تئیں اہل علم میں شمار نہ کر۔

۵ اَوروں پر نیک گمان، اور اپنے نفس پر بد گمان رکھ۔

۶ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے در سے اندھا ہے۔

۷ تُجھ جیسے ہزاروں کو دُنیا نے موٹا کیا اور پھر نگل گئی۔

۸ خدا سے کم از کم اتنا تو شرما۔ جتنا تو اپنے دیندار پڑوسی سے شرماتا ہے۔

۹ جوانی پر بھروسہ نہ کر۔ کہ تیری جوانی تُجھ سے واپس لے لی جاوے گی۔

۱۰ جب تو چُھپ کر گُناہ کرتا ہے، تو خدا کہتا ہے کہ مجھے تُونے سب سے کمتر سمجھا۔ جو مجُھ سے شرم نہ کی۔

۱۱ مومن جتنا بُوڑھا ہو۔ اُتنا ہی اس کا ایمان طاقتور ہوتا ہے۔

۱۲ عمل صالح وہ ہے جس پر لوگوں کی تعریف کی امید نہ ہو۔

۱۳ جاگ، اُٹھ۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ دُنیا ایک ساعت کا کھیل ہے آنکھیں کھول کہ مؤاخذہ کا دن قریب ہے، کیا عجب کہ کل کا دن ایسی حالت میں آئے کہ تُو سطح زمین سے غائب قبر میں موجود ہو۔

۱۴ دُنیا دار دُنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور دُنیا اہل اللہ کے پیچھے۔

۸۔ از حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ جس نے اپنے خالق و مالک کو پہچان لیا وہ اُس کے سوا کسی اور سے محبت نہیں کر سکتا۔

۲ میں نے بلندی کو عاجزی میں اور فخر کو فقر میں پایا۔

۳ کسی گناہ کو چھوٹا خیال نہ کرو۔ اگر تم نے کسی گناہ کو چھوٹا خیال کیا تو گویا خدا کو چھوٹا سمجھا۔

۴ صبح کو اُٹھو تو یہ خیال کرکے کہ نہ جانے شام تک مہلت مل سکے یا نہ۔ نیکیوں میں کوشش کرو۔

۵ "یقین" نیکیوں کی جڑ ہے۔ اس کے بغیر کوئی نیکی مقبول نہیں ہوتی ؛

۹۔ از حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

۱ دُنیا کا کوئی جانور تیرے نفس سے زیادہ لگام کے لائق نہیں۔

۲ اگر تُو یہ معلوم کرنا چاہے کہ تیرے مرنے کے بعد دُنیا کی کیا حالت ہوگی تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے دوسروں کے مرنے کے بعد اس کی حالت کیسی ہے؟

۳ تیرے دینی بھائی تجھے اپنے اہل و عیال سے زیادہ عزیز ہونے چاہئیں کیونکہ وہ دین کے یار ہیں۔ اور اہل و فرزند دُنیا کے یار اور تیرے دین کے دشمن ہیں۔

۴ سیم و زر سے وہی شخص دل لگاتا ہے جسے خدا تعالیٰ دُنیا میں ذلیل کرنا چاہے

۵ غیبت کا کفارہ استغفار ہے ؛

۹- از حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

۱ جو شخص درد و غم کو اپنے مطلوب کے مشاہدہ میں فراموش نہ کرے وہ اپنے دعوئے اخلاص میں سچا نہیں۔

۲ عارف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے بیدار اور متوجہ دل طلب کرے۔

۳ کسی نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ شیطان سے دشمنی رکھتی ہیں فرمایا مجھے رحمٰن کی دوستی سے ہی فرصت نہیں۔ شیطان سے دشمنی کا خیال کب کر سکتی ہوں

۴ جس روز مجھے خدا کی راہ میں کوئی تکلیف اور غم نہ اُٹھانا پڑے وُہی دن دراصل میرے غم و حزن کا ہوتا ہے۔

۵ خدا کا غم اور دُنیا کی خوشیاں ایک دل میں سما نہیں سکتیں۔

۱۰- از حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

۱ جس گناہ کے ابتدا میں خوف اور آخر میں توبہ ہو وہ بندے کو خدا کے نزدیک کرتا ہے۔

۲ جس عبادت میں خود بینی اور خود رائی ہو وہ بندے کو خدا سے دُور کرتی ہے۔

۳ پانچ شخصوں کی صحبت اور دوستی سے پرہیز کرو (۱) جھوٹ بولنے والا کہ تم ہمیشہ اس کی وجہ سے دھوکے میں رہو گے (۲) احمق۔ ہر چند کہ وہ تمہارا نفع چاہیگا لیکن تمہیں نقصان ہی پہنچائیگا (۳) بخیل۔ کہ تیرے اچھے وقتوں کو برباد کریگا (۴) ڈرپوک۔ کہ ضرورت کے وقت تجھے تباہی میں چھوڑ دیگا۔ (۵) فاسق۔ کہ تجھ کو ایک نوالے پر بیچ ڈالیگا بلکہ طمع کی وجہ سے اس سے بھی کم پر تجھ کو آفت میں مبتلا کر دے گا۔

۱۱- از حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

۱ میں نے تیس برس تک خدا تعالےٰ کو تلاش کیا لیکن بالآخر میں نے اُسے طالب اور اپنے تئیں اُس کا مطلوب پایا۔

۲ جو قرآن شریف کی تلاوت نہیں کرتا۔ اپنے بھائیوں کے جنازے پر حاضر نہیں ہوتا۔ بیماروں کی عیادت نہیں کرتا۔ اور یتیموں اور مسکینوں کی دلجوئی نہیں کرتا وہ کبھی خدا تعالےٰ کا قرب نہیں پا سکتا۔

۳ خدا تعالےٰ کے دوستوں میں تین خصلتیں ہوتی ہیں (۱) سخاوت مثل دریا کے (۲) شفقت مثل آفتاب کے (۳) اور تواضع مثل زمین کے۔

۴ جب تم پر کوئی احسان کرے تو پہلے خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرو کہ اُسکا دل اُسنے تم پر مہربان کیا۔ اور پھر اس پر اپنی ممنونیت کا اظہار کرو۔

۱۲- از حضرت بُو علی سینا رحمۃ اللہ علیہ

۱ تیری نظر اُسی وقت تک پاکیزہ ہے جب تک وہ نیچی رہے۔

۲ تیری عقل کی کمی تیرے بہت بولنے سے ظاہر ہوگی۔

۳ سب بیماریوں میں سے بدترین بیماری دل کی ہے اور دل کی بیماریوں میں سے سب سے بُری دِل آزاری ہے۔

۴ چہرہ کی خوبصورتی اصلی زینت نہیں بلکہ حقیقی خوبصورتی یہ ہے کہ تیرا دل منور و روشن ہو۔

۵ سیم کلام کرنے۔ اور زبان میں فصاحت و ملاحت پیدا کرنے کی کوشش کر کہ یہ دُنیا کی بہترین نعمتوں میں سے ہیں۔

۱۳- از حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۱ آپ سے سوال کیا گیا کہ بندہ کون ہے؟ فرمایا بندہ وہ ہے جو دوسروں کی بندگی سے آزاد ہو۔ جس سے خدمت میں کوتاہی نہ ہو۔ اور کسی کے سامنے اپنے متعلق کچھ شکوہ بیان نہ کرے اور جب اُس کے دوست احباب اُسے ملنے آئیں تو اُن کی مُلاقات کے لئے عبادتِ نفلی کو موقوف کر دے۔

۲ اگر کوئی شخص تمام دُنیا کا مالک ہو جائے مگر حرص اور طمع سے اپنے تئیں آزاد رکھے تو اسے کچھ نقصان نہ ہوگا اور اگر اس میں کھجور کے دانہ برابر بھی حرص پیدا ہوئی تو خسارے میں مبتلا ہوگا۔

۳ جوانمردی یہ ہے کہ تُو اپنا بوجھ کسی پہ نہ رکھے اور دوسروں کا بوجھ خود اُٹھائے

۴ دوستی اور مصاحبت کے لائق وہ شخص ہے کہ جو نیکی اور احسان کر کے بھول جائے اور اگر تجھ سے کوئی قصور ہو جائے تو معاف کر دے۔

۵ سب سے زیادہ بزرگ اور محبت کے لائق راضی برضاءِ الٰہی رہنے والا شاکر بندہ ہے

۱۴- از حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

۱ صوفی وہ ہے جو تمام جہان کو اپنا عیال سمجھے۔

۲ عارف وہ ہے جو کبھی تو ایک مچھر کی بھی تاب نہ لا سکے - اور کبھی زمین اور آسمانوں کو نوکِ پلک پر اُٹھائے۔

۳ محبت یہ ہے کہ ہر شئے محبوب پر قربان کر دے۔

۴ عاشق کا نشان نہیں ہوتا اور محبت کا گلہ نہیں ہوتا۔ اور بندے کو دعویٰ نہیں ہوتا +

۱۵۔ از حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

۱ باہمی ہنسی تمسخر اکثر شکر رنجی اور عداوت کا موجب ہوتا ہے اور دلوں میں بغض وحسد پیدا کرتا ہے۔ اس سے مجتنب رہو۔

۲ لوگوں کی خوبیوں اور نیکیوں کو ظاہر کرنا چاہیئے اور برائیوں سے چشم پوشی کیا کرو۔

۳ کسی غریب اور محتاج کی مدد کر کے اُس پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ اس کا شکریہ ادا کرو کہ اُس نے تمہارے احسان کو قبول کیا۔

۴ علی الصبح سب سے پہلا خیال اور گفتار ذکرِ الٰہی سے شروع ہونا چاہیئے۔

۵ ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دِل اور نیک و فرمانبردار بیوی سب سے بڑی دولت ہیں۔

۶ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری دُعائیں بہت قبول کی جائیں تو حرام اور ناجائز مال کے حاصل کرنے سے بچو

۷ غریبوں اور محتاجوں سے مہنگا مال خریدنا صدقہ سے بہتر ہے

۸ اپنے بیوی بچوں کے لئے کم از کم ایک سال کا سامان ضرور اکٹھا رکھنا چاہیئے

۱۶۔ از حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ

۱ کسی سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو اور کسی کے ساتھ نیکی کرنے میں دیر نہ کرو۔

۲ ایک عمر رسیدہ شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ توبہ کے لئے حاضر ہوا ہوں مگر بہت دیر سے آیا ہوں فرمایا موت سے پیشتر توبہ کر لینا، دیر نہیں۔

۱۷۔ از حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ

۱ جس نیک عمل کو تم اس زندگی میں مشقت سے بجا لاؤ، اور تمہارے نفس پر اس کی تعمیل شاق محسوس ہو، اگلی زندگی میں اس کے اجر کا وزن بہت بھاری ہوگا۔ ([illegible] صاحب مرحوم)

۱۸۔ از حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

۱ گانا بجانا یعنی راگ وغیرہ زنا کے منتر ہیں۔

۲ راگ کا سُرور در اصل ایک زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے۔

۳ خلافِ شریعت ریاضتیں اور عبادتیں خسارہ ہی خسارہ ہیں۔

۴ دوست کی ناراضگی کے خیالِ خام کے پیشِ نظر دوست کو اس کے فائدے کی نفع رساں بات نہ بتلانا بڑی خیانت ہے۔

۵ اچھی اور نیک بات دوستوں کو ضرور سُناد و اور مخالفوں سے بحث کرنے سے اجتناب اختیار کرو۔

۶ مومن علم میں زیادتی کے لئے استفسار کرتا ہے لیکن منافق اعتراض سے کام لیتا ہے۔

۷ سب نصیحتوں سے بہترین نصیحت یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اختیار کرلو اور حضورؐ کے ارشاد کے سامنے سب حکمتوں کو ہیچ سمجھو۔

۸ کسی عورت کا نامحرم مرد کے ساتھ ملائم گفتگو کرنا بدکاری کے مترادف ہے۔

۹ کوئی جاہل ولی نہیں ہُوا اور نہ ہوگا۔

۱۹۔ حضرت کرشن علیہ الصلوٰۃ والسلام

یہ نکات ہمارے محترم دوست چوہدری روشن لعل صاحب ایم۔ اے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ملتان کی خاص نظر کرم کا نتیجہ ہیں جنکے لئے ہم اُنکے بہت ممنون اور تہ دل سے شکر گذار ہیں

۱ دوسروں کو تنگ کرنے کے ارادے سے ہرگز جنگ نہیں کرنا چاہئے، ہاں اپنے حقوق کی حفاظت اور مظلوم کو ظالم سے بچانے کے لئے جنگ کرنا عین دھرم ہے، اور اس سے انسان سیدھا سُورگ (جنت) میں جاتا ہے۔

۲ جہد فی العمل تمہارے ضروری فرائض میں سے ہے، پس تم اعمال کے اچھے نتائج کو نظر انداز کرکے خلوص کے ساتھ نیک کاموں میں لگے رہو۔

۳ خدا تعالےٰ نے جو پرو اُپکار (خدمتِ خلق) کا چکر چلا رکھا ہے، اس چکر کو جو شخص اپنی طاقت کے مطابق نہیں دھکیلتا، وہ پاپ کی زندگی بسر کرتا ہے وہ اندریوں کے سُکھ یعنی نفسانی لذات میں پھنسا رہتا ہے اور اُس کا زندہ رہنا بیکار ہے۔

۴ حقیقی عارف وہ ہے جو بے غرض اور خلوص کے ساتھ لوگوں کے کلیان (بہتری) کے لئے کرم (عمل) کرتا رہے، اور ہمیشہ دوسروں کی بھلائی کے کاموں کے درپے رہتا ہے۔

۵ گیان یعنی معرفت صرف وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جس کے دل میں شردھا (عقیدت) اور خلوص ہو، اور اپنے نفس پر قابو پاکر اپنے تئیں کُلیتہً پرماتما کے سپرد کردے ایسا آدمی گیان (علم حقیقت) کو پاکر جلد ہی پرم شانتی یعنی تسکین کامل حاصل کر لیتا ہے۔

۶ انسان کو دُنیا میں اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے جس طرح کنول کا پتہ پانی

میں رہتا ہُوا بھی گیلا نہیں ہوتا، اور چاہیئے کہ وہ زندگی کے تمام کاروبار میں حصّہ لیتا ہُوا اُن کے اثرات سے اپنے تئیں بالاتر رکھے کامیابی سے خوش اور ناکامی سے غمگین نہ ہو، محض اس خیال کو رکھ کر کام کرے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں پرماتما کے لئے کر رہا ہوں، اور وہی سب کچھ کرنے والا ہے، مَیں تو صرف اُس کا نِمت (آلۂ کار) ہوں۔

۷ نہ بہت کھانے سے۔ نہ فاقوں مرنے سے، نہ بہت سونے سے اور نہ ہی بہت جاگنے سے یوگ (ریاضت) حاصل ہوتا ہے، بلکہ کھانے پینے سونے جاگنے اور دوسرے کام کاج غرضیکہ زندگی کے سارے کاروبار میں مناسبت اور اعتدال پیدا کرنے کا نام یوگ (ریاضت) ہے اور اس یوگ سے سب دُکھ مٹ جاتے ہیں۔

۸ جو انسان اپنے نفس کو روح کے ماتحت کرے وہ اصلی یوگی ہے۔

۹ گو انسانی نفس بڑا چنچل ہے لیکن ابھیاس (مشق) اور ویراگ (بے ثباتی و ناپائداریٔ عالم کا خیال) سے اسے قابو میں لایا جا سکتا ہے۔

۱۰ انسان اس دُنیا میں جو تھوڑی بہت بھی نیکی کرتا ہے وہ کبھی رائگاں نہیں جاتی اگلے جنم میں اُس کا معاوضہ ضرور ملتا ہے۔

۱۱ چار قسم کے انسان خدا تعالےٰ کو یاد کرتے ہیں (۱) دُکھی (۲) جگیاسُو یعنی بقاء الٰہی کے متلاشی (۳) غرضمند یا وہ جو کوئی مُراد پوری کرانا چاہتے ہیں (۴) گیانی یعنی عارف یہ چاروں قسم کے بھگت اچھے ہیں، مگر گیانی (عارف) خداوند کریم کا (رُوپ) مظہر ہوتا ہے وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور خدا اُس سے محبت رکھتا ہے۔

۱۲ مایا (دُنیائے دُوں) میں پھنسا ہُوا انسان خدا کو نہیں پہچان سکتا۔

وہ فضول خواہشات کا مجسمہ ہوتا ہے اُس کے سب کام بے فائدہ ہیں اور
اُس کا گیان (علم) بھی فضول ہے ایسا جاہل شخص راکھشی اور آسُری پرکرتی
یعنی شیطانی سیرت والا ہے جو اُس کو ہمیشہ موہ میں ڈالے رکھتی ہے اور
لذاتِ نفسانی میں پھنسائے رہتی ہے مگر اُس کے مقابل میں مہاتما لوگ
دیوی پرکرتی (ملکوتی سیرت) کا آسرا لے کر اور خدا وندِ کریم کو لافانی اور
دُنیا کا آدی کارن (علتِ اوّل) جان کر یکسوئی سے اُس کا بھجن کرتے
رہتے ہیں۔

۱۳ خدا میں دل لگاؤ، اُس کی بھگتی کرو، اُسی کو خوش کرنے کے لئے یگیہ (خدمت
خلق) کرو اُسی کی تعظیم کرو اور اُس کی شرن (پناہ) میں آکر اپنی آتما
(رُوح) کو اُس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کروگے تو اُسے پاؤگے۔

۱۴ انسان اگر آپ کوشش نہ کرے، اور اپنے مقصد کی کامیابی کا انحصار
محض اسی بات پر رکھے کہ وہ بھگوان کا بھگت ہے اس لئے بھگوان اُسکی
خواہش کو پُورا کر دیگا تو یہ اصول سراسر غلط ہے، بھگوان بھی اُنہی کی مدد
کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں

حق کند اتمام لیکن تو بکوشش

۱۵ اپنے تئیں اس طرح خدا میں محو کرو، کہ تم اپنے آپ کو اُس سے علیحدہ نہ
دیکھ سکو۔

۱۶ جو شخص خوشی اور رنج دونوں صورتوں میں خدا کی طرف ہی دھیان رکھتا
ہے، نہ اُسے کوئی اور خواہش ہوتی ہے اور نہ فکر، وہی خدا کا بھگت اور
پیارا ہے۔

۱۷ جن آدمیوں کا غرور اور موہ مٹ گیا ہے، جو تعلق سے آزاد ہیں، جو ہمیشہ

ایشور کا ہی دھیان کرتے ہیں، جو خواہشات اور دُکھ سُکھ کے احساسات سے پرچھوٹ گئے ہیں، ایسے گیانی عارف لوگ ہی خدا کو پاتے ہیں۔

۱۸ نڈرتا، باطن کی صفائی رکھنا، طبیعت میں گیان اور یوگ (ریاضت) کا قیام، دان کرنا، نفس امارہ کو قابو میں لانا، یگیہ (خدمت خلق) کرنا، دھرم پُستکوں کا مطالعہ کرنا، ریاضت، سرلتا یعنی راستبازی، اہنسا یعنی بے آزاری، ست یعنی صداقت، غصہ نہ کرنا، تیاگ یعنی حقیقی ترک، شانتی، چُغلی نہ کھانا، فراخ دلی، رحم، لالچ کا نہ ہونا، انکساری، حوصلہ، جلال، عفو، پوترتا (پاکیزگی) دشمنی نہ کرنا، یہ سب دیوتا سیرت اور فرشتہ خصلت انسانوں کی خصلتیں ہیں، مکاری، گھمنڈ، غرور، غصہ، سخت کلامی جہالت یہ سب آسُر یعنی شیطان سیرت انسانوں کی خصلتیں ہیں۔

۱۹ دوزخ کے تین دروازے ہیں (۱) شہوت (۲) کرودھ (غصہ) (۳) لوبھ لالچ، یہ تینوں (روح) آتما کو گراوٹ میں ڈالنے والے ہیں، اس لئے سب کو چاہئے ان سے احتراز کریں۔

۲۰ بغیر شردھا (عقیدت واخلاص) کے کیا ہوا یگیہ، دیا ہوا دان، تپا ہوا تپ (ریاضت) اور کیا ہوا کرم (عمل) فضول ہے اس کا نہ اس دُنیا میں فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی عاقبت میں کچھ فائدہ ہوگا۔

۲۱ جو شخص مشکل کام سے جی نہیں کتراتا اور نہ پسند کام میں اپنے تئیں پھنسنے نہیں دیتا اور نیک نیتی رکھتا ہے ایسا انسان عقلمند اور تیاگی ہے۔

۲۲ جو دوست دشمن، طرفدار اور غیر طرفدار، واقف اور ناواقف سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے وہ شریشٹھ (بزرگ) ہے۔

۲۳ عزت دار آدمی کے لئے بدنامی کی نسبت مرنا بہتر ہے۔

۲۰۔ حضرت گوتم بدھ علیہ السلام

۱ جو جاہل اپنی جہالت کو جانتا ہے وہ کم از کم اس حد تک دانا ہے لیکن جو نادان ہو کر اپنے تئیں دانا سمجھتا ہے وہ درحقیقت نادان ہے۔

۲ پاپی کے نزدیک پاپ پیاری شے ہے اور وہ شہد کی مانند اسے میٹھا سمجھتا ہے اور جب تک اس کا ثمرہ نہیں پاتا اُس کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ لیکن جب اُس کا پھل مل جاتا ہے تب اس کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اسی طرح نیک آدمی نیکی کو تلخ اور تکلیف دہ اسی وقت تک خیال کرتا ہے جبتک نیکی پھل نہیں لاتی۔ لیکن جب وہ ثمر ہوتی ہے تب وہی اس کے لُطف کا احساس کر سکتا ہے۔

۳ جیسے شہد کی مکھی، پھُول کی پتّیوں۔ اُس کے رنگ اور خوشبو کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر شہد جمع کر لیتی ہے ویسے ہی دانا شخص کو چاہئے کہ اِس دنیا میں رہے اور دنیا کو نقصان نہ پہنچائے۔

۴ جس طرح سدھایا ہُوا گھوڑا چابک مارنے سے تیز قدم چلتا ہے ویسے ہی دانا شخص مصیبت میں گرفتار ہونے سے یقین کے ساتھ رُوحانیت میں ترقی کرتے ہیں۔

(۲)

(۱) منش کو جنگل اور پہاڑیوں میں جنگلیوں کے ساتھ رہنا اچھا ہے۔ لیکن بدا ہلوں کے ساتھ سورگ میں بھی خوب نہیں۔

(۲) سچے دوست وہ ہیں جو گُناہوں کو چھپاتے۔ بُرائیوں سے بچاتے نیکیوں کو ظاہر کرتے۔ خیر خواہ رہتے اور مشکل میں ساتھ نہیں چھوڑتے (کرما جیت اعظم صفحہ ۱۱)

۲۱- حضرت عیسے علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱ اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے، اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہیگا۔

۲ بدن کا چراغ آنکھ ہے، پس اگر تیری آنکھ درست ہو۔ تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا۔ اور اگر تیری آنکھ خراب ہو تو تیرا سارا بدن تاریک ہوگا پس اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی؟

۳ کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا، کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت، یا ایک سے ملا رہیگا، اور دوسرے کو ناچیز جانیگا تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔

۴ فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائینگے؟ یا کیا پیئینگے یا پہنیں گے؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں۔

۵ عیب جوئی نہ کرو کہ تمہاری بھی عیب جوئی کی جائیگی اور جس پیمانے سے تم ناپتے ہو، اُسی سے تمہارے واسطے ناپا جائیگا، تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے، اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا اور جب تیری ہی آنکھ میں شہتیر ہے تو تُو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا۔ تیری آنکھ میں سے تنکا نکال دوں ہلے ریاکار پہلے اپنی آنکھ میں سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ میں سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا۔

۶ پاک چیز کتّوں کو نہ دو، اور اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ ڈالو، ایسا نہ ہو کہ وہ اُنہیں پاؤں کے نیچے روندیں اور پلٹ کر تمہیں پھاڑیں۔
۷ مانگو تو تمہیں دیا جائیگا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے، دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائیگا۔
۸ تنگ دروازہ سے داخل ہو، کیونکہ وہ دروازہ چوڑا ہے اور کشادہ ہے جو ہلاکت کو پہنچاتا ہے اور اُس سے داخل ہونے والے بہت ہیں۔ اور وہ دروازہ تنگ ہے اور سکڑا ہے جو زندگی کو پہنچاتا ہے اور اُس کے پانے والے تھوڑے ہیں۔
۹ جو تم میں سے بڑا ہے وہ تمہارا خادم ہے۔ اور جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائیگا وہ چھوٹا کیا جائیگا۔ اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائیگا وہ بڑا کیا جائیگا۔
۱۰ مُبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُنہیں کی ہے۔
۱۱ مُبارک وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔
۱۲ مُبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ ہونگے۔
۱۳ مبارک وہ جو رحم دل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائیگا۔
۱۴ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہونگے۔
۱۵ جو کوئی میری یہ باتیں سُنتا ہے اور عمل نہیں کرتا وہ اُس بیوقوف آدمی کی مانند ٹھیریگا جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا، اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اُس گھر کو صدمہ پہنچایا اور گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔

۲۲- حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہو سکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔

۲ اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو، کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائیگا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔

۳ تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو تا تم بخشے جاؤ۔

۴ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔

۵ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔

۶ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔

۷ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں۔

۸ کوئی سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل نرم نہ ہو، جب تک وہ اپنے تئیں ہر ایک سے ذلیل تر نہ سمجھے۔

۹ غریبوں سے نرم ہو کر اور جھک کر بات کرنا مقبول الٰہی ہونے کی علامت ہے۔

۱۰ بدی کا نیکی کے ساتھ جواب دینا سعادت کے آثار ہیں، غصہ کو کھا لینا اور تلخ بات کو پی جانا نہایت درجہ کی جوانمردی ہے۔

۱۱ جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو

نہیں بلکہ اپنے تئیں دھوکہ دیتا ہے۔

۱۲ دُنیا کی لعنتوں سے مت ڈرو کہ وہ دھوئیں کی طرح دیکھتے دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں اور وہ دن کو رات نہیں کر سکتیں بلکہ تم خدا کی لعنت سے ڈرو، جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جس پر پڑتی ہے اس کی دونوں جہانوں میں بیخکنی کر جاتی ہے۔

۱۳ تم ریاکاری کے ساتھ اپنے تئیں بچا نہیں سکتے کیونکہ وہ خدا جو تمہارا خدا ہے اُس کی انسان کے پاتال تک نظر ہے۔

۱۴ کوئی آفت زمین پر پیدا نہیں ہوتی جب تک آسمان سے حکم نازل نہ ہو اور کوئی آفت دُور نہیں ہوتی جب تک آسمان سے رحم نازل نہ ہو، سو تمہاری عقلمندی اسی میں ہے کہ تم جڑ کو پکڑو نہ شاخ کو۔

۱۵ نیکی کو سنوار کر ادا کرو، اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کرو۔

۱۶ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہے ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی وہ عمل بھی ضائع نہ ہوگا۔

۱۷ اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو، اور گالیاں سنو اور شکر کرو۔ اور ناکامیاں دیکھو اور پیوند مت توڑو۔

۱۸ پرہیزگار انسان بن جاؤ تا تمہاری عمریں زیادہ ہوں اور تم خدا سے برکت پاؤ۔

۱۹ دُنیا کے تمام عیش رنج سے بدل جائیں گے اور تمام راحتیں دُکھ اور درد دکھائیں گی۔ مگر وہ بصیرت اور معرفت جو انسان کو دُعا سے حاصل ہوتی ہے اور وہ نعمت جو دعا کے وقت آسمانی خزانہ سے ملتی ہے وہ کبھی کم نہ ہوگی

اور نہ اُس پر زوال آئیگا۔ بلکہ روز بروز معرفت اور محبت الٰہی میں ترقی ہو کر انسان اس زینہ کے ذریعہ سے جو دعا ہے فردوس اعلیٰ کی طرف چڑھتا چلا جائیگا۔

۲۰ دُنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جُدا کرتی ہیں۔ اور خدا کیلئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔

۲۱ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذّت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے۔ اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اُس فتح سے بہتر ہے جو مُوجب غضب الٰہی ہو۔

۲۲ اُس محبّت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب کرے۔

۲۳ اگر تم صاف دل ہو کر اُس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کریگا اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

۲۴ خدا کی رضا کو تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر، اپنی لذات چھوڑ کر، اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اُس کی راہ میں وہ تلخی نہ اُٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے لیکن اگر تم تلخی اُٹھالو گے تو ایک پیارے بچّے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے! اور تم اُن راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائینگے لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں

۲۵ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ، اور اُس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لُطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔

۲۶ کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔

۲۷ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ +

گُناہ سے نجات پانے کا ذریعہ

۲۸ اے وے لوگو! جو نیکی اور راست بازی کے لئے بُلائے گئے ہو۔ تم یقیناً سمجھو کہ خدا کی کشش اسوقت تم میں پیدا ہو گی۔ اور اسی وقت تم گناہ کے مکروہ داغ سے پاک کئے جاؤ گے۔ جبکہ تمہارے دل یقین سے بھر جائیں گے۔ شاید تم کہو گے کہ ہمیں یقین حاصل ہے۔ سو یاد رہے کہ یہ تمہیں دھوکا لگا ہُوا ہے۔ یقین تمہیں ہرگز حاصل نہیں۔ کیونکہ اسکے لوازم حاصل نہیں۔ وجہ یہ کہ تم گناہ سے باز نہیں آتے۔ تم ایسا قدم آگے نہیں اُٹھاتے۔ جو اُٹھانا چاہئے۔ تم ایسے طور سے نہیں ڈرتے جو ڈرنا چاہئے۔ خود سوچ لو کہ جس کو یقین ہے کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس سوراخ میں کب ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور جس کو یقین ہے کہ اس کے کھانے میں زہر ہے وہ اس کھانے کو کب کھاتا ہے اور جو یقینی طور پر دیکھ رہا ہے کہ اس فلاں بن میں ایک ہزار خُونخوار شیر ہے۔ اس کا قدم کیونکر بے احتیاطی اور غفلت سے اس بَن کی طرف اُٹھ سکتا ہے۔ سو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں اور تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں کیونکر گناہ پر دلیری کر سکتی ہیں۔ اگر تمہیں خدا اور جزا سزا پر یقین ہے۔ گُناہ یقین پر غالب نہیں آسکتا۔ اور جب کہ تم ایک بھسم کرنے اور کھا جانے والی آگ کو دیکھ رہے ہو تو کیونکر اس آگ میں اپنے تئیں ڈال سکتے ہو۔ اور یقین کی دیواریں آسمان تک ہیں۔ شیطان ان پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہر ایک جو پاک ہُوا۔ وہ یقین سے پاک ہُوا یقین دُکھ اُٹھانے کی قوت دیتا ہے۔ یہانتک کہ ایک بادشاہ کو تخت سے اُتارتا ہے۔

اور فقیری جامہ پہناتا ہے۔ یقین ہر ایک دُکھ کو سہل کر دیتا ہے۔ یقین خدا کو دکھاتا ہے۔ ہر ایک کفارہ جھوٹا ہے۔ اور ہر ایک فدیہ باطل ہے۔ اور ہر ایک پاکیزگی یقین کی راہ سے آتی ہے۔ وہ چیز جو گناہ سے چھڑاتی اور خدا تک پہنچاتی ہے۔ اور فرشتوں سے بھی صدق اور ثبات میں آگے بڑھا دیتی ہے۔ وہ یقین ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقین کا سامان پیش نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جو یقینی وسائل سے خدا کو دکھا نہیں سکتا وہ جھوٹا ہے۔ ہر ایک مذہب جس میں بجز پُرانے قصّوں کے اور کچھ نہیں وہ جھوٹا ہے۔ خدا جیسے پہلے تھا وہ اب بھی ہے اور اس کی قُدرتیں جیسی پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں اور اس کا نشان دکھلانے پر جیسا کہ پہلے اقتدار تھا وہ اب بھی ہے۔ پھر تم کیوں صرف قصّوں پر راضی ہوتے ہو۔ وہ مذہب ہلاک شدہ ہے۔ جس کے مُعجزات صرف قصّے ہیں جس کی پیشگوئیاں صرف قصّے ہیں۔ اور وہ جماعت ہلاک شدہ ہے جس پر خدا نازل نہیں ہُوا۔ اور جو یقین کے ذریعہ سے خدا کے ہاتھ سے پاک نہیں ہوئی جس طرح انسان نفسانی لذات کا سامان دیکھ کر ان کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان جب رُوحانی لذات یقین کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ اور اس کا حُسن اس کو ایسا مست کر دیتا ہے۔ کہ دُوسری تمام چیزیں اس کو سراسر ردّی دکھائی دیتی ہیں اور انسان اسی وقت گناہ سے مخلصی پاتا ہے۔ جبکہ وہ خدا اور اس کے جبروت اور جزا سزا پر یقینی طور پر اطلاع پاتا ہے۔ ہر ایک بیباکی کی جڑھ بے خبری ہے۔ جو شخص خدا کی یقینی معرفت سے کوئی حصّہ لیتا ہے۔ وہ

بے باک نہیں رہ سکتا۔ اگر گھر کا مالک جانتا ہے۔ کہ ایک پُر زور سیلاب نے اس کے گھر کی طرف رُخ کیا ہے۔ اور یا اس کے گھر کے اردگرد آگ لگ چلی ہے۔ اور صرف ایک ذرہ سی جگہ باقی ہے تو وہ اس گھر میں ٹھہر نہیں سکتا۔ تو پھر تم خدا کی جزا سزا کے یقین کا دعوے کر کے کیونکر اپنی خطرناک حالتوں پر ٹھہر رہے ہو سو تم آنکھیں کھولو اور خدا کے اس قانون کو دیکھو جو تمام دُنیا میں پایا جاتا ہے۔ چُوہے مت بنو۔ جو نیچے کی طرف جاتے ہیں۔ بلکہ بلند پرواز کبوتر بنو۔ جو آسمان کی فضا کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ تم توبہ کی بیعت کر کے پھر گناہ پر قائم نہ رہو۔ اور سانپ کی طرح مت بنو جو کھال اُتار کر پھر بھی سانپ ہی رہتا ہے۔ موت کو یاد رکھو کہ وہ تمہارے نزدیک آتی جاتی ہے۔ اور تم اس سے بے خبر ہو۔ کوشش کرو کہ پاک ہو جاؤ۔ کہ انسان پاک کو تب پاتا ہے کہ خود پاک ہو جاوے ؎

۲۳۔ امیر المومنین حکیم الامت حضرت مولوی نُورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۱۔ تقویٰ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔

۲۔ متقی کے ساتھ اللہ تعالےٰ ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُس کو اپنی جناب سے علم دیتا ہے۔ اُس کے دُشمنوں کو ہلاک کرتا اور اُسے ہر تنگی سے نجات بخشتا ہے۔ اور ایسی راہوں اور جگہوں سے اُسے رزق پہنچاتا ہے کہ جو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

۳　یاد رکھو کہ جو لوگ ہر وقت بہت عمدہ لباس و خوراک کی فکر میں لگے رہتے ہیں وہ کبھی بھی بڑے کام نہیں کر سکتے۔ میں ان چیزوں کو حرام نہیں کہتا خدا تعالےٰ اگر کسی کو دے تو بیشک عمدہ لباس پہنے اور عمدہ کھانا کھائے میرا مطلب یہ ہے کہ ان میں بہ تکلف زیادہ توغل نہ کرے۔

۴　اللہ تعالےٰ کی ذات سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں کوئی محبت کے قابل ہے تو وہ اللہ ہی ہے۔

۵　گناہ شروع میں بہت چھوٹا نظر آتا ہے مگر آخر میں بہت بڑا ہو جاتا ہے جیسے بڑ کا بیج دیکھنے میں کتنا چھوٹا ہے لیکن پھر اس کی بعض جڑیں ایک ایک میل تک چلی جاتی ہیں۔

۶　ایک گناہ دوسرے گناہ کو بلاتا ہے اسی طرح ایک نیکی بھی دوسری نیکی کو بلاتی ہے۔

۷　اللہ تعالےٰ کو جتنا جتنا تم یاد کرو گے ویسے ہی وہ تمہیں یاد رکھیگا جتنی زیادہ تم اس کی باتیں مانوگے اتنی ہی وہ تمہاری باتیں ماننے گا۔

۸　جو لوگ دوسروں کی نسبت بدظنیوں سے کام لیتے ہیں جب تک اپنی نسبت بھی وہ بدظنیاں نہ سُن لیں۔ نہیں مرتے۔

۹　بدی کو ابتدا ہی میں روکو اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی حاصل کرنے میں بھی دیر نہ لگاؤ۔

۱۳　صدقات مال کو پاک کر دیتے ہیں اور آفات و مشکلات کو روک دیتے ہیں۔

۱۴　استغفار انسان کو ٹھوکروں سے بچانے والا ہے۔

۱۵　اُستادوں اور کتابوں کا اثر بہت دیرپا ہوتا ہے۔

(۲۴)

از حضرت مولوی شیر علی صاحب بی اے

ہر وقت دُعا سے کام لینا چاہئے۔ اپنے تئیں ہر لحظہ خدا تعالےٰ کی امداد کا محتاج سمجھو اور ہر ایک چیز کو اُسی کی قدرت اور اختیار کے ماتحت سمجھ کر اُس کی طرف ہر وقت رجوع رکھے۔ اور اُسی کی امداد کا طالب رہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے، یذکرون اللہ قیاما وقعودا" اور پھر فرماتا ہے کہ تجارت اور دُنیا کا کاروبار اُن کو خدا تعالےٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتا، اسی طرح جہاد کے وقت بھی خدا تعالےٰ کو یاد کرنے کا حکم ہے۔

دُعائیں مثلاً اس قسم کی مانگا کرے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار (۲) رب کل شیءٍ خادمك رب فاحفظنی وانصرنی وارحمنی ۔ اللّٰهم رحمتك نرجوا فلا تكلنا الیٰ نفسنا طرفة العين۔

ان دعاؤں میں جو ہر وقت انسان کی زبان پر ہوں درود شریف اور استغفار کی کثرت بھی چاہئے۔ جتنے تعلّقات انسان کے زیادہ ہوں، اُتنی ہی دُعا کی زیادہ تحریک ہوتی ہے اس لئے مجرّد زندگی اور بے تعلّقی رُوحانی ترقّی کے لئے مفید نہیں۔

(۲۵)

از حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ

۱ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب یعنی ذکر الٰہی سے دلوں کو طمانیت پہنچتی ہے۔ ذکر الٰہی دو طور پر ہوتا ہے (۱) اس کے اسماء اور صفات کے ساتھ اُس کو پکارا جائے (۲) ہر ایک مقام اور حالت اور وقت کے متعلق مروی ہی

کوئی حکم الٰہی ہوتا ہے (خواہ وہ امر کی صورت میں ہو یا نہی کے رنگ میں) اُس کی بجا آوری کے خیال کو ذکرِ الٰہی کہا جاتا ہے مومن کو چاہئے کہ دونو قسم کے ذکرِ الٰہی سے اپنے اوقات کو زندہ کرے۔

۳ ایمان اور یقین کے پورا کامل کرنے والے امور کا بہت مطالعہ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ سب طاقت اسی سے ہوتی ہے۔

۴ موت اور دُنیا کی بے ثباتی کو بہت یاد رکھنا چاہئے اور جہانتک ہوسکے دوسروں کی ہدایت اور دین کی امداد کو اپنا فرض قرار دو۔

(۲۶)

از حضرت مولوی محمد الدین صاحب سابق احمدیہ مُسلم مشنری انگلستان و امریکہ

میرا عملدر آمد ہمیشہ اس پر رہا ہے کہ "رب تول ڈر، تے سب کجھ کر" اس کی وجہ سے مجھے تکلیفات بھی بہت پہنچی ہیں، مگر سب سے اچھا راستہ یہی پایا ہے، ایک دفعہ مجھے الہاماً بتایا گیا تھا کہ "در عمل کوشش و ہرچہ خواہی پوش" پس میرا اس پر عملدرآمد ہے۔

(اقتباس از گرامی نامہ مرقومہ ۲ر جنوری ۱۹۳۰ء)

از حضرت الحاج مولینا نیر مدظلہم سابق مُسلم مشنری انگلستان و جنوبی افریقہ

کائناتِ عالم کا ایک پیدا کنندہ ہے اور کائنات چھوٹے پیمانے پر خود انسان بھی ہے جسطرح ایک انسان کا دل دوسرے انسان کے دل پر توجہ کرنے سے اثر ڈال سکتا ہے اسی طرح چھوٹی کائنات یعنی انسان کا دل بڑی کائنات کے دل کو متاثر کر سکتا ہے۔ وہ خالق کائنات جامع کامل صفات ہے۔ انسان کو ان صفات کو مقصد اعلیٰ ٹھہرا کر اس ذات پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔ ان صفات کو اخذ کر کے ذاتِ باری کا مظہر اور عکس بنے۔ کائنات اعلیٰ کے دل کو متاثر کرنیکا نام قبولیت دُعا ہے اور خالق کائنات کے اخلاق جو کائنات میں ہویدا ہیں انسان کو اپنے اندر لینے کی سعی کرنا پیدائش کی اصل غرض ہے اسی لئے فرمایا۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ (حدیث)

دَرُوسُ الحکمت

(۱)

انسانی زندگی کا مقصد اور اسے حاصل کرنیکا طریق

(از ملفوظات حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ)

ایک غیر احمدی صاحب نے سوال کیا۔ کہ خدا تعالےٰ نے مخلوق کو کیوں اور کس طرح پیدا کیا۔ اس کی سمجھ نہیں آتی۔

حضور نے فرمایا:۔

اس قسم کے سوالات اور ان کا منبع درحقیقت اس امتیاز کو نہ سمجھنا ہے۔ کہ ہر چیز کے سمجھنے کے لئے الگ الگ رستے ہیں۔ قرآن کریم میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ واتو البیوت من ابوابھا۔ کہ ہر گھر میں اس کے دروازہ سے آؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر چیز کے سمجھنے کے الگ الگ طریق ہیں۔ اگر آپ زرد و سرخ رنگ کو سمجھنا چاہیں۔ تو آنکھوں کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ناک یا کان کے ذریعہ نہیں۔ لیکن اگر ذائقہ معلوم کرنا چاہیں۔ تو زبان کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں۔ آنکھوں کے ذریعہ نہیں۔ اسی طرح اگر آپ اونچی یا نیچی آواز معلوم کرنا چاہیں۔ تو زبان سے نہیں کر سکتے اس کے معلوم کرنے کا ذریعہ کان ہیں۔ پھر بعض ایسی چیزیں ہیں۔ جو حواس سے تعلق نہیں رکھتیں یعنے ان سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً بعض باتیں ایسی ہیں۔ کہ ان کا تعلق دلائل پر غور کرکے ان کے نتائج دماغ کے ذریعہ معلوم کئے جاتے ہیں۔ پھر بعض چیزیں ایسی ہیں۔ کہ جن کی حواس باطنہ پر بنیاد ہوتی ہے۔ جیسے صفات

الٰہی ہیں۔ ان کی بنیاد بھی ظاہری آنکھوں پر نہیں رکھی جا سکتی۔ پھر بعض چیزیں ایسی ہیں۔ کہ ان کے سمجھنے کے لئے کوئی ظاہری ذریعہ نہیں۔ بلکہ ان کے اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ جیسے بجلی ہے۔ جو مقدمہ کی گئی ہوا اس کا وجود سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے مگر وہ آنکھ یا کان سے معلوم نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اپنے اثرات سے معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اور کئی قسم کی طاقتیں ہیں۔ جن کا پتہ ان کے اثرات سے لگتا ہے۔ مگر ان کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی غرض جتنی کوئی چیز باریک ہوتی ہے۔ اس کے معلوم کرنے کے ذرائع بھی باریک ہوتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے متعلق یہ بحث کہ اللہ اور مخلوق میں کیا نسبت ہے۔ خدا تعالےٰ نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ اگر انسان یہ باتیں معلوم کر لے۔ تو پھر خود مخلوق پیدا کر سکتا ہے۔ جس شخص کو یہ علوم ہو جائے۔ کہ گھڑی کس طرح بنائی جاتی ہے۔ وہ خود گھڑی بنا سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کے متعلق کامل علم ہو۔ اور پھر وہ بنائی نہ جا سکے۔ جس چیز کی ماہیت حقیقی طور پر معلوم ہو جائے۔ اسے ہم بنا بھی سکتے ہیں۔ پس اگر یہ معلوم ہو جائے۔ کہ خدا تعالےٰ نے مخلوق کو کس طرح بنایا۔ اور کس چیز سے بنایا۔ تو ہم قادر ہونگے۔ کہ مخلوق پیدا کر سکیں لیکن اس سے ہمارا کوئی تعلق ہے۔ اور نہ ہماری یہ غرض ہے ایک چیز دنیا میں موجود ہے۔ یعنی ہم موجود ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم پر کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے لئے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو کس طرح بنایا۔ اور کس چیز سے بنایا۔ ہر شخص اپنے نفس پر غور کر کے معلوم کر سکتا ہے۔ کہ اس پر ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ و لو القیٰ معاذیرہ (۷۵۔ ۱۵) جب انسان پر کوئی اعتراض کرد۔ تو وہ جھٹ جواب دینے لگ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ جن باتوں کو شریعت نے حقیقی طور پر حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ ان کو جب

انسانوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو فوراً جواب دینے لگ جاتے ہیں۔ مثلاً شرک ہے۔ یُوں تو عیسائی اور ہندو شرک کرتے ہیں۔ لیکن جب ان پر اعتراض کیا جائے۔ کہ تم شرک کے مرتکب ہوتے ہو۔ تو جھٹ کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ ہم شرک نہیں کرتے۔ ہم تو بتوں میں اور یسوع مسیح میں اللہ کی جلوہ گری سمجھتے ہیں۔ تو خدا تعالےٰ نے یہ موٹی بات بیان کر دی کہ جب انسان پر اعتراض ہو۔ تو جھٹ جواب دینے لگ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی ذمہ واری سمجھتا ہے۔ اور جتنے عذر پیش کرتا جاتا ہے۔ اُتنی ہی زیادہ ذمہ واری کا احساس اس میں ہوتا ہے۔ جب ہر انسان کی ذمہ واری ہے۔ تو یہ بھی ظاہر بات ہے۔ کہ ذمہ واری اپنے آپ ہی نہیں پڑا کرتی۔ بلکہ ذمہ واری ڈالنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ اسے ماننا پڑتا ہے۔ کہ اور وجود ہے۔ جس نے انسانوں پر ذمہ واری ڈالی ہے۔ اس بات کے لئے بھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ انسان کو خدا نے کس طرح پیدا کیا۔

اب رہی یہ بات کہ انسان کہے۔ کہ مَیں کسی نیک کام میں اور روحانی ترقی میں کامیاب ہو سکتا ہوں۔ یا نہیں۔ یعنی آئندہ مقصود حاصل کر سکتا ہوں یا نہیں۔ اس کے لئے بھی اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کہ کس طرح اور کس چیز سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ آئندہ مقصود کے متعلق بھی صاف بات ہے۔ عام طور پر لوگ ارتقا کی تھیوری سے ڈرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں اس سے عظیم الشان بات ثابت ہوتی ہے۔ اگر ابتدائی ذرہ سے ترقی کرتے ہوئے یہ ترقی انسان پر آکر ختم ہو گئی ہے۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ کوئی ایسی ہستی ہے۔ جس کا مقصد اس ترقی سے انسان بنانا تھا۔ وہ ترقی دیتا گیا۔ اور دوسرے منازل پر اس نے اس ترقی کو ختم نہ کیا حتےٰ کہ اس نے انسان بنایا اور اس پر خوش ہو گیا۔ کہ دماغ سے کام لینے والی مخلوق بن گئی۔ اور جب انسان پیدا ہو گیا۔ تو اس کا یہ ترقی دینے کا کام ختم ہو گیا پس ارتقا کا مسئلہ

خود بتاتا ہے۔ کہ انسان کا پیدا کرنا خدا تعالےٰ کو مقصود تھا۔ اب ہم انسانوں کو دیکھتے
ہیں۔ ان میں سے جو ہوشیار نکلتا ہے۔ وہ دُنیا میں تغیر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کوئی
سیاست میں کوئی معاشرت میں کوئی صنعت میں کوئی حرفت میں۔ اس سے صاف معلوم
ہوتا ہے۔ کہ اس انسان نے جسے دُنیا کے ارتقا نے اپنا مقصود قرار دیا تھا۔ اپنا مقصو
اور قائم کر لیا ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے میں وہ لگا ہوا ہے۔ مگر اسے تسلی اور اطمینان
حاصل نہیں ہوتا۔ ایک بات کو جب وہ حل کر لیتا ہے۔ تو اس کے پیچھے سے اور نکل
آتی ہے۔ پھر اس کے حل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ غرض کوئی مقام علمی ترقی کا
ایسا نہیں ہے۔ کہ جس نے سوالات کو ختم کر دیا ہو۔ بلکہ ہر مقام سوالات کو اور زیادہ
بڑھا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جدوجہد میں انسانوں کو مقصود ملا
نہیں۔ گویا جتنی ترقی دُنیا کر رہی جا رہی ہے۔ اس سے بجائے خرخشے مٹنے کے اور زیادہ
ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ زندگی کا اصل مقصد اس رستہ سے
حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر اس رستہ سے حاصل ہو سکتا۔ تو انسان اپنی جدوجہد کی
وجہ سے اس کے قریب ہوتے جاتے۔ مگر وہ روز بروز دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ
اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ انسان کا مقصود نیچر کی تحقیقات میں نہیں ہے۔ بلکہ اسکے
لئے کوئی اور صورت ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہمیں ایسے وجود نظر آتے ہیں۔ جو شروع
سے کہتے آئے ہیں۔ کہ جس چیز کی جستجو انسان کر رہے ہیں۔ پانی میں۔ ہوا میں۔ آگ
میں کر رہے ہیں وہ ہم نے پا لی ہے۔ یہ وہ بات ہے۔ جو ان مدعیوں کے ساتھ ساتھ
بلکہ ان سے پہلے جو مادی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ ہمیں نظر آتی ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں
ہم نے انسانی زندگی کا مقصود حاصل کر لیا ہے۔ گویا ایک گروہ تو وہ ہے جو یہ کہتا
ہے۔ کہ ہم جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دُوسرا گروہ وہ ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ ہم نے
اس بات کو حل کر لیا ہے۔ جو جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کو دُنیا کے کثرت اور

دُنیا دار کہا جاتا ہے۔ اور جو کہتے ہیں۔ کہ ہم نے مقصود پالیا انہیں پاگل قرار دیا جاتا ہے
اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان میں سے کون صداقت کے قریب ہے۔ اور کون اصل
راستہ پر جو کامیابی کا راستہ ہے چل رہا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے مادیات کی
تحقیقات میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔ اور دوسرے گروہ کی باتوں کا انکار کیا ہے۔
ان کے متعلق ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے جو طریق اختیار کیا ہے۔ وہ خُدا کو پانے کا
طریق نہیں ہے۔ کیونکہ انسان ان حواس اور ان ظاہری ذرائع سے خدا تعالےٰ کو معلوم
نہیں کر سکتا۔ اس کا پتہ آثار سے لگ سکتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا وجود جو مخفی ہے۔ اگر
ایسے ذرائع معلوم ہو جائیں۔ کہ ان سے پتہ لگ سکے۔ کہ خدا ہے۔ تو پھر انسان کو
ایسے سوالوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہ خُدا نے اسے کس طرح پیدا کیا۔
چاہے کسی طرح پیدا کیا۔ اگر مقصد حاصل کرنے کے ذرائع معلوم ہو جاتے ہیں۔ تو
اس کے لئے کافی ہے۔ اس کے مقابلہ وہ لوگ جنہوں نے خدا تعالےٰ کو پالینے کا دعوےٰ
کیا۔ مشاہدہ کو پیش کرتے رہے ہیں۔ اور مشاہدہ ایسی چیز ہے۔ کہ اس میں شک
وشبہ نہیں رہ سکتا۔ اور اس کے مقابلہ میں علمی تحقیقات کچھ حقیقت نہیں رکھتی
آرام نفس کو دُنیا میں سب چیزوں پر مقدم کیا جاتا ہے۔ مگر صحت کے متعلق
علم کے لحاظ سے کوئی ڈاکٹر اور طبیب ایسا نہیں۔ جو یہ کہہ سکے۔ کہ ہر مرض کا
علاج موجود ہے۔ یا کسی مرض کا یقینی علاج موجود ہے۔ ملیریا کے لئے کونین نہایت
مفید دوا بتاتے ہیں۔ مگر کئی لوگ ہوتے ہیں جنہیں ملیریا میں کونین کوئی فائدہ نہیں
دیتی۔ غرض اس علم میں بھی اسوقت تک کوئی بات یقینی طور پر حل نہیں ہوئی۔
مگر روحانی دعوےٰ کی تمام کڑیاں مشاہدہ میں آتی ہیں اور جو استثنا ہے۔ وہ خود
مقید ہے۔ یعنی پہلے سے بتایا ہُوا ہے۔ کہ یہاں یہاں استثنا ہوگا۔
پس وہ گروہ جس کا دعویٰ ہے۔ کہ اس نے خدا کو دیکھ لیا۔ وہ انبیاء کا گروہ

ہے۔ ان کے مقابلہ میں ہر زمانہ میں فلاسفروں نے انتہائی زور لگایا مگر کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ نہیں۔ کہ فلاسفروں کا گروہ اسی زمانہ میں ہُوا۔ پہلے نہیں تھا۔ بلکہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنے زمانہ میں اسی طرح اپنے سے پہلے لوگوں کو جاہل اور علمی تحقیقاتوں میں ادنےٰ درجہ کے قرار دیتے رہے ہیں۔ جس طرح موجودہ زمانہ کے فلاسفران کو قرار دیتے ہیں ہر زمانہ میں یہ دو باتیں دیکھی گئی ہیں۔ اس زمانہ کے لوگ ایک تو یہ کہتے ہیں۔ کہ پہلے لوگ نیک تھے۔ اب بدی پھیل گئی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ پہلے لوگ جاہل تھے۔ اب علم بہت بڑھ گیا ہے۔ یہ باتیں ہر زمانہ کے لوگ پہلوں کے متعلق کہتے چلے آئے ہیں۔ اور ہر زمانہ میں یہ دونوں تھیوریاں نظر آتی ہیں۔ مذہبی آدمی پہلوں کو نیک قرار دیتے ہیں اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بُرائی بتلاتے ہیں۔ اور دُنیاوی لوگ پہلوں کو جاہل قرار دیتے۔ اور اپنے آپ کو عالم بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ نسبتی باتیں ہیں۔ اور یہ دور چلتا ہے۔ پہلے زمانہ میں بھی فلاسفر موجود تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ تھے۔ چنانچہ تفسیروں والے ان کے بعض سوالات کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ وہ سمجھ میں نہیں آتے پس ایسے لوگ اُسوقت بھی تھے۔ اور انہوں نے مقابلہ کیا۔ مگر وہ ناکام ہوگئے۔ اور اسلام ان پر حاوی ہوگیا۔ یعنی وہ خود مسلمان ہوگئے۔ بوعلی سینا کے متعلق ان کے ایک شاگرد نے کہا۔ اصل میں نبی بننے کے قابل تو آپ تھے۔ جو فلسفہ آپ بیان کرتے ہیں کسی اور نے کیا بیان کرنا ہے۔ اُسوقت تو اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن سردی کے موسم میں ایک صبح کو جبکہ سخت سردی تھی۔ اُسی شاگرد کو کہا۔ کہ یہ تالاب ہے۔ اس میں چھلانگ مارو۔ شاگرد نے کہا آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ کہ چھلانگ لگانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ تم نے میرے متعلق کہا تھا۔ کہ نبی ہونے کا مستحق میں تھا۔ مگر خدا نے جسے نبی بنایا۔ اس نے تو اس سے بڑے بڑے

مشکل کاموں کا حکم دیا۔ اور کسی نے عُذر نہ کیا۔ لیکن تم نے میری اتنی سی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تو عملی لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا۔ کہ ہم نے خدا کو دیکھ لیا۔ ان میں ایسی قوت و طاقت آ گئی۔ کہ ساری دُنیا ان کا مقابلہ نہ کر سکی۔ گو بشری کمزوریاں ان میں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن وہ بھی ان کی صداقت کا ثبوت ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ بتاتی ہیں۔ کہ دُنیا کا مقابلہ کرنے اور کامیاب ہونے کی طاقت ان کی اپنی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک اور ہستی کی طرف سے آتی ہے۔

اگر اس قسم کی کوئی ایک آدھ مثال ہوتی۔ تو اتفاق کہہ لیتے۔ مگر وہ تو ایک سلسلہ چلتا ہے۔ اور ایسے انسان لاکھوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ہر جگہ وہی کامیاب ہوئے۔ اور ان کے دشمن ناکام رہے۔ ہر جگہ انہوں نے ایسا اخلاقی کمال دکھایا۔ کہ دشمن بھی معترف ہو گئے۔ ایسی جماعت جھٹلائی نہیں جا سکتی۔ جس کے متعلق دشمن بھی تسلیم کرتے رہے۔ کہ اخلاق لحاظ سے بہت اعلےٰ درجہ پر ہے۔ اب عیسائی کہتے ہیں۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی کامیابی کی وجہ یہ نہ تھی۔ کہ وہ سچے تھے۔ بلکہ یہ تھی۔ کہ عیسائی خراب ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے اخلاق چونکہ اچھے تھے۔ اس لئے کامیاب ہو گئے۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ یہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے جھوٹے کے اخلاق اعلےٰ ہونے کے کیا معنے۔ اس کے اخلاق تو زیادہ خراب ہونے چاہئیں۔

غرض اتنی لمبی کڑی کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ فریب تھا۔ جھوٹ تھا۔ بناوٹ تھی۔ نہ ماننے والوں کے لئے ایک ہی رستہ تھا۔ اور وہ یہ کہ ایسے انسانوں کو مجنون قرار دیا جاتا۔ اور منکروں کی طرف سے یہ کہا بھی گیا۔ قرآن کریم نے اس کے متعلق یہ دلیل دی ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔ اس کے لئے تو اتنے انعامات مقرر کئے گئے ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ

ہوگا۔ لیکن مجنون کے تو کسی فعل کا کوئی درست نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس سے معلوم ہُوا۔ ایک ایسی ہستی ہے جسے سب قدرتیں حاصل ہیں۔ اور جس کی طرف سے مامور کئے جانے کا دعوے انبیاء کرتے ہیں۔ نبی کہتا ہے۔ وہ ہستی سمیع ہے۔ جب اس سے دُعا کرتے ہے۔ تو وہ دُعا سُنتا ہے۔ وہ بصیر ہے۔ جب دشمن پوشیدہ طور پر تیاری کرکے حملہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے حملے سے بچاتا ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ غیب کی باتوں سے قبل از وقوع خبر دیتا ہے۔ وہ خالق ہے۔ فلاں کے لئے اولاد کی دُعا کی۔ خدا نے اسے اولاد دیدی۔ غرض نبی خدا تعالےٰ کے صفات کا ثبوت پیش کرکے اس کی ہستی پر کامل یقین دلاتا ہے۔

اس کے بعد اس وسوسہ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے کہ خدا نے بندوں کو کس طرح پیدا کیا۔ جب ہمیں اس کی ہستی کا ثبوت مل گیا۔ اور اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہوگیا۔ تو پھر خدا تعالےٰ نے جن باتوں کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ یہ کرو۔ ہمیں وہ کرنی چاہئیں۔

رُوح کی ماہیت اسلامی نقطۂ نگاہ سے

(س) رُوحانی طاقت سے کیا مُراد ہے۔ اور رُوح کی ماہیت کیا ہے؟

(ج) روح کی ماہیت کے متعلق جو کچھ قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جسے بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پیش کیا ہے۔ اس میں اور وہ جو کہ دوسرے لوگ پیش کرتے ہیں اختلاف ہے دوسرے مسلمانوں کا روح کے متعلق یہ خیال ہے۔ کہ بچہ کے ظرف میں جب اتنی طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔ کہ وہ روح کو سنبھال سکے۔ تو آسمان سے اس میں رُوح ڈال دی جاتی ہے۔ جو خدا نے پہلے سے پیدا کی ہوتی ہے۔ ہندو بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ تمام روحیں پہلے سے موجود ہیں۔ عیسائیوں کا بھی یہی خیال ہے اسی لئے وہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیحؑ میں خاص رُوح ڈالی گئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن مجید سے استدلال کرکے ثابت کیا ہے۔ کہ

روح بچہ کے جسم میں باہر سے نہیں آتی۔ بلکہ یہ نام اس کیفیت کا ہے۔ جو جسم ترقی پاکر پیدا کرتا ہے۔ رحم مادر میں نطفہ ترقی کرتے کرتے اِس درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ اس کا ایک خاص حصہ علیحدہ حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ گو مادہ کے اندر ہی رُوح کا جوہر موجود ہوتا ہے جب بچہ رحم مادر میں ایک خاص حالت سے گزرتا۔ اور اسے خاص ترکیب دی جاتی ہے۔ تو وہ جوہر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور رُوح قرار پاکر جسم پر قابض ہو جاتا ہے۔ اِس بات کا ایک ثبوت کہ رُوح جسم سے پیدا شُدہ چیز ہے۔ یہ بھی ہے۔ کہ موت کے بعد جب رُوح الگ ہو جاتی ہے۔ تو بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اِس قسم کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ کہ وفات یافتہ لوگوں نے اس دُنیا کے لوگوں کو کئی باتیں بتائیں۔ جو ان کے علم میں نہ تھیں۔ میں اپنا تجربہ پیش کرتا ہوں۔ میں نے بیسیوں دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ اور آپ نے بتایا کہ یہ بات یُوں ہے۔ اور وہ اُسی طرح ثابت ہوئی۔ دوسروں کے متعلق بھی اِس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ ہماری جماعت کے ایک شخص میاں چراغ الدین صاحب لاہور کے تھے۔ ان کا خاندان بڑا دولتمند خاندان تھا۔ لیکن کچھ ایسے مشکلات پیش آ گئے۔ کہ مقروض ہو گیا۔ اور جب ان کے والد صاحب فوت ہوئے۔ تو قرض میں ان کا مکان تک نیلام ہو گیا۔ اسوقت میاں چراغ الدین صاحب بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ ایک دن جب ان کے ہاں کھانے پینے کی نہایت تنگی تھی۔ اور کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تو انہیں ان کے والد صاحب نے خواب میں بتایا۔ کہ مکان میں فلاں جگہ اتنے روپے رکھے ہیں۔ صبح اُٹھ کر انہوں نے اس جگہ دیکھا۔ تو اُتنے ہی روپے وہاں سے مل گئے یہ ایک مثال ہے۔ بیسیوں مثالیں میرے تجربہ میں بھی آئی ہوئی ہیں

یہ چیزیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ایسی چیز موجود رہتی ہے۔ کہ اس کے دُنیا کے رشتہ داروں سے تعلقات رہتے ہیں۔ گو وہ بہت محدود تعلقات ہوتے ہیں۔

(س) کیا عقل خود بخود ایسی بات نہیں سوچ سکتی۔

(ج) نہیں عقل سے یہ کس طرح معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ فلاں جگہ کسی نے جو فوت ہوچکا ہے۔ فلاں چیز رکھی ہوئی ہے۔

(س) کیا مسمریزم والے آئندہ کی باتیں نہیں معلوم کرسکتے۔

(ج) مسمریزم والے گزشتہ یا حال کے حالات معلوم کرنے کا دعوےٰ رکھتے ہیں۔ آئندہ کے متعلق نہیں۔ آئندہ واقعات کی نسبت وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس طرح رویا میں دیکھا اور رویاء کے متعلق یہ نہیں کہتے۔ کہ اپنے علم کے زور سے دیکھا۔

(الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۲۳ء)

(۲)

دُنیا میں انسان کو کیونکر سکون اور راحت حاصل ہوسکتی ہے

(از ملفوظات حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ تعالیٰ)

ایک ہندو ایم۔ اے پروفیسر کا حسب ذیل سوال حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا:۔

کیا دُنیا میں راحت ہے؟ انسان کیونکر خوشی سے زندگی بسر کرسکتا ہے؟ کیا انسان کو دُنیا میں سکونِ قلب حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر ہوسکتا ہے۔ تو کیونکر؟

جواب ۔ حضور نے فرمایا۔

دُنیا میں راحت انسان کو حاصل ہوسکتی ہے۔ وہ خوشی کی زندگی بسر کرسکتا

ہے۔ اور سکونِ قلب بھی اسی دُنیا میں انسان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان راحت اور خوشی اور سکونِ قلب کی حقیقت سے واقف ہو۔ اور اس کے صحیح ذرائع معلوم کرنے کے بعد انہیں استعمال کر کے راحت خوشی اور سکونِ قلب حاصل کرنے کی کوشش کرے ؂

راحت کیا ہے

راحت عربی لفظ ہے۔ اور اس کی اصل وضع اس چیز کے حصُول پر دلالت کرتی ہے۔ جو انسان کے اندر نشوونما کی قابلیتیں پیدا کرتی ہے۔ اور اس قابلیت کے مطابق اس کے مختلف مدارج میں سے کسی ایک درجہ کے حصول پر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اسے راحت کہتے ہیں۔

چونکہ حصول مُدعا پر انسان کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اِس لئے اس کا لازمی نتیجہ خوشی بھی ہوتی ہے۔ اور چونکہ مطلب کے حاصل کرنے پر سکونِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے اِس لئے اس کا لازمی نتیجہ سکون قلب بھی ہے۔ انہی معنوں کے لحاظ سے جب انسان اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کوشش کرنے کے بعد آرام پاتا ہے۔ تو اس کو استراحت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس علم کے ساتھ کہ میں نے اپنے مقصد کے حصول میں پوری کوشش کی ہے۔ انسان کے قلب میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک عارضی وقفے کا مستحق ہوتا ہے تاکہ کچھ آرام کے بعد نئی طاقتیں حاصل کر کے وہ کام کے لئے نئے سرے سے تیار ہو جائے۔ پس جو شخص مقصد پیدائش کے لئے حقیقی کوشش کرتا ہے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرتا ہے۔ اس کے لئے عارضی راحت کے سامان پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تاکہ ان پر قیاس کر کے وہ حقیقی راحت کا اندازہ لگا سکے۔ جس کے لئے اور بھی زیادہ جدوجہد کرے لیکن جب انسان بجائے اپنے مقصد اور مدعا کے لئے کوشش کرنے کے ایسی چیزوں کے لئے کوشش کرتا ہے۔

جواس کے مقصد سے دُور کرنے والی ہوتی ہیں۔ تو بجائے راحت کے اس کے دل میں جلن اور سوزش پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ لوگ عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ دُنیا تکلیفوں اور مصیبتوں کا گھر ہے۔ حالانکہ تکلیفیں اور مصیبتیں ان کی اپنی پیدا کی ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھتے۔ اور اپنی کوششوں کو اس کے حصول کے لئے لگاتے۔ تو یقیناً انہیں سکون قلب بھی حاصل ہوتا۔ اور محنت کی گھڑیوں کے بعد حقیقی راحت کی گھڑیاں بھی نہیں میسر ہوتی چلی جاتیں۔ اگر ہم اس امر کو تسلیم کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے لقاء کے لئے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے۔ اور جیسا کہ ہر اُس انسان کو جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو تسلیم کرنا پڑے گا۔ تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ کے لقاء کی کوشش کے سوا جس قدر کوششیں ہونگی۔ وُہ انسان کے دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا کرنے کا موجب ہونگی۔ اللہ تعالےٰ سے دُوری میں ہی انسان کو حقیقی راحت محسوس ہو۔ تو پھر اس کی طرف توجہ دلانے والا محرک کون باقی رہ جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ سے دُور ہو کر جو بے چینی اور اضطراب انسان کے قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ درحقیقت وہ انسان کو خدا تعالےٰ کی طرف توجہ دلانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور جتنی جتنی کسی میں رُوحانی بینائی باقی ہوتی ہے۔ اس کے مطابق انسان اس اضطراب سے فائدہ اُٹھا لیتا ہے۔

پس حقیقی راحت تو موجود ہے لیکن وُہ انہی ذرائع سے محسوس ہو سکتی ہے جو خدا تعالےٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

راحت کا پہلا مقام

یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کو یہ یقین ہو۔ کہ اسے صحیح رستہ کا علم حاصل ہو گیا ہے

جب انسان کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ اسے صحیح رستے کا علم ہو گیا۔ تو ایک حد تک اس کا اضطراب دُور ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ حصول مدعا کے رستے میں سے ایک روک دُور ہو گئی۔ اس کے بعد دُوسرا مقام انسان کو تب حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ ان ذرائع کو استعمال کرنے لگ جاتا ہے۔ جو حصول مدعا کے لئے ممد ہیں۔ چونکہ صحیح ذرائع عام طور پر صحیح نتیجہ پیدا کیا کرتے ہیں اس لئے انسان کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ کہ غالباً اب میں اپنے مقصد کو پالونگا۔ لیکن ابھی اضطراب کا کچھ حصہ باقی ہوتا ہے۔ کیونکہ نتیجہ نکلنے سے پہلے انسان کے دل میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ شائد بعض روکیں مجھے حصول مدعا سے محروم کر دیں لیکن جب انسان اپنی کوششوں کے نتیجہ میں اپنے محبوب کی طرف سے بھی کوئی حرکت دیکھ لیتا ہے تو اس کو تیسرا درجۂ راحت حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسوقت ¾ حصہ اضطراب دُور ہو جاتا ہے۔ مگر ایک حصہ اضطراب کا باقی رہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ممکن ہے موت سے پہلے پہلے پھر کوئی بات ایسی ہو جائے۔ جو مجھے ان نعمتوں سے محروم کر دے کیونکہ انساں کے عمل کی حد اس کی موت پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ یہ اضطراب کا حصہ عام طور پر باقی رہتا ہے۔ مگر بعض خاص ہستیوں کے متعلق اضطراب کے اس حصہ کے دُور کرنے کے لئے بھی سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔ یہ لوگ وُہ ہوتے ہیں۔ جن کی نجات اور جن کے قُرب اور جن کے لقاء کا وعدہ اللہ تعالےٰ اسی دُنیا میں کر لیتا ہے۔ بلکہ یوُں کہنا چاہیئے۔ کہ یہ چیزیں انکو اسی دُنیا میں کامل طور پر مل جاتی ہیں باقی لوگ جو ہوتے ہیں۔ ان کا چوتھا حصہ اضطراب کا اس دُنیا میں باقی رہ جاتا ہے۔ لیکن وہ اضطراب راحت کو دُور کرنے والا نہیں۔ بلکہ راحت کو بڑھانے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ محبوب سے عارضی جُدائی انسان کی محبت کو بڑھانے والی ہوتی ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے

اس طرح اشارہ کیا ہے۔ کہ مومن کا ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان اصول پر عمل کرے۔ تو یقیناً اسی دُنیا میں اس کو راحت اور سکون قلب مل جاتا ہے۔ لیکن کوئی چاہے۔ کہ دُنیا کی حکومتیں اور دُنیا کی عزت حاصل کر کے یا حساب یا تاریخ یا سائنس پڑھ کے یا اور اسی قسم کے پیشے اختیار کر کے راحت اور سکون حاصل کرے۔ تو یہ ناممکن ہے۔ خدا تعالےٰ سے دُور ہو کر جتنی عزت انسان حاصل کرتا ہے۔ اُتنا ہی وہ اپنے لئے گھبراہٹ اور اضطراب کے سامان پیدا کرتا ہے بلکہ بجائے آرام دینے کے آرام کو دُور کرتا ہے۔

مالدار کو ہمیشہ یہ فکر رہتی ہے۔ کہ میرا روپیہ چُرا نہ لے جائے۔ حکومت بجائے آرام دینے کے اضطراب پیدا کرتی ہے۔ بادشاہ اور وزراء کبھی آرام کی نیند نہیں سو سکتے اس کے مقابلہ میں جو لوگ اللہ تعالےٰ کے ہو کر ترقی کرتے ہیں ذمہ واریاں ان پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ اور ان کے پُورا کرنے کا غم اور فکر انہیں بھی لاحق ہوتا ہے۔ لیکن ان کا غم۔ اور ان کا فکر اپنی ذات کے لئے نہیں۔ بلکہ دُوسروں کے لئے ہوتا ہے۔ اور پھر اس فکر۔ اور غم کے ساتھ خدا تعالےٰ کے وعدے۔ تائید اور نصرت شامل ہوتی ہے۔ اس لئے وہ غم بھی ان کے لئے ایک رنگ لذت کا رکھتا ہے۔ کیونکہ قربانی والا اضطراب۔ راحت ہی کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ انسان جانتا ہے۔ کہ ہر ذرہ جو میرا قربان ہو رہا ہے۔ اس کے بدلے میں اعلےٰ درجہ کے انعامات میرے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ پس نیک لوگوں کا اضطراب اور غم دیکھ کر یہ نہیں خیال کرنا چاہئے۔ کہ حقیقی راحت دُنیا سے مفقود ہے۔ ان کے غم اپنی ہلاکت کے خوف سے نہیں۔ بلکہ دُنیا کی ہلاکت کو دیکھ کر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے غم کی ہر ساعت ان کو خدا کے زیادہ قریب کر دیتی اور اسکے فضلوں کا زیادہ وارث بنا دیتی ہے پس گو ظاہری شکل غم کے ساتھ مشابہ ہے۔ مگر باطن میں وُہ راحت اور سکون ہے ٭ (الفضل ۱۱ را پریل ۱۹۲۳ء)

(۳)
مقصد حیات

(از حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ڈی ٹی ایل ایل ڈی)

دُنیا میں انسانوں کے درمیان ظاہری اختلاف قوت و دولت بہتوں کے واسطے موجب حسد اور رنج ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ظاہری اختلاف کچھ چیز نہیں۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ جس میں حقیقت سے ناواقف لوگ محض اپنی کوتاہ نظری کے سبب ایک خیالی دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ ایک متنفس جو راجہ کے گھر پیدا ہوا۔ اس کے گرد و پیش کی اشیاء اس کے قلب و جسم پر اتنا ہی اثر ڈالتی ہیں جتنا کہ ایک مفلس کا بچہ اپنے گرد و پیش کی اشیاء سے متاثر ہوتا ہے ہر دو اپنی اپنی حالتوں میں یکساں طور پر راحت و رنج پاتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا ترازو ہوتا جو انسان کی قلبی کیفیت اور اس کی خوشی اور غم کا وزن کر سکتا۔ تو امیر اور غریب بچوں کے دلوں میں بلحاظ ان کی امارت اور غربت کے کوئی فرق دکھائی نہ دیتا۔ کوئی ظاہری چیز فی نفسہٖ نہ آرام دینے والی ہے نہ ضرر پہنچانے والی ہے۔ ان چیزوں کا استعمال کرنے والا یا ان کی طرف نگاہ کرنے والا جس نقطۂ نظر سے ان کا خیال اپنے دل میں لاتا ہے۔ اسی کے مطابق وُہ اشیاء اس کے واسطے آرام یا تکلیف کا موجب ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک امیر اپنے موٹر کار پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ موٹر تیز رفتاری سے سڑک پر سے جا رہی ہے ایک غریب پا پیادہ اُسی سڑک پر اپنا راستہ طے کرتا ہُوا اُس موٹر کی طرف دیکھتا ہے۔ امیر اس موٹر کو دیکھنے اور اُس پر سوار ہونے کا ایسا عادی ہے کہ اُسے خیال بھی نہیں آتا کہ اُس کے پاس موٹر ہے جو دوسروں کے پاس نہیں

بدقسمت ہے کہ جس کام کی خاطر وُہ موٹر دوڑا رہا ہے۔ اس کے مشکلات کے حل کی فکر میں اس کا دماغ چکرا رہا ہے۔ لیکن غریب اس خیال سے کہ اس کے پاس موٹر نہیں اور اُسے پیادہ چلنا پڑا ہے۔ امیر کو بڑے راحت اور آرام میں سمجھ کر دل کے اندر کُڑھ رہا اور اپنی قسمت پر غم کھا رہا ہے۔ پس موٹر فی نفسہٖ کچھ چیز نہیں۔ وہ اپنے مالک کو کوئی خوشی نہیں دے رہی۔ اور نہ غریب کو کوئی تکلیف پہنچا رہی ہے۔ ہر ایک اپنے نفس کی بلندی یا پستی کے سبب آرام یا دُکھ حاصل کر رہا ہے فقیر راجہ یا نواب کو اعلےٰ درجہ کی سواری پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر کُڑھتا ہے۔ کہ یہ کس مزے میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور میں کیسے افلاس کی نکبت میں گرفتار ہوں اور راجہ یا نواب فقیر کی طرف نگاہ کر کے آہ بھرتا ہے کہ یہ شخص کیسا سُبکدوش جا رہا ہے۔ حکومت کے جھگڑوں اور بکھیڑوں سے جو ہر وقت مجھے مغموم رکھتے ہیں، یہ شخص آزاد ہے۔ راجہ اور فقیر ہر دو دُکھی ہیں۔ اور ان کے حزینِ قلب کے حُزن و غم کو اگر کسی ترازو سے تولا جا سکے۔ تو دونوں کا وزن قریباً برابر رہے۔ لیکن راجہ اور فقیر ہر دو اللہ تعالےٰ کی طرف دھیان رکھنے والے اور اُس سے دل لگانے والے ہو جائیں تو ہر دو کو ایک اطمینان حاصل ہو گا۔ اور غم دُور ہو جائینگے اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اس بات کو یاد رکھو کہ اطمینان قلب کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وُہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو یاد رکھے۔ اُس سے محبت کرے۔ اور اُس کے احکام پر چلے۔ اور ہر حال عُسر و یسر۔ رنج و راحت میں قدم اُسی کی طرف آگے بڑھائے۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ پاک تعلق پیدا کرنے کے سوائے سچی راحت اور حقیقی اطمینان کسی اور شے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتا یہ ایک اٹل قانون ہے۔ اور کبھی خطا نہ ہونے والا نسخہ ہے۔ اس کے سوائے

جس قدر خوشیاں ہیں سب عارضی اور وقتی اور بے پایاں اور بے ثبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی اس دُنیا کی مثال کھیل اور تماشے سے دی ہے۔ انما ھذہ الحیوٰۃ الدنیا لھو ولعب دُنیا ایک کھیل و تماشا ہے۔ ہر شخص کو تھیٹر و سینما یا نقالوں کا تماشا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ تھیٹر میں ایک بادشاہ ہوتا ہے ایک وزیر۔ ایک سپاہی ایک مسکین۔ ایک بیوقوف۔ لیکن حقیقت میں نہ بادشاہ بادشاہ ہے نہ وزیر وزیر نہ مسکین مسکین اور نہ بے وقوف بے وقوف ہے۔ اور جب تماشا ختم ہوجاتا ہے۔ اور آخری پردہ گرتا ہے تو مالک تھیٹر اس شخص کو کوئی زیادہ تنخواہ نہیں دیدیتا جو بادشاہ بنایا گیا تھا۔ اور اس کو کچھ کم تنخواہ نہیں دیتا جس نے بے وقوف کا پارٹ لیا۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی اُجرت اس لحاظ سے دی جاتی ہے۔ کہ جو کام اُس کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ کام اس نے کس عمدگی سے کیا۔ اور اس لحاظ سے ممکن ہے کہ اسٹیج پر جو بے وقوف بنایا گیا تھا وہ اپنے پارٹ کو زیادہ عمدگی سے سرانجام دینے کے باعث زیادہ تنخواہ حاصل کرے بہ نسبت اس کے جو بادشاہ بنایا گیا۔

اِس مثال سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس جہان میں انسان کی زندگی اس شخص کی طرح ہے جو اسٹیج پر ایکٹ کر رہا ہے۔ اس کا دُکاندار یا موچی یا جاہ یا حاکم ہونا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ حقیقت اس بات میں ہے کہ اُس نے دُکاندار یا موچی یا جولاہا کا کام یا حاکم ہونے کا کام کس عمدگی سے کیا۔ جیسا کہ کسی امتحان میں جتنے امیدوار شامل ہوتے ہیں سب کے واسطے کم از کم مارک پاس ہونے کے لئے ۵۰ اور زیادہ سے زیادہ سو نمبر ہوتے ہیں۔ کوئی سو سے زائد نہیں لے سکتا۔ کوئی ۵۰ سے کم میں پاس نہیں ہو سکتا ایسا ہی اس عالم میں بادشاہ اور کوچوں میں جھاڑو دینے والے ہر دو کے واسطے کُل نمبر ۱۰۰ ہے۔ اور پاس ہونے کیلئے

۵۱نمبر۔ بادشاہ بنی بادشاہی کے کام سے مارک لیگا۔ اور خاکروب اپنے کام کے لحاظ سے مارک لیگا۔ اور اس میں ہر ایک کے واسطے ترقی و تنزل کی یکساں گنجائش ہے۔

جب یہ صورت حال مساوات کی ہے تو انسان کو کبھی اس بات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کہ دُنیا میں اس کے ذمّے کیا کام لگایا گیا ہے۔ جو کام بھی ہو اسی کو بہتر سے بہتر کرنے کی انسان کوشش کرے۔ کیونکہ اسی کام میں اس کے لئے اعلیٰ مدارج رُوحانی حاصل کرنے کا موقع ہے۔ اس جسم میں انسان اسی واسطے چند سالوں کے لئے بھیجا گیا۔ کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنی رُوحانی ترقیات اور مدارج کو حاصل کرے۔ اور یہ امر ہر متنفس کے لئے ممکن ہے۔ خواہ ظاہری لحاظ میں اس کا مرتبہ اور مقام کچھ ہی ہو۔ کتب تاریخ و سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء اور اولیاء جُلاہ یا بڑھئی یا گڈریا یا بیوپاری یا موچی وغیرہ قسم کے کام کرتے تھے۔ اور اسی میں ان کو ولایت یا نبوت عطا ہوگئی۔

پس ظاہری مال و دولت اور جاہ و حشم دراصل کچھ چیز نہیں۔ دانا آدمی کو نہیں چاہیئے کہ ان ظاہری نمائشوں کا خیال کرے۔ اور قُدرت کے اسباب نے جن حالات میں اس کو پیدا کیا اور رکھا اسی میں اطمینان کے ساتھ اور خوشی کے ساتھ اپنے کام کو عمدہ سے عمدہ کرنے کی کوشش کرے۔ تو اسی میں سلوک کی تمام منزلیں طے ہو جائیں گی۔ اور اسی میں وہ اپنی زندگی کا مقصد حاصل کریگا۔ اور اپنی مُراد کو پہنچ جائیگا ۔

(۴)

مَقَامِ مَحْبُوبِیت

آنریبل ڈاکٹر سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے۔ سی۔ ایس آئی رُکن حکومت ہند۔ سابق پریذیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ

مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا خدا تعالےٰ سے ایسا مضبوط رشتہ قائم کرے کہ گویا وہ اس کا مظہر ہو جائے۔ اور اُس کی تمام صفات کو اپنے اندر اپنے ظرف اور قابلیت کے مطابق جذب اور اخذ کرے۔ اِس مرتبہ کو اسلامی اصطلاح میں **محبُوبیت کا مقام** کہتے ہیں۔

ایک ادنیٰ غور سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ انسان کے اندر جس طرح محبت کا جذبہ مخفی رکھ گیا ہے۔ اُسی طرح محبت کئے جانے کی خواہش بھی اسکے اندر پیدا کی گئی ہے۔ اور انسان جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے اور اُس کے اندر یہ طبعی تقاضا ہوتا ہے کہ اِس کا محبوب اِس کی محبت کے جواب میں اس سے محبت کرے۔ اور اس کو اپنے قُرب میں جگہ دے۔ اور اس سے اظہار ملاطفت کرے۔ اور محبت سے کلام کرے۔ اور ہمدردانہ سلوک کرے۔ اور جبکہ تمام مذاہب اِس امر پر متفق ہیں۔ اور عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ انسان کی پیدائش کی غرض اور مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کی طرف رجوع پیدا کیا جائے تو یہ بھی ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ اس محبت کے جواب میں خدا تعالےٰ کی محبت کا دروازہ کھولنا بھی مذہب کا فرض ہے۔ ورنہ ایک طرف آگ لگا دینا اور دُوسری طرف اس کا جواب پیدا نہ کرنا تو ایک عذاب ہے۔ اور یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے ایک جہنم کے لئے

پیدا کیا ہے اور یہ کہ مذہب کا بس اتنا ہی مقصد ہے کہ ایسی آگ لگا دے جو کبھی بجھائی نہیں جائیگی اور ایک ایسی خواہش پیدا کر دے جو کبھی پوری نہیں کی جائیگی۔ اور ایک ایسی منزل کا راستہ دکھا دے جہاں تک پہنچنا کبھی ممکن نہ ہوگا۔ اگر مذہب کا یہ مقصد ہو تو مذہب سے زیادہ منحوس اور برباد کر دینے والی اور تباہ کن اور کوئی شے نہیں ہو سکتی۔

الغرض ماننا پڑے گا کہ سچے مذہب کے مقاصد میں سے ایک یہ مقصد بھی ہونا چاہیئے کہ وہ انسان ہی کے دل میں اللہ تعالےٰ کی محبت، اور اس کے ملنے کی تڑپ ہی پیدا نہ کرے بلکہ وہ ایسا راستہ بتائے جس پر چل کر انسان کو خدا کی محبت بھی حاصل ہو جائے اور وہ اس کی ملاقات سے مسرور ہو۔ اور اس کے کلام سے خوش وقت ہو۔ اور اس کی محبت کا مزہ چکھے، اور اس کی عنایت سے حصّہ لے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہاں اگلے جہان میں اللہ تعالےٰ کی ملاقات نصیب ہو جائیگی، تو یہ درست نہیں۔ اگلے جہان میں ملاقات اصل مقصد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اوّل تو عاشقِ صادق اُدھار پر خوش نہیں ہو سکتا دوسرے اُس کا کیا اعتبار ہے کہ اگلے جہان میں خدا کسی سے خوش ہو جائیگا۔ اِس قدر خواہش اور تڑپ پیدا کرنے کے بعد صرف ایک اُمیدِ موہُوم کا پیدا کرنا ہنسی اور تمسخر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جس کی کوئی قدر نہیں کی جا سکتی۔

پس سچے مذہب کا یہ فرض ہے کہ وہ اسی دُنیا میں تشنہ کام عشق کو لقاء کا جام پلائے۔ اور اپنے پیارے کی زیارت سے مشرف کرے اور اُسکے قُرب میں لے جا کر جگہ دے۔ جو مذہب اِس مقصد کو پُورا نہیں کرتا، وہ ہرگز دنیا کے لئے رحمت نہیں۔ بلکہ لعنت ہے، وہ شفا نہیں بلکہ بیماری ہے، دوا

نہیں بلکہ درد ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اسلام اس مقصد کو پورا کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پ۳۔ ع۱۲)

"کہدے، اے لوگو! اگر تم خدا سے محبت کرتے اور اُس کے عاشق زار ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ یعنی مذہب اسلام کو اپنا دستور العمل بناؤ۔ تو خدا تمہیں اپنا محبوب بنا لیگا۔ اور تمہارے عیبوں کو تم سے ہٹا دیگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نہایت پردہ پوشی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے"

اِس آیت میں یہ بتایا۔ کہ انسان کو محض محبتِ الٰہی کے پیدا کرنے پر قناعت نہیں چاہئے بلکہ اس کے لئے ابھی محبوبیت کا درجہ باقی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اسے دیا جائیگا۔

اِس بیان پر طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص محبوبین الٰہی میں داخل ہو جائے، اُس سے کیا آثار صادر ہوتے ہیں اور کن علامات سے وہ شناخت کیا جاتا ہے کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کی کوئی علامات ہونی چاہئیں، ورنہ مُنہ سے تو ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مَیں یہ کچھ دے سکتا ہوں اور وہ کچھ دے سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے، کہ کیا اُس نے واقع میں کسی کو کچھ دیا بھی یا نہیں۔ اگر اس کا ثبوت نہ دیا جائے۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ مقصد صرف خود غرضی کے طور پر کھڑا کیا گیا ہے، تا کہ دوسرے مذاہب پر اپنی فوقیت کو ثابت کیا جائے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ اوّل تو ہم عقلاً ثابت کر چکے ہیں کہ بغیر اس مقصد کو پیش نظر رکھنے کے کوئی مذہب سچائی کا دعویدار ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس امر کے بھی ثبوت موجود ہیں کہ اس مقصد کو مذہب پورا کرتا ہے چنانچہ اسلام اس مقصد کو بھی پیش کرتا ہے اور اس مقصد کو پانے والے کی علامتیں

بھی بنتا ہے جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

خدا کے محبوبوں کی شناخت اور علامات

یاد رکھنا چاہئے کہ محبوبانِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا تعالےٰ کے حضور میں قرب پاتے ہیں درجہ قبولیت اُنہیں عطا ہوتا ہے لیکن اُن پر واجب نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو تمام لوگوں کے سامنے پیش کریں اور نہ لوگوں پر واجب ہوتا ہے کہ اُن کی کامل جستجو اور کامل پیروی کریں، اُن کو اولیاء اللہ کے اسم سے عُرفِ اہلِ اسلام میں موسوم کیا جاتا ہے ہاں اُن کی صحبت مُغتنمات سے ہے۔ سلوک کے منازل طے کرانے میں اُن کی پیروی نہایت مفید ہے ان کی معیت خدا تعالےٰ کا خاص فضل ہے۔

اُن کی علامت اور اُن کی صحبت اختیار کرنے کے متعلق قرآن مجید نے حسب ذیل آیات میں ارشاد فرمایا ہے :-

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (پ۱۱ ع ۱۲) - وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۔ پ۱۵ ع ۱۶

ترجمہ - پوشیدہ نہ رہے کہ خدا کے پیاروں پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین رہتے ہیں۔ یعنی اپنے نفس پر کسی قسم کا خوف اور غم نہیں ہوتا۔ غیروں کی تکالیف کا خوف اور غم اُن کا شعار ہوتا ہے۔ اپنے نفس میں مطمئن ہوتے ہیں۔ غیر کی اصلاح کے لئے متفکر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ایماندار ہوتے ہیں۔ اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بشارت

ہوتی ہے۔ دُنیاوی زندگی میں اور آخرت میں ۔ خدا کے قانون کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن کو ہر غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں جن میں سے بعض اس دُنیا میں واقع ہوتی ہیں، اور بعض آخرت کے متعلق ہوتی ہیں۔ یہ اسواسطے کہ اُن کی کرامت ظاہر ہو اور ان کی صحبت اختیار کرنے کے لئے مُریدین کے ہاتھ میں دلیل ہو۔ اور باندھ دے اپنے نفس کو ان لوگوں کے ہمراہ جو اپنے رب کو صبح اور شام اس لئے پکارتے ہیں کہ اسی کے چہرے یعنی توجہ کے وہ طلبگار ہیں۔

اور تیری آنکھیں ایسے لوگوں سے اِدھر اُدھر نہ ہٹیں۔ دُنیاوی زندگی کی زیبائش کے لئے ایسے شخص کی اطاعت نہ کر جس کے دل نے ہم سے ایسی نفرت کی ہے کہ میری یاد سے اُسے غافل کر دیا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کریگا اور اس کا امر میانہ روی کے خلاف ہوگا۔ یعنی اپنے نفس کو اُن کی صحبت میں رکھنے کے لئے مجبور کرو جو صبح شام خدا کو پکارتے ہیں، جیسے خدا کا پکارنا اُن کی ندا ہے۔ اور مقصد اُن کا دُنیاوی نہیں بلکہ خاص اسی کی رضا اور اسی کی توجہ کو چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر میسّر آویں تو اُنہیں ایسا محبوب بنانا چاہئے کہ انسان اپنی آنکھیں اُن سے علیحدہ نہ ہونے دے۔ اگر انسان ایسے لوگوں کی صحبت چھوڑیگا تو پھر یہ دُنیا میں اکیلا تو نہیں رہ سکتا۔ غافلین کی صحبت کو اختیار کرنا پڑیگا۔

دُوسری قسم محبُوبانِ الٰہی کی انبیاء اور رسل ہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ مخلوقات پر اُن کی شناخت اور اُن کی پیروی واجب ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کے حضور میں مقبول ہو کر اس لئے مبعوث کئے جاتے ہیں کہ دیگر بندگانِ خدا کو خدا کا رستہ

دکھائیں اور جیسے یہ خود محبوب بنے ہیں دُوسروں کو بھی محبوب بنائیں انکی علامتیں تین ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا تعالےٰ اُن کے لئے اپنی غیرت دکھلاتا ہے۔ اور زور آور حملوں سے ان کی سچائی کو دُنیا پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اِس بارہ میں قرآن شریف نے حسب ذیل آیات میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ط اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (پ۲۸ ع ۳) کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِھِمْ وَھَمَّتْ کُلُّ اُمَّۃٍۢ بِرَسُوْلِھِمْ لِیَاْخُذُوْہُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِہِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُھُمْ فَکَیْفَ کَانَ عِقَابِ ۝ (پ۲۴ ع ۶) وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (پ۲۳ ع ۹)

ترجمہ۔ یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے مقابلہ میں تُندی اختیار کرتے ہیں۔ اور شدید مخالفت کرتے ہیں یہ نہایت ذلیل لوگوں میں شامل کئے جائینگے، کیونکہ خدا نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے۔ زمانۂ حال کے لوگوں سے پہلے نوحؑ کی قوم نے ہمارے رسولوں کو جُھٹلایا، اور اُن کے بعد اور بھی بڑے طاقتور گروہوں نے ہمارے رسولوں کے جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور ہر ایک قوم نے اُس پیغمبر کے متعلق جو اُن کی طرف بھیجا گیا تھا، بہت زور لگایا کہ اُسے پکڑ لیں۔ اور بڑی بڑی مکاریوں کے ساتھ انہوں نے رسولوں کے ساتھ لڑائی کی تاکہ سچائی کو جھوٹا کریں آخر میں نے ہی ان سب مخالفوں کو گرفتار کیا، پھر دیکھو کہ میری سزا کیسی سخت تھی، یہ نہایت پکی بات ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کے لئے یہ قانون پہلے سے باندھ دیا ہے۔ کہ یقیناً وُہی، ہاں وُہی مظفر و منصور ہونگے۔ اور یہ ہمارا لشکر ہے جو غالب آکر رہیگا ؛؛

دُوسری علامت یہ کہ خدا تعالےٰ ان لوگوں کو اپنے علمِ غیب سے حصّہ دیتا ہے۔ اور کمالِ قُدرت کے اظہار کے لئے اُن کے ہمراہ نشان دیتا ہے، اور خود اُن کے لئے گواہ بنتا ہے۔ اور خاص طور پر ایسے پیغمبروں کو جو **تکمیلِ ہدائیت یا تکمیلِ اشاعتِ ہدائیت** کے لئے مبعوث کئے جائیں جان کی حفاظت کرتا ہے۔ کہ کوئی مخالف اُن کے قتل پر قادر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس بارہ میں قرآن مجید کا حسبِ ذیل ارشاد ہے:۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا - اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ۲۹ ع۱۲) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (پ۴ ع۹) - وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا - قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (پ ع) - قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ اِنَّ وَلِيِّ يَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (پ۹ ع۱۴) - قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ (پ۲۰ ع۷) - يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (پ۶ ع)

ترجمہ۔ عالم الغیب خدا اپنے غیب پر کسی کو غلبہ نہیں بخشتا مگر انہیں کو جو اُسکے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تمہیں مصفّٰی غیب پر مطلع ہونے کا موقعہ دے۔ مگر اُن کو موقع دیتا ہے جو اُس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ کافر لوگ کہتے ہیں کہ تُو پیغمبر نہیں۔ تُو کہدے

کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ اور اہلِ علم بھی گواہ ہیں۔ ان کو کہدے کہ تم اپنے تمام شریکوں اور مددگاروں کو میرے مقابل میں بلا لاؤ اور ہر ایک تدبیر سے مجھے ہلاک کرو اور مجھے مہلت ہی نہ دو۔ میرا مددگار اللہ ہے جس نے کہ اس کتاب کو اُتارا ہے اور وُہی صالحین کا نگہبان ہے۔ چنانچہ موسیٰ سے بھی یہی فرمایا کہ ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کرینگے اور تمہارے لئے ہم قُدرت کا نشان مقرر کرینگے کہ تمہاری گرفتاری اور قتل پر وہ قادر نہ ہوسکیں گے۔ ہمارے نشانات کے ساتھ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا۔ غلبہ حاصل کروگے۔

اے پیغمبر پہنچادے جو نازل کیا گیا ہے تیرے رب کی طرف سے اگر تُو ایسا نہ کرے تو خدا کے پیغام کو تو نے نہ پہنچایا۔ اور انسانوں کی شر سے اللہ تیری حفاظت کریگا۔"

قرآن کریم نے جو علامت بیان کی ہیں۔ اُن کی صداقت پر زمانہ گواہ ہے کیا ان واقعات کو کوئی تاریخ سے محو کرسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف سے ایک ایسی قوم کے پاس آیا جو فرعون کے ظلم سے اپنی قومی ہستی کو بکلی کھو چکی تھی۔ اور اپنی زندگی کے خیالات بکلی اپنے ذہن سے فراموش کرچکی تھی۔ لیکن گو ظاہری سامان حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں کوئی نہ تھا۔ خدا کے قدرتی بول اور زبردست حملوں نے فرعونیوں کی طاقت کو برباد کیا اور یہ صدا بنی اسرائیل کے کان میں تھوڑے ہی عرصہ میں پہنچادی کہ یا بنی اسرائیل قد انجینکم من عدوکم کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمنوں سے نجات دی۔"

اسی طرح کیا کوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے حالات کو محو کرسکتا ہے کہ لاکھوں فرعون کا مقابلہ پیش آیا۔ لیکن باوجود

بے سامانی کے تمام فرعونوں کو خشکی میں غرق کر دیا۔
اور ان تمام علامات کو آپؑ کی زندگی میں ہی خدا تعالیٰ نے تمام رُوئے زمین پر ظاہر کیا۔ اگر اُن واقعات کو کوئی نادان تاریخی مبالغے قرار دیتا ہے۔ تو کیا زمانۂ حال کے واقعات سے آنکھیں بند کر سکتا ہے۔ اس زمانہ میں دہریت کا دَور دورہ اور مذہب سے بکلّی لاپرواہی ہو چکی تھی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو تعلیم جدید کے خیالات کے اثر سے متاثر ہو کر مصلحت آمیز دروغ باف قرار دیا جا رہا تھا۔ پس خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے غلام سے اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ مذہب اسلام، ہاں صرف مذہب اسلام اس مقصد عظیم کو جو مذہب کی جان اور اُس کی رُوح ہے پُورا کرتا ہے۔ اور انسان کو خدا تعالےٰ کی محبوبیت کے درجے پر پہنچاتا ہے۔ **حضرت مرزا غلام احمدؑ** صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **نبی** اور **رسول** کر کے ارسال فرمایا اور جس طرح کہ اُس نے اپنے پاک کلام کے ذریعہ سے انبیاء سابقین کی مانند اُس کے لئے نشانات دکھانے کے وعدے کئے تھے ان وعدوں کو پُورا کر کے دکھایا۔ اور اُسی طرح کیا جس طرح کہ اُس نے کہا تھا کہ ”دُنیا میں ایک **نبی** آیا۔ پر دُنیا نے **اُسے قبول نہ کیا**۔ لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی کو ظاہر کر دیگا۔
”یعصمک اللہ و لو لم یعصمک النّاس“۔ خدا تیری حفاظت کریگا اگرچہ لوگ تیری حفاظت نہ کریں دُنیا نے دیکھ لیا کہ اس خدا کے محبوبؑ کی کتنی مخالفت ہوئی اور ہو رہی ہے۔ گو ابتدا میں ہلال شب اوّل کی طرح اسکی روشنی کو لوگوں نے شناخت نہ کیا۔
لیکن آج تمام بر اعظموں اور جزائر میں اُس کے ایسے عاشق زار پیدا

ہو رہے ہیں کہ وہ کوئی دن رات اُس پر دُرود پڑھے بغیر نہیں گذارتے۔ اللّٰھم صلّ علےٰ محمدٍ و علےٰ آلِ محمدٍ و علےٰ عبدک المسیح الموعود و بارک وسلّم۔

تیسری علامت یہ کہ وہ خدا کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں۔ یعنی اُن کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی صفات دُنیا کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں اور انسانوں پر اُن صفات کا ایسا پرتو پڑتا ہے کہ وہ ان صفات کے مظہر بن کر تخلّقوا باخلاق اللّٰہ کا نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اس علامت کی تفصیل آیاتِ ذیل میں جنابِ الٰہی نے فرمائی ہے:- يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ترجمہ - اللہ کی پاکیزگی کا بیان کر رہی ہیں اور کرینگی تمام وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اُس کی اِس ستائش کے ساتھ کہ وہ اللہ بادشاہ ہے تمام نقصوں سے پاک - وہ غالب ہے پاک حکمت والا - اُسی نے بھیجا ہے ایک رسول اَن پڑھ یعنی غریب لوگوں میں جو خدا کے نشان اور دلائل اُن پر پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے - تعلیم دیتا ہے اُن کو کتاب اور شریعت کی - اور سکھاتا ہے اُن کو کامل دانائی - یقیناً تھے یہ لوگ اِس سے پہلے کھلی گمراہی میں، اور مبعوث کریگا وہ دوسروں کو جو ہیں تو انہی میں سے لیکن ابھی تک اُن سے ملے نہیں اور وہ عزت والا حکمت والا ہے - یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ جس کو اپنا فضل فرمائے وہ بہت ہی بڑا فضل ہوتا ہے" (پ۲۸ ع ۱۱ - سورہ جمعہ)

ان آیات میں انسانوں کو خدا کی صفات کے مظہر بنانے کا اثبات اس طرح کیا ہے کہ پہلے بطور دعویٰ کے یہ بیان کیا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں خدا کی تسبیح کے ساتھ اس کی مدح کر رہی ہیں۔ اور خصوصیت سے اس کی چار صفات کا ان میں غلغلہ ہے اور وہ چار صفات خدا کا بادشاہ ہونا قدوس ہونا۔ غالب ہونا حکمت والا ہونا۔ ہیں مگر چونکہ اس بیان پر یہ سوال وارد ہوتا تھا کہ زمین و آسمان کی اشیاء کی تسبیح بدیہیات میں سے نہیں۔ ورنہ کوئی اس سے منکر نہ تھا خصوصاً جبکہ قرآن کریم نے بھی عام لوگوں کے فہم سے اس امر کو بالا قرار دیا ہے جیسے فرمایا وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (ب ۱۵ ع ۵)، ہر ایک چیز اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس سوال کا یہ جواب مفصلۂ ذیل طریق پر دیا:-

دُنیا میں یہ قاعدہ ہے۔ کہ جس لطیف امر کے سمجھنے سے لوگوں کے ذہن قاصر ہوں، اُسے موٹا اور مادی پیرایہ دے کر اور مثالوں سے یا تشبیہ سے سمجھاتے ہیں۔ مثلاً خیال ایک لطیف چیز ہے۔ جب تک وہ دماغ میں ہو اُسے نہ کوئی آنکھ تاڑ سکتی ہے اور نہ کوئی کان سُن سکتا ہے۔ پس اسے دو کثیف لباسوں میں سے ایک پہننا پڑتا ہے۔ یا تو اس خیال کو سیاہ لباس پہنا کر حروف کی صورت میں سفید کاغذ پر جما کر آنکھوں کے ذریعہ سے دوسرے شخص کے فہم میں پہنچایا جاتا ہے۔ یا الفاظ اور آواز کا لباس دے کر ہوا کی سواری کے ذریعے سے کانوں تک اور وہاں سے دماغ میں داخل کیا جاتا ہے اسی طرح چونکہ دُنیا کے ذرہ ذرہ کا خدا تعالےٰ کی تسبیح کرنا ایک مخفی امر تھا۔ اس کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی مثال دے کر سمجھایا ہے اور بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا بروز

کامل ہو کر ہماری صفات کا مظہر ہوگیا ہے اس کے وجود سے تم معلوم کرسکتے ہو کہ کس طرح ہر ایک چیز ہماری تسبیح کر رہی ہے چنانچہ اپنی صفات کا ذکر کرکے فرماتا ہے:۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا کہ اس نے جس کی تسبیح اور تعریف ہو رہی ہے اُمی لوگوں میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا۔ عرب لوگ وہ تھے کہ جن پر کسی مذہب کا اثر نہیں تھا۔ وہ عام تمدن کے اصولوں سے بھی ایسے گرے ہوئے تھے کہ ان میں کوئی انتظام یا سلطنت نہ تھی اور نہ اُن میں پاکیزگی تھی، اور نہ اُن میں عزت وحکمت کا کوئی نشان تھا، وہ ان خوبیوں سے بالکل عاری صاف تختے کی طرح تھے۔ سو خداتعالےٰ فرماتا ہے کہ اپنی صفات ان میں پیدا کرنے کے لئے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا ہے۔ چنانچہ آیاتِ مذکورہ بالا میں جو چار صفات بیان کی ہیں ان میں سے پہلی صفت یعنی الملک کے مقابلہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کام یتلوا علیھم ایٰتہ رکھا۔ یعنی وہ خدا تعالےٰ کے احکام اور اُس کے نشانات کو بحیثیت بادشاہ کے نائب ہونے کے پڑھ کر سُناتے ہیں۔ اَلقُدُّوس کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دُوسرا کام یُزَکِّیھِم بیان فرمایا۔ یعنی آپ اپنی تعلیم اور فیضِ صحبت اور دُعا اور توجہ سے ان کے تمام گند دھو کر القدوس کا مظہر بنائیں۔

صفت العزیز کے مقابلہ میں تعلیم کتاب کو رکھا ہے۔ کیونکہ جیسے جہالت تمام ذلتوں کی ماں ہے ویسے علم تمام عزتوں کا اصل ہوتا ہے کہ وہ العزیز کے مظہر بن سکیں۔ پھر چوتھی صفت الحکیم کی مظہریت کی طرف والحکمۃ کہہ کر اشارہ فرمایا، یعنی یہ لوگوں کو خدا کی حکمت سے حصہ لے کر حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ ہستیٔ باری اور اس کی صفات کے منکر تھے اُن کو سمجھایا
کہ اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے یہ عرب جاہل کندۂ ناتراش
بادشاہ اور پاک اور عالم اور حکیم بن جائیں۔ تو پھر تم یہ امر تسلیم کرو گے یا نہیں
کہ جس خدا کے نام پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے وا قعہ میں
وہ الملک ۔ القدوس ۔ العزیز۔ الحکیم ہے۔ اور باوجود تمام روئے زمین کے
جبا۔ وں ظالموں کی مخالفت کے اس بے سامان قوم کا اعلیٰ پایۂ ترقی پر پہنچ جانا
اس امر کی دلیل ہے یا نہیں کہ ہر ایک چیز خدا کی تسبیح کر رہی ہے۔ کیونکہ انسان
تو ان کے مخالف تھے پھر یہ کیوں کامیاب ہوئے اِس لئے کہ زمین و آسمان کا
ذرہ ذرہ اُن کی تائید میں تھا پھر اس پر یہ سوال ہوتا تھا کہ محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ اثر تو ان لوگوں پر تھا جن کا زمانہ آپ کے زمانہ سے
ملا ہُوا ہے۔ لیکن جو لوگ آخری زمانہ میں پیدا ہونگے اور بسبب بُعدِ زمانہ
کے وہ ان صفات کے مظہر نہ بن سکیں گے۔ تو پھر دُنیا خدا کی ذات اور اسکی
صفات کا مظہر بننے کے لئے کونسا ذریعہ اختیار کرے گی۔ س کا جواب وَ
اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کہہ کر دیدیا یعنی یہ کہ یہ رسول ہر زمانہ کے لوگوں کو تعلیم دینے
کی طاقت رکھتا ہے۔ ایک زمانہ کے لوگوں کو بالمشافہ تعلیم دیتا ہے اور دوسرے
زمانوں کو اپنے نائبوں کے ذریعہ سے تعلیم دیگا، اور اس طرح اس کے ذریعہ
سے یہ مقصدِ عظیم جو مذہب کا ہے کہ لوگ خدا تعالےٰ کے رنگ میں رنگین
ہوں اس کی محبت کو جذب کریں ہمیشہ پُورا ہوتا رہیگا۔ دُنیا کے مدبر
چاہیں گے کہ انہیں پیچھے پھینکیں اور کچلیں۔ لیکن خدا اُن کو کھیت کی طرح
بڑھائیگا۔ اور اپنے فضلِ عظیم سے ان کی آبپاشی کرے گا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ
نے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کے

ذریعہ سے اس امر کو بپایۂ ثبوت پہنچا دیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واقعی اپنے شاگردوں کو خدا کی صفات کا مظہر بنانے کے لئے آئے اور جس نے آپ کی پیروی کی وہ خدا کا محبوب بنا فالحمد للّٰہ علےٰ ذالک ؕ ۔ سنہ

(۵)

مومن کے فرائض

(از آنریبل خان بہادر نواب چوہدری محمد الدین صاحب یومنسٹر جودھپور)

ہمیں کامل مومن بننے کے لئے خود خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں ایک مکمل پروگرام اور مفصل لائحۂ عمل بتلایا ہے، اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں تمہارے لئے ایسا اُسوۂ حسنہ اور پاک نمونہ موجود ہے۔ کہ اگر تم اُسے معلوم کر کے اپنے تئیں اُس پر چلاؤ گے تو دینی و دنیوی رحمتوں اور برکتوں کے وارث ہوگے۔

صرف مسلمان کہنے سے وہ نصرت و تائید اور ہر قسم کے افضال و اکرام ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے کہ جو کامل مومن کے لئے مقدر کئے گئے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک نمونہ یہ ہے کہ حضورؐ ہمیشہ رات کے پچھلے حصہ میں بہت سویرے جاگ اُٹھتے، اور وضو کر کے یہ دُعا پڑھتے کہ یا الٰہی! میرے گناہوں کو معاف کر، میری کوشش کو کامیاب کر، اور میری

سنہ یہ مضمون آنریبل ڈاکٹر صاحب موصوف (متعنا اللہ بطول حیاتہ) کے اس بسیط و لطیف مقالہ سے مقتبس ہے جو موصوف نے "مقصدِ مذہب" کے موضوع پر کانفرنس مذاہب کے دُوسرے اجلاس منعقدہ مؤرخہ ۲۷ ماہ صلح ۱۳۲۰ ہجری شمسی کو جبکہ حال لاہور میں بحیثیت امیر جماعت احمدیہ لاہور مختلف اہلِ مذاہب کے سامنے سُنایا۔ (مرتب)

تجارت کو نفع مند کر پھر حضورؐ تہجد کی نماز بہت خشوع خضوع کے ساتھ ادا فرماتے، اور دُوسروں کو بھی اِس نماز کی ادائیگی کی تحریک فرماتے۔ اور صبح سویرے بیدار ہونے کی بہت تاکید فرماتے، چنانچہ لکھا ہے، کہ ایک دن صبح کی نماز کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ ابھی تک آرام فرما رہی ہیں، حضور علیہ السلام نے زور سے آواز دی' فاطمہ بیدار ہو! رزق کی تقسیم کا وقت نکل رہا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جاگ کر جلدی سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! یہ تو درست ہے کہ اوّل وقت ہی نماز ادا کرنی چاہئے، مگر حضورؐ نے یہ کیا فرمایا کہ رزق کی تقسیم کا وقت نکل رہا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" رزق کی تقسیم بہت سویرے شروع ہو جاتی ہے۔ جو سویرے نہیں اُٹھتے وہ خدا کے فضلوں سے محروم رہ جاتے ہیں ؎

ہر رات کے پچھلے حصّہ میں کچھ دولت لُٹتی رہتی ہے
جو سوتا ہے، وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وُہ پاتا ہے

نیز ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس سے زبان اور ہاتھ، قول اور فعل سے دُوسروں کو رنج نہ پہنچے، اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے جان اور مال کو امن ہو،

جو امانت دار نہیں، وہ ایماندار نہیں، اسلام میں در اصل وہی لوگ داخل ہیں جو نرمی سے بات کرتے ہیں؛ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، مصیبت میں بیدل ہو کر گھبراتے نہیں، آنے والی مصیبت سے مضطرب اور پریشان

نہیں ہوتے، اور بہت زیادہ سخاوت کرتے ہیں، تمام مسلمانوں سے افضل وُہ ہیں جن کی گُفت و کردار سے کسی کو دُکھ نہ پہنچے: اور تمام ایمان والوں میں افضل وُہ ہیں جن کی عادتیں نیک ہیں۔

فرمایا: اپنے گھر بار، اپنی دولت، اپنے کھانے پر قناعت کرو، اور خوش رہو، دُوسروں پر حرص کی نظر نہ ڈالو، قناعت سے زیادہ کوئی مسرت نہیں، خواہش و حرص سے بڑھ کر تکلیف دہ کوئی مرض نہیں، رحم سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں، اپنے مُلک اور اپنی قوم کے لئے مفید ہو، جو ایسا نہیں اُسے زندوں میں شمار نہ کرو، مزدُور کو مقرر کرو تو اجرت اُس کی پہلے بتلا دو، تاکہ پھر جھگڑا نہ ہو، اور مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، ہر شے کے لئے ایک راستہ ہے اور جنّت کا راستہ علم ہے، قولاً، فعلاً، اشارۃً، کنایتہً کسی دوسرے سے وہ سلوک نہ کرو جو تمہیں خود بُرا معلوم ہو، درستئ اخلاق کا خیال سب سے مقدّم رکھو، کیونکہ اخلاق حسنہ ہی زندگی کا معیار ہے۔

غرضیکہ دُنیا کا کوئی کام اور کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لئے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں نیک نمونہ موجود نہ ہو اِسی نمونہ کی پیروی میں دینی اور دُنیوی کامیابی ہے۔

(آنریبل خان بہادر نواب) محمد دین (صاحب)
ممبر کونسل آف اسٹیٹ
ریونیو منسٹر جے پور

ذِکر و فکر

(از حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ریٹائرڈ سول سرجن)

(۱) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اے عزیز! جنّت خواہ مومن کو دُنیا میں ملے یا آخرت میں، اس کی سب سے بڑی علامت قرآن مجید نے یہی بتائی ہے، کہ ایسے لوگ خوف اور غم سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ یعنی نہ اُنہیں کوئی آیندہ کا ڈر ہوتا ہے نہ موجودہ پر رنج، لیکن بہت سے لوگ ہیں۔ جو مدّعیٔ ایمان اور مدّعیٔ جنّت ہیں، اور اس پر بہت فخر کرتے ہیں۔ مگر جب اُن کی باتیں سُنو۔ تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ رنج و غم اور غصّہ میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں۔ پھر کس طرح سمجھا جائے کہ وُہ حُزن سے آزاد ہوگئے۔ اے عزیز! جب تُو کسی ایسے شخص سے ملے جو ہمیشہ زمانہ کو کوستا ہو۔ اور غیر مطمئن حالت اپنی ظاہر کرتا ہو۔ رزق کی تنگی کی شکایت کرتا ہو، حُکّام کی عیب جوئی کرتا رہتا ہو۔ پبلک کے بُرے حالات: لوگوں کی بدچلنیاں۔ دُکھ۔ بیماری۔ بُری قسمت۔ محلہ والوں کے جھگڑے۔ بے برکتی کی آمدنی۔ غرض ہمیشہ شکایت اور اظہارِ رنج ہی اس کی زبان سے سُنا جاتا ہو، تو سمجھ لے۔ کہ وُہ جنّت سے دُور۔ بلکہ ایک دوزخ میں پڑا ہُوا ہے۔ لیکن جو واقعی جنّتی ہے وُہ ہر مصیبت کو بھی شُکر کے رنگ میں لیتا ہے اور الحمد للہ کہتا ہے۔ اور جسے یہ بات حاصل نہیں وہ معمولی باتوں کو بھی بُرے اور بدبختی کے پیرایہ میں لیتا ہے۔ خود بھی دُکھ اُٹھاتا اور دوسروں کو بھی اس

دُکھ میں شریک کرتا ہے اور گو مزاج پرسی کے وقت وہ بھی عادتاً الحمد للہ کہتا ہے۔ مگر معاً مصائب اور دُکھ درد۔ تکالیف اور بے چینی کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے جس سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ گو زبان پر خدا کا شکر ہے مگر دل شکایتوں سے لبریز ہے۔ اس حالت سے اپنے آپ کو بچا۔ کہ تجھے جنت کی زندگی حاصل ہو ÷

(۲) مضطر کا لفظ عام ہے

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ۔ یعنی کون ہے جو خُدا کے سوا مضطر کی دُعا سُنتا ہے۔ اور اس کی تکلیف کو رفع کرتا ہے۔ یہاں جو اضطرار ہے۔ اس کے ساتھ مومن۔ کافر۔ انسان۔ حیوان کسی کی شرط نہیں۔ اضطرار کسی مخلوق کو بھی ہو اور وہ چلّائے، فوراً قبولیت نازل ہوتی ہے۔ جانوروں تک کو سختایذا کوئی دے کر دیکھ لے ایک ذلیل جانور کی چیخ پُکار پر انسانوں پر سزا نازل ہو جاتی ہے۔ اور غریب جانور کی خلاصی خدا تعالےٰ کرا دیتا ہے۔

سالہا سال کا ذکر ہے کہ ایک سوتری مٹھاس یعنی شکر رکھ کر اس میں بارُود ملا دیا کرتا تھا۔ جب اُس پر مکھیاں جمع ہو جاتیں تو ذرا سی چنگاری سے آگ لگا دیتا۔ بھُر بھُر ہو کر آدھی مکھیاں جل جاتیں، اور آدھی نیم برشت ہو کر وہیں تڑپا کرتیں۔ اِس تڑپنے میں وہ شخص بہت لُطف لیا کرتا۔ یہ اُس نے اپنا شُغل بنا لیا تھا۔ اور لوگوں کو بھی یہ تماشا دکھایا کرتا تھا آخر ایک دن ایک پتنگہ آگ کا بارُود کی تھیلی میں بھی جا پڑا۔ جو پاس ہی کھُلی پڑی تھی۔ وہاں آگ پہنچنے کی دیر تھی کہ یک دم ایک شعلہ ورجب کا

اُٹھا۔ جس نے سلوتری کو جھلس دیا۔ اور اسی سے وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ سب کہنے لگے یہ بھی مکھیوں کے جلنے اور تڑپنے کا تماشہ دیکھا کرتا تھا۔ سو خدا نے ان عاجزوں کی فریاد آج سُن لی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

(۳) آخرت کو کبھی نہ بھُولو

اے عزیز! تُو نے ایک دفعہ ایک بزُرگ سے دُعا کرائی تھی کہ امتحان یُونیورسٹی میں پاس ہو جائے، اس کے بعد کچھ مدت گذری تھی کہ تُو نے اپنی بیماری کے لئے دوستوں سے دُعا کرائی۔ پھر تُو نے اپنی شادی کے لیے بزرگوں سے دُعا کی درخواست کی، پھر یاد ہوگا کہ ایک دفعہ اولاد ہونے کے لئے بھی تُو لوگوں سے دُعا کے لئے کہا کرتا تھا۔ اس کے بعد ایک دفعہ تیرا بچہ بیمار ہُوا تو تُو نے اخبار میں دُعا کی درخواست اُس کی صحتیابی کے لئے شائع کرائی۔ غرض جہاں تک مجھے معلوم ہے تیری ہر دُعا کسی دُنیوی مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے تھی۔

اے عزیز! میں برسوں سے اِس امر کو ترستا رہا کہ کاش تُو کبھی آخرت کے لئے بھی کسی سے اسی توجہ اور بے قراری کے ساتھ دُعا کرائے جس طرح تُو اپنے امتحان۔ بیماری۔ مقدمہ۔ اولاد۔ نوکری۔ اور دیگر دُنیاوی ضرورتوں ابتلاؤں کے لئے کراتا ہے مگر معلوم ہُوا کہ وہ خانہ صفر ہے۔

اب اے میرے پیارے! سُن لے۔ کہ تُو اگر تمام دُنیاوی مطالب میں کامیاب بھی ہو گیا، اور دائمی زندگی میں حُسن خاتمہ نہ ہونے کی وجہ سے کامیابی میسّر نہ ہوئی تو کس قدر رنج و افسوس کی بات ہوگی۔

اے عزیز! دیکھ، تیرا خدا تو یُوں فرماتا ہے۔
من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا و الآخرہ ۔ یعنی اگر صرف دُنیا کا ثواب اور فائدہ خدا سے مانگتے ہو، تو اُس کے پاس دُنیا اور آخرت دونوں کے ثواب اور فائدے ہیں۔ تم لوگ آخرت کا ثواب ساتھ کیوں نہیں طلب کرتے؟ کیا وہ خدا کے پاس نہیں ہے یا اس کے بارے میں اللہ تعالےٰ کو کوئی بُخل ہو گئی۔ پس یہ بدقسمتی ہوگی اگر تیری دُعائیں۔ دن کی ساری محض دُنیاوی مفاد کے لئے ہوں۔

اور ایسا کم ہو۔ کہ اپنی نجات۔ خدا کی دائمی رضامندی۔ اپنے اہل و عیال کی دینی بہتری۔ خدا کی معرفت۔ خدا کی محبّت۔ خدا کے کلام کا علم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی ترقی۔ سلسلہ کے احباب اور اُن کی نسلوں کی دینی بہتری اور اُخروی کامیابی کے لئے تُو دُعا کرے اور کرائے۔

(۴) رزق کی کثرت اور نفس کی بغاوت

اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ اگر میں اپنے بندوں پر رزق کی فراخی کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں بغاوت کرتے۔

لو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض سواے عزیز! تُو رزق کے پیچھے اتنا نہ پڑ۔ کہ دین تیرے ہاتھ سے جاتا رہے یا دُنیا پر مقدم نظر آئے۔ شائد خدا نے تنگی اسی لئے دی ہو کہ تُو بغاوت سے بچ جائے۔ پس ایسی تنگیٔ رزق پر صبر شُکر کر۔ اور سمجھ لے، کہ اگر رزق کی کثرت ہوتی۔ اور تُو باغیوں میں شمار ہوتا، تو کیا یہ اچھی بات ہوتی؟

کیا ایک گھونٹ سے پیاس بجھ سکتی ہے؟

اے عزیز! لوگ دن رات میں چند دفعہ استغفار یا درود شریف پڑھ کر بہت اعلیٰ نتیجہ کی امید رکھتے ہیں۔ حالانکہ صحابہؓ جیسی پاک جماعت کی مجلس سے اُٹھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ستر ستر مرتبہ استغفار پڑھا کرتے تھے پھر تیرا دو چار دفعہ استغفر اللہ دن بھر میں کہہ لینا۔ یا چار پانچ دفعہ درود پڑھ لینا اور پھر بڑے نتائج کا اُمیدوار ہونا ایسا ہے۔ جیسے ایک گھونٹ پانی سے کسی پیاسے کی پیاس بجھانا۔ یا ایک لقمہ سے کسی بھوکے کی شکم پُری کی توقع کرنا۔

(۵) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ

اے عزیز! جسم پر اگر گرد یا میل لگ جائے تو اُس کے لئے پانی کا غُسل ضروری ہے تاکہ وہ میل دُور ہو جائے۔ لیکن اگر بالفرض بیرونی میل نہ پڑے تو پھر کیا غُسل معاف ہو جاتا ہے اصل یہ ہے کہ جسم کو پھر بھی صفائی کی حاجت ہے کیونکہ اس میں اندر سے پسینہ وغیرہ نکلتا ہے اور ضروری ہے کہ خواہ بیرونی آلائش نہ بھی ہو۔ تب بھی جسم کو بار بار صاف کیا جائے۔

عزیز من! یہی حال رُوح کا ہے۔ اگر گناہ یا بیرونی آلائش نہ بھی ہو۔ تب بھی تیری رُوح روزانہ پالش اور صفائی کی محتاج ہے۔ اور وہ پالش استغفار ہے۔

پس یاد رکھو۔ کہ گناہ کی مغفرت کے علاوہ خواہ کوئی انسان محفوظ ہو یا معصوم تب بھی وہ استغفار سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور جتنا زیادہ استغفار کرے گا اُتنا ہی اُسکی رُوح نورانی ہوگی یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ استغفار

کرتے تھے۔ بلکہ دُوسروں سے زیادہ، گنُاہ کے لئے نہیں۔ بلکہ جلائے رُوحانی کے لئے کیونکہ اگر استغفار نہ کیا جائے تو رُوح کی چمک دمک اور جلا مدھم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے بغیر غسل کے جسم کی صفائی میں خود بخود کمی آنی شروع ہو جاتی ہے ؛؛

(۶) جسمانی مصائب کے علاوہ خلاقی و رُوحانی نقصانات کا علاج

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اور صابروں کو خوشخبری دے کہ جب اُن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وُہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہتے ہیں، یہ مقولہ ہمارے مُلک کے مسلمانوں میں بھی بہت رائج ہے۔ اور ہر غم۔ آفت اور موت کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ مگر یہاں میں اس کے متعلق دو باتیں لکھتا ہوں۔

پہلی یہ کہ جب یہ پُورے جوش اور دردِ دل سے نکلے تو یا تو گُم شدہ چیز مل جاتی ہے، یا اگر فوت ہو گئی ہو تو اِس کا نعم البدل۔ دُوسرے یہ کہ لوگ عموماً دُنیاوی نقصانوں کے وقت اسے پڑھتے ہیں۔

بہت شاذ ہوتا ہے کہ رُوحانی آفات اور مصائب کے وقت بھی اسے پڑھا جاتا ہو۔ حالانکہ ہماری اصلی مصائب رُوحانی مصائب ہی ہوتی ہیں۔ اگر جیب میں سے پانچ روپیہ کا نوٹ گر پڑا تو بے اختیار اِنَّا لِلّٰه مُنہ سے نکلتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اخلاقی یا رُوحانی نقص وارد ہو گیا۔ یا ایمان میں سُقم آ گیا تو اُس وقت یہ کلمہ کہتے بہت کم لوگوں کو سُنا ہے۔

حالانکہ اس نقصان کی تلافی اور جبر دُنیاوی نقصانوں سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے، پس جس طرح مالی اور جانی نقصانات کے وقت اس کے پڑھنے کا خیال خود بخود آجاتا ہے بلکہ بے اختیار یہ کلمہ مُنہ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح نماز کے فوت ہو جانے، روزہ کے رہ جانے، کسی نیکی سے محروم ہو جانے، یا کسی اخلاقی کمزوری کے صادر ہو جانے پر فوراً اس کو ہمارے مُنہ سے نکلنا چاہیئے، پھر جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں، امید ہے کہ اس کی تلافی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہو جائیگی، اِنْشَاءَ اللّٰہ۔

(۷) سب قصور مُعاف کر کے سویا کرو

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (نُور)

پس چاہیئے کہ وہ معاف کریں اور درگذر کریں۔

کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخشدے۔ اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر انسان لوگوں کو معاف کرنے اور درگذر کرنے کی عادت ڈال لے، تو یوں بھی اُس کا دل خوش رہتا ہے۔ اور خدا کے ہاں سے بخشش کا وعدہ جو ہے وہ مزید برآں۔ سب سے آسان طریقہ اس عمل کا یہ ہے کہ جب رات کو سونے لگے، تو زبان سے یہ الفاظ واضح طور پر بلند آواز سے کہے کہ اے اللہ مجھے کسی بھائی سے عداوت نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے میرا کسی قسم کا قصور بھی کیا ہے، تو وہ میری طرف سے مُعاف ہے تُو بھی اُسے معاف کر۔ اور مجھے اپنے فضل سے بخشدے۔

میرا تو یہ سالہا سال کا مجرب عمل ہے، اور کبھی میں نے کسی شخص کی

بابت اپنے دل میں عداوت اور کینہ نہیں محسوس کیا اور کبھی کسی کا بُغض اپنے دل میں لے کر نہیں سویا۔

(۸) ہر مُسلمان پر تلاوت قرآن فرض ہے

وان اتلوا القرآن (نمل) ایک دن ایک دوست فرمانے لگے ہمیں تو قرآن کی زبان نہیں آتی۔ نہ ترجمہ کا کچھ علم ہے۔ اس لئے یونہی بے سمجھے بُوجھے ناظرہ قرآن پڑھنا فضول ہی ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کا استدلال شاید درست ہو مگر خود قرآن نے بطور نصِ صریح یہ حکم دیا ہے آپ قرآن ضرور پڑھا کریں اب اس حکم کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا، وہ گنہگار ہے۔ خواہ اُسے ترجمہ آتا ہو۔ یا نہ آتا ہو۔ اور اس زمانہ میں تو یہ عذر بھی سخت نامعقول ہے کیونکہ بین السطور مترجم قرآن کئی قسم کے بازار میں سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ آدمی پہلے ایک رکوع قرآن کا پڑھ لیا کرے اس کے بعد پھر اُس کا اُردو ترجمہ پڑھ لیا کرے۔ اسی طرح کرتا رہے تو سارے قرآنی مطالب سے واقف ہو سکتا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ صرف نحو، لُغت کے ڈر کے مارے کلام اللہ سے بے اعتنائی کرے۔

ترجمہ ان تینوں باتوں سے مُستغنی کر دیتا ہے۔ کیونکہ ہر ترجمہ واقف کار اور عالم کا کیا ہُوا ہوتا ہے عوام کے لئے ہر طرح آسانی ہے اور یُوں سے

"خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار"

کا تو کوئی علاج نہیں۔ ورنہ قرآن مجید نے تو حسب ذیل آیت میں تلاوتِ قرآن کو ایسا ممتاز کیا ہے کسی اور عمل کا نام لینا بھی اس کے مقابل پر کچھ حقیقت نہیں سمجھا۔ وَمَا تکون فی شان وَمَا تتلوا منه من قرآن ولا تعملون

من عمل الا کنا علیکم شھودًا اذ تفیضون فیہ (یونس) یعنی تو
کسی حال میں ہو خواہ قرآن پڑھتا ہو۔ یا کوئی اور عمل کرتا ہو۔ مگر اسوقت
ہماری نظر تجھ پر ہوتی ہے ؂

(۹) عبدِ عاشق بن نہ کہ بیگاری

اے عزیز! اگرچہ تو عبودیت یعنی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔
مگر جس خدمت میں عشق نہ ہو اس میں لذت نہیں اور جب مزہ نہ ہو تو آخر ملال
پیدا ہو جائیگا اور جب ملال پیدا ہوگا، تو لازماً مخدوم بھی ملول ہو جائیگا۔ اور
اس طرح سارا کاروبار عبودیت کا بگڑ جائیگا۔ پس محبت کر۔ اور محبت
سیکھ اور محبت کو بڑھا۔ کیونکہ بغیر اس کے عبودیت عبودیت نہیں بلکہ
بیگار ہے ؂

(۱۰) بد پرہیزی

اے عزیز! بیماری میں ہمیشہ پرہیز کر، اور بدپرہیزی سے بچنے کی
پوری کوشش کر۔ کیونکہ یہ کوشش حصولِ تقویٰ میں بھی تیرے کام آئیگی،
اگر تو جسمانی تکالیف اور بیماریوں میں پرہیز کا عادی ہے، تو مجھے یقین ہے
کہ تو متقی بھی بن جائیگا۔ کیونکہ متقی بھی پرہیزگار کو ہی کہتے ہیں۔ اور اگر تو
پرہیز نہیں کر سکتا، تو مجھے خوف ہے کہ تو تقویٰ کے اعلےٰ مدارج نہیں طے کریگا
میرا یقین ہے کہ "عادی بدپرہیز" کبھی متقی نہیں بن سکتا۔ اس لئے خود
بھی پرہیز کی عادت ڈال اور اپنے بچوں کو بھی چھوٹی عمر سے اس بات کا
عادی بنا بیماری کے لئے اپنے نفس پر تکلیف دہ اشیاء کا احترام کر لینا

سُنتِ انبیاء ہے (الا ما حرم اسرائیل علےٰ نفسہٖ) اور یہ تقویٰ کی جڑ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں ؎

کہ بد پرہیز بیمارے نہ بیند رُوئے صحت را

انبیاء سوائے اذنِ الٰہی کے کبھی بد پرہیزی نہیں کرتے۔ اسی لئے وہ کامل متقی بھی ہوتے ہیں ؛

(۱۱) تقویٰ کی دو حدیں

اے عزیز! تقویٰ یعنی خوفِ خدا کی دو حدیں ہیں اور مومن کو ہمیشہ دونوں کی طرف نظر رکھنی چاہئے۔ کم سے کم حد یہ ہے کہ انسان اپنی طاقت۔ علم سمجھ اور حالات کے مطابق انتہائی تقویٰ اختیار کرے یہ توفاتقوا اللہ ما استطعتم ہے۔ اس سے کم درجہ کا تقویٰ اللہ تعالےٰ کی شان اور عظمت کے مطابق ہو۔ اتقوا اللہ حق تقاتہٖ والا تقویٰ ہے۔ پس جو کوئی کم سے کم شرط کو پُورا کریگا اس کے لئے دُوسری شرط کا راستہ بھی کُھلتا جائیگا۔

اے عزیز! ضمناً یہ بھی یاد رکھ کہ تقوےٰ کے معنے واقعی خوف اور ڈر کے ہیں۔ آجکل لوگ عموماً ان معنوں سے کتراتے ہیں۔ بیشک سب معنے اعلےٰ اور عمدہ ہیں۔ مگر تقویٰ کے ہر پہلو کی بُنیاد اور اصل خدا کا خوف ہی ہے، دُنیا میں اکثر کام خوف کی وجہ سے ہی چلتے ہیں۔ اور تھوڑے ہیں جو صرف محبت کی وجہ سے اور عام لوگ زیادہ تر نقصان کے خوف سے اطاعت اختیار کرتے ہیں نہ کہ شکر و محبت کی وجہ سے۔

پس تُو "خوف" اور "ڈر" کے لفظ سے نہ گھبرا۔ بلکہ اُسی ذات کی ناراضگی کا خوف۔ استغنا کا خوف۔ قصوروں پر گرفت اور سزا کا خوف۔

ان سب کو اپنے دل میں جگہ دے تا کہ تُو سچا متقی بنے۔ پھر محبت و عشق کا حصّہ بھی تجھے ملیگا۔ کیونکہ متقی اپنے تقویٰ کے ذریعہ سے ہی محسن بنتا ہے۔ یاد رکھ کہ اس دربار کا یہی دستور ہے کہ بغیر خوف کی تلخی چکھائے عشق کا مزا نہیں چکھاتا"

(۱۲) تقویٰ کی باریک راہیں

تقویٰ کی راہوں سے ناواقفیت کی وجہ

ایک مسلمان کے لئے پہلا یا ابتدائی راستہ خدا تعالےٰ سے ملنے کا جو شریعت نے تجویز کیا ہے۔ وہ تقویٰ ہے۔ یعنے خدا کے خوف کی وجہ سے گُناہوں سے بچتے رہنا۔ اس سے اگلا اور اعلےٰ راستہ محسن بننے کا ہے۔ یعنی وہ طریقہ جس میں خدا کی محبت اور عشق کی وجہ سے مومن نیکیوں میں ترقی کرتا ہے۔ یہ تقویٰ کا لفظ ہماری جماعت کے بچہ بچہ کے زبان سے سُنا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ احمدی جماعت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔ اور بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ واقعی یہ جنس گرانقدر دُنیا میں آجکل اور کسی جگہ دستیاب نہیں ہوسکتی۔ مگر باوجود اس لفظ کے کثرتِ استعمال اور کثرتِ تذکیر کے پھر بھی جو حق اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا تھا۔ وہ ادا نہیں ہُوا۔ اور تقویٰ کی باریک راہوں کا تو کیا ذکر اس کی شاہراہ یا موٹی موٹی راہوں سے بھی بعض لوگ ناواقف نظر آتے ہیں۔ اور یہ صرف اس لئے کہ اجمال تو موجود ہے۔ مگر تفصیل کا علم نصیب نہیں ہُوا۔ کیوں نصیب نہیں ہُوا؟ اس لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام کی صحبت زیادہ نہیں ملی۔ اور ان مقدس لوگوں کے طریق عمل کو غور سے نہیں دیکھا گیا۔ اور احمدیت کے لئے صرف بیعت کے ایک خط یا قدرے لٹریچر کے مطالعہ کو مکتفی سمجھ لیا گیا۔

بازبادہ سے زیادہ جلسہ اور کانفرنس پر حاضر ہونا بالکل کافی خیال کر لیا گیا۔ برخلاف اس کے جس کسی کو یہ سعادتِ صحبت حاصل ہو گئی۔ اس پر تو پھر خود بخود معرفت کے دروازے کھلنے شروع ہو جاتے ہیں اور تقویٰ کی موٹی راہوں کے طے کرنے کے بعد باریک راہوں کے لئے اللہ تعالےٰ ایسے بندوں کو براہ راست اپنی تربیت میں لے لیتا ہے اور ایک رَدِ معرفت اور علم لدنی کی ہر ضروری امر کے متعلق ان کے دل و دماغ میں آسمان کی طرف سے جاری ہو جاتی ہے۔ اور جو امر خلافِ تقویٰ ہوتا ہے۔ اس سے انہیں روک دیا جاتا ہے۔ اور جو موافقِ تقویٰ ہوتا ہے۔ اس کی تحریص یا اجازت مل جاتی ہے۔ اسوقت بندہ کی حالت اس دُنیا سے اتنی ارفع اور ربتہ ہو جاتی ہے۔ کہ دُنیا کی عقلوں میں جو اعمال یا خیالات معمولی و بے ضرر ہوتے ہیں۔ وہ ان میں خطرہ اور ہلاکت دیکھتا ہے اس کی دو کی جگہ چار آنکھیں ہو جاتی ہیں۔ اور جو بات عوام کے لئے نیکی ہوتی ہے۔ وہ اس کے لئے بعض اوقات بدی میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور ایسی نمائشی نیکی سے وہ اسی طرح بچتا ہے۔ جس طرح عام لوگ گناہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اسوقت وہ شخص اس بابرکت وجود کی ظلیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ سے

من تربیت پذیرز ربِّ مہیمن ام

متقی کی بصیرت

مگر اس حالت یا اس سے بڑھ کر کیفیات سے پہلے بھی ایک مبتدی متقی انسان کی خود اپنی بصیرت بہت روشن ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کا فہم خدا کی رضامندی کی راہوں میں بہت تیز ہو جاتا ہے۔ اور جو باتیں عزتگلے عیب اور مخلوقات میں علی الاعلان دائر وسائر نظر آتی ہیں۔ وہ ان سے

پہچنے لگتا ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کے اندر مصنوعی تقویٰ نہیں۔ بلکہ حقیقی تقویٰ کی وہ رُوح موجود ہوتی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ واتقوا اللّٰہ ویعلمکم اللّٰہ یعنی اگر تم بکوشش تقویٰ کو اختیار کر لو گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری تعلیم کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیگا۔ اور پھر تم گمراہ نہیں ہو سکو گے۔ سو وہ حالت ان کو میسر آجاتی ہے۔ ہاں یہ ضروری نہیں۔ کہ ہر شخص کو تفصیلی عقلی دلائل اور براہین کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کے بھی معلوم ہو جائیں البتہ اتنا ضرور ہو جاتا ہے۔ کہ متقی کو امر جائز اور امر ناجائز میں تمیز کرنے کی حس عطا ہو جاتی ہے۔ اور وہ ایک اچھے کام کو ایک بُرے کام سے اسی طرح الگ کر دیتا ہے جس طرح ایک جوہری سچے موتیوں کو جھوٹے موتیوں سے۔ اور ایسا انسان خدا تعالیٰ کی نافرمانی کو بظاہر عمدہ اعمال کے اندر اسی طرح سُونگھ لیتا ہے۔ جس طرح ہم مُردار کی بدبُو کو۔

تقویٰ کی باریک راہوں پر عمل کرنے کے معنے

اب میں اصل مطلب کی طرف آتا ہوں وہ یہ کہ مثالوں سے تقویٰ کی بعض باریک باتوں کا ذکر کروں۔ جن سے شائقین کو کچھ علم اس راہ کا ہو۔ حقیقتاً یہ باتیں بہت باریک نہیں۔ مگر مبتدیوں کے سمجھنے کے لئے میں ان کو باریک ہی کہونگا۔ کیونکہ موٹے گناہ تو عموماً قتل۔ چوری۔ زنا اور جھوٹ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ اُوپر چل کر خود انہی گناہوں کی اتنی قسمیں اور اتنی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ کہ عام آدمی ان کو تمیز نہیں کر سکتا۔ کہ یہ کوئی گناہ بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ باریک در باریک انہی باتوں کی دُنیا میں اسقدر قیمتی رائج ہو گئی ہیں۔ کہ سوسائٹی میں ان کو کوئی معیوب بات شیاں ہی نہیں کیا جاتا بلکہ وہی شخص عقلمند۔ زیرک اور دُور اندیش مشہور ہو جاتا ہے۔ جو ایسے باریک گناہ دل کھول کر کرتا ہے۔ اور

ایسے ایسے طریقے ایجاد کرتا رہتا ہے کہ وہ ان پر زیادہ سے زیادہ کامیابی سے عمل کر سکے۔ قرآن مجید نے گناہوں کی ان باریک قسموں کی طرف کنایۃً ایک اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتا ہے کہ ولا تقربوا الفواحش ما ظہر منها وما بطن یعنی نہ صرف ظاہری فحشاء سے بچو بلکہ ان بے حیائیوں سے بھی بچتے رہو۔ جو باریک اور مخفی اور دل کے اندر کے خانوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ نہ صرف انسان کے آلات تناسل ہی زنا کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ اس کے کان بھی زنا کرتے ہیں۔ اس کے ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں۔ اس کے پیر بھی زنا کرتے ہیں۔ اس کا دل بھی زنا کرتا ہے۔ غرض اس حدیث میں ایک مشہور اور موٹے گناہ کی شاخوں اور باریک راستوں کو بھی واضح کر کے بتایا گیا ہے۔ اسی طرح اور گناہوں کا حال ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی کے ہاں نقب لگا کر اس کا زیور نکال لینا چوری کہلاتا ہے۔ اسی طرح ایک احمدی طالب علم کے نزدیک امتحان کے پرچہ میں نقل کر لینا بھی چوری ہے۔ اور جس طرح رسّہ گلے میں ڈال کر پھانسی سے مر جانا خودکشی ہے۔ اسی طرح ایک احمدی متقی بیمار کے نزدیک غذا کی ایسی بدپرہیزی کر لینا جس سے بیماری کے بڑھ جانیکا یقینی خطرہ ہو۔ ایک قسم کی خودکشی ہے۔ اور جس طرح کسی انسان کا قتل کر دینا دُنیاداروں کے نزدیک ایک خوفناک جرم ہے۔ اسی طرح ایک احمدی خاوند کے نزدیک بے ضرورت شرعی برتھ کنٹرول پر عمل کرنا بھی اسی ضمن میں کا ایک گناہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اگر زنا کرنا ایک موٹے فہم کے مسلمان کے نزدیک الٰہی نافرمانی ہے۔ تو ایک احمدی نوجوان کے نزدیک علاوہ حلال اور جائز طریقہ کے کسی اور طرح سے اپنی شہوات کو پورا کرنا بھی زنا کے حکم میں داخل ہے

پس تقویٰ کی باریک راہوں پر عمل کرنے کے یہ معنے ہونگے کہ ان گناہوں کو اللہ تعالےٰ کی محبت اور اس کے خوف کی وجہ سے چھوڑ دینا جو زیادہ باریک ہیں اور سرسری اور موٹی نظر والوں یا اہلِ ظاہر کو نظر نہیں آتے۔ اور جن کی بابت دنیاوی عقل تو جواز کا فتوےٰ دے سکتی ہے۔ مگر متقی کا ضمیر ان کی اجازت ہرگز نہیں دیسکتا۔

یاد رہے۔ کہ یہ باتیں عام لوگوں کو صرف اتنا بتا دینے سے سمجھ میں نہیں آجاتیں۔ کہ تم قتل نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ اور جھوٹ نہ بولو۔ بلکہ اسوقت سمجھ میں آتی ہیں جب کچھ باریک تفاصیل بھی ان کو سمجھائی جائیں۔ کیونکہ جس قدر علم انسان کے دماغ میں امثلہ اور تفاصیل سے داخل ہوتا ہے۔ اتنا کبھی مجمل بیانات سے داخل نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں ایک ہی بات کو کئی کئی پیرایوں میں اور نئے نئے سیاق و سباق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کی مختلف شاخوں کو مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں چند نمونے متقیانہ افعال و اعمال کے بیان کرتا ہوں اور مزید تفاصیل خود ناظرین کے اپنے غور و فکر کے لئے چھوڑ دیتا ہوں۔

پہلی مثال

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ایک دفعہ کشمیر تشریف لے گئے ریچھ مارنے کا لائسنس لیا ہوا تھا۔ دورانِ سفر میں ایک ایسی جگہ فروکش ہوئے۔ جہاں احمدیوں کی آبادی تھی۔ وہاں حضور شکار کے لئے ایک پہاڑی جنگل میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے ہانکا شروع کیا۔ ایک مُشک والا ہرن ہانکے سے نکلا۔ اور بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا رائفل حضور کے کندھے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اور نالی شکار کی طرف۔ ہمراہی بیقرار تھے۔ کہ ایسا عجیب نایاب شکار

سامنے کھڑا ہوا ہے کیوں نہیں فائر کیا جاتا۔ حضور نے یک دم رائفل نیچے کرلی وُہ ہرن بھاگ گیا۔ فرمایا کہ اس کا خاص لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے اس پر فائر کرنا جائز نہ تھا گھر واپس ہونے پر بعض لوگ جو ساتھ تھے کہنے لگے۔ کیسا عمدہ شکار سامنے آیا تھا ہم تو کبھی ایسے عمدہ شکار کو نہیں چھوڑا کرتے۔ اگر ایسی احتیاطیں کرنے لگیں۔ تو بس شکار ہوچکا مگر ان بچاروں کو معلوم نہ تھا۔ کہ اگر ایسی احتیاطیں نہ کی جائیں تو بس تقوےٰ ہوچکا۔

دُوسری مثال

میرے ایک بزرگ ہیں۔ ان کے پاس رفتہ رفتہ ۹۰ کے قریب کھوٹے روپے جمع ہوگئے۔ جن میں کچھ تو ایسے کھوٹے تھے۔ جن کا ایک حصہ چاندی کی وجہ سے قابل فروخت تھا۔ اور کچھ ایسے تھے جو محض مصنوعی اور ناکارہ تھے انہوں نے ناکارہ تو سب تالاب میں پھنکوا دیئے۔ اور جو دوسرے تھے۔ وہ بکنے بھیجدیئے اور لے جانے والے سے کہہ دیا۔ کہ انہیں کسی سُنار کے ہاتھ فروخت کرکے انہیں اپنے سامنے اسی سے کٹوا دینا۔ تاکہ پھر بطور سکّے کے نہ چلائے جاسکیں۔ سُنار نے یہ بات مان کر ان کو خرید لیا۔ اور مقررہ قیمت ادا کردی لیکن جب ان کے ملازم نے کاٹنے کا مطالبہ کیا۔ تو سُنار لڑنے لگا کہ جب میں نے مول لے لئے ہیں۔ تو اب تمہارا کیا کام۔ مَیں ان کو ثابت ہی بیچ لونگا مگر انہوں نے نہ مانا۔ آخر واپس لے لئے گئے اس پر سُنار نے کہا کہ اچھا مَیں اس شرط پر کاٹوں گا۔ کہ ان کی قیمت اتنی کم کردو۔ یہ بات انہوں نے فوراً مان لی اور بہت تھوڑی رقم معاوضہ میں لے لی۔ مگر ایک ایک روپیہ کٹوا کر چھوڑا۔ حالانکہ عام لوگ اوّل تو کھوٹا روپیہ خود ہی کوشش کرکے چلا دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوسکے۔ تو کسی ہوشیار آدمی کی معرفت اس کو بازار میں چلوا دیتے ہیں یا دلالوں کے ہاتھ کچھ قیمت پر بیچ دیتے ہیں کہ آگے وُہ اسے چلا دیں

اور بعض ظالم تو جیب میں یا دکان میں ہر وقت ایسے کھوٹے روپے تیار رکھتے ہیں۔ جب کوئی سادہ طبع دیہاتی سودا خریدنے آجاتا ہے۔ تو اس کا اچھا روپیہ لے کر چالاکی سے فوراً اپنا خراب روپیہ اُسے دے کر کہتے ہیں۔ کہ بھائی صاحب یہ آپ کا روپیہ ٹھیک نہیں۔ اسے بدل دیجئے۔ غرض یہ فرق ہے متقی اور غیر متقی میں۔ ایک ان میں سے نعوذ باللہ۔ خدا کو اندھا سمجھتا ہے۔ اور دُوسرا اُسے بینا یقین کرتا ہے۔ پس کیا تم یقین کر سکتے ہو۔ کہ خدا کو اندھا سمجھنے والا اسکی ذات سے کوئی روحانی فیضان حاصل کر سکتا ہے۔

تیسری مثال

ایک شخص کو ڈاک میں ایک خط ملا۔ اتفاقاً اس کے ٹکٹ پر مُہر لگانا یا تو ڈاک خانہ والا ہی بھُول گیا۔ یا لگائی تو کوئی نقش مُہر کا نمودار نہ ہُوا۔ غرض ٹکٹ بالکل کورا رہا۔ اس شخص کے لڑکے نے وہ ٹکٹ اُتار کر اس سے کہا کہ ابا جان۔ دیکھئے یہ ٹکٹ پھر استعمال ہو سکتا ہے۔ اس نے لڑکے سے ٹکٹ لے کر پھاڑ کر پھینک دیا۔ کہ اب ہمارے لئے اس ٹکٹ کا دوبارہ استعمال ناجائز ہے۔ کوئی غیر متقی ہوتا۔ تو اس ٹکٹ کا استعمال نہ صرف جائز سمجھتا۔ بلکہ اپنی ایسی ہوشیاری کو فخریہ بیان کرتا۔

چوتھی مثال

متقی اور غیر متقی دونوں بازاروں اور عام گزرگاہوں اور مجمعوں میں عورتوں کی طرف سے اپنی نظر نیچی رکھتے ہیں۔ مگر جب کسی تنہا جگہ کوئی عورت مُنہ کھولے ہوئے گزرے۔ جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ تو غیر متقی خدا کی طرف سے غضِ بصر کر کے اُس عورت کی طرف ارادی نظر ڈال لیتا ہے۔ مگر متقی ہر ایسے موقعہ پر زیادہ قوت کے ساتھ غضِ بصر پر عمل کرتا ہے۔ کیونکہ اس کو وُہ عورت اکیلی سامنے نظر نہیں آتی۔

بلکہ اس عورت کے پیچھے ایک اور وجود بھی ساتھ ساتھ آتا ہُوا نظر آتا ہے۔ جسے خدائے علیم و بصیر کہتے ہیں ۔

پانچویں مثال

ایک احمدی دوست تھرڈ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں ان کے ایک ملنے والے ریل میں مِل گئے۔ جو سیکنڈ کلاس میں تھے۔ انہوں نے اُنکو بُلا لیا اور ایک دو سٹیشن تک وہ ان کے ساتھ ہی سیکنڈ کلاس میں سوار چلے گئے۔ پھر اپنے ڈبّہ میں آ گئے۔ سفر ختم ہُوا۔ اور وُہ صاحب ٹکٹ دے کر باہر چلے گئے۔ گھر آکر اور حساب کیے انہوں نے وُہ رقم جو ان دو سٹیشنوں کے درمیان سیکنڈ اور تھرڈ کے کرایہ کا فرق تھا۔ ایجنٹ این۔ ڈبلیو۔ آر کے نام بھیج دی۔ اور لکھ دیا کہ ایک ضرورت کی وجہ سے مَیں نے اپنے سفر میں دو سٹیشن تک سیکنڈ کلاس میں سفر کر لیا تھا۔ یہ اس کا کرایہ ارسال ہے یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ تھرڈ کلاس کے مُسافر کو ۲۵ سیر سے زیادہ وزن ارادۃً بغیر تُلوائے اور کرایہ ادا کئے ریل میں لے جانا اور بغیر اجازت سٹیشن ماسٹر کے یا پلیٹ فارم ٹکٹ خریدنے کے سوا چالاکی سے اندر پہنچ جانا اور ہوشیاری کے ساتھ سٹیشن کی دوسری طرف سے باہر نکل جانا ایسے افعال ہیں۔ جن سے ایک متقی شرماتا ہے ۔

چھٹی مثال

ایک ماسٹر صاحب تھے۔ وہ باوجود اس سرکاری حکم کے کہ ٹیوشن بغیر اجازت ہیڈ ماسٹر کے نہ لی جایا کرے۔ خود خُفیہ خُفیہ ایسی ٹیوشنیں لے لیا کرتے تھے۔ ایک شاعر جو کسی اور شاعر کا شعر اپنی غزل میں اپنا کر کے ملا لیتے تھے۔ یا ایک مصنّف صاحب جو دوسروں کی تصنیف کو اپنے مضمون میں بلا تسلیم کرنے مصنّف کے

نام کے شامل کرلیا کرتے تھے۔ ایک بارسوخ طالب علم جو کسی امتحان کے پرچہ کا ناجائز طور پر چند روز پہلے پتہ لگا لیا کرتے تھے۔ ایک وکیل صاحب جو پُورا محنتانہ لے کر بھی پیشی کے وقت غیر حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ ایک ڈاکٹر صاحب جو خصوصاً نوجوان عورتوں کو طبی مشورہ کے وقت سینہ میں لگا کر اور اچھی طرح ٹھوک بجا کر دیکھنا لازمی سمجھتے تھے۔ ایک صاحب جو بغیر جائز حق کے دوسروں کے خطوط کا مضمون پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک مُلاجی۔ جو لوگوں کے سامنے مسجد میں تو بہت سنوار سنوار کر نماز پڑھتے تھے۔ مگر اکیلے میں وہ بات ان سے صادر نہ ہوتی تھی۔ ایک پیشہ ور (مثلاً درزی۔ سُنار۔ لوہار) جو وعدہ کر کے پھر اس وعدہ پر اپنا کام پُورا کر کے نہیں دیتے تھے۔ ایک مُلازم جو اپنی تنخواہ کے وقت تو پُوری رقم کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔ مگر خود کام کرنے کے وقت باریک محاسبہ نہیں رکھتے تھے۔ کہ آیا میں معاہدہ کے مطابق چل رہا ہوں۔ یا کچھ غفلت کر رہا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ ایسے سب لوگ دُنیا داروں کی نظروں میں خواہ بڑے ہوشیار کہلائیں۔ مگر خدا تعالےٰ کے نزدیک وہ متقی ہونے کا امتیازی طرّہ نہیں پا سکتے۔ متقی وُہی ہیں۔ جو ایسے کام نہیں کرتے۔ اور پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے ہیں ؎

ساتویں مثال

ایک شخص جو شہوانی خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ اور نامحرموں کے حسن و شمائل میں اپنے دل کو مشغول کرتا ہے۔ یا اپنے بکس میں حسین عورتوں کی تصاویر کو خزانۂ آرٹ کہہ کر مقفل کر کے رکھتا ہے۔ یا ہمسایہ کے گرموفون میں کسی عورت کے گانے کی آواز کو مزے لے لے کر سُنتا رہتا ہے۔ یا اُمرد اور حسین لڑکوں سے بلا ضرورت صاحب سلامت اس لئے رکھتا ہے۔ کہ ان کا

قُرب اُسے کچھ لُطف دیتا ہے۔ یہ اور ایسی اور ہزاروں باتیں تقویٰ کی جڑ کو کاٹ ڈالنے والی ہیں۔ گو وُہ آجکل کی تہذیب کا ایک جزوِ اعظم بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایک ایسا شخص جو جسمانی صفائی سے لاپرواہ ہے۔ اس کے جسم سے بدبُو آتی ہے اور اس کے کپڑے گندے رہتے ہیں ناپاک چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا۔ اپنے دانت صاف نہیں رکھتا۔ جس کی وجہ سے اس کے مُنہ سے بدبُو آتی ہے، کچا لہسن یا پیاز یا مُولی یا ہینگ کھا کر مسجد میں آجاتا ہے۔ اور نمازیوں کو ایذا دیتا ہے۔ کوئی قابلِ تعریف متقی نہیں ہے۔

آٹھویں مثال

وہ شخص جو اپنے جسم کو خدا کی امانت نہیں سمجھتا۔ اور اپنی صحت اور قویٰ کو خدمتِ دین کے لئے درست رکھنے کی طرف سے لاپرواہی کرتا ہے۔ عادی بدپرہیز ہے جائز اور حلال لذّتوں میں منہمک رہتا ہے۔ وقت جیسے قیمتی متاع کو ضائع کرتا ہے۔ بہت ہنستا ہے۔ غُربت بیماری یا زمانہ کی شکایت کرتا رہتا ہے یا اکثر رنجیدہ رہتا ہے۔ اور جماعت پر عموماً بدظن رہتا ہے۔ نہایت خشک مزاج ہے۔ معمولی تکالیف پر بے صبری ظاہر کرتا ہے۔ اور تھوڑی نعمت کو حقیر سمجھ کر اس کا شُکر ادا نہیں کرتا۔ وہ ابھی تقویٰ کی باریک راہوں سے دُور ہے چہ جائیکہ باریک تر اور باریک ترین راہوں کا واقف سمجھ جائے۔

نویں مثال

ایک شخص جو کسی بُری بات کو اس لئے چھوڑتا ہے۔ کہ لوگ اس بات کو بُرا سمجھتے ہیں وہ اس بات میں متقی نہیں ہے۔ بلکہ متقی وہ ہے۔ جو ترکِ معاصی صرف خدا تعالےٰ کے خوف سے کرے۔ یعنی اس لئے کہ اللہ تعالےٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔ وہ علیم بذات الصدور ہے۔ وہ سب سے زیادہ

محبت اور عزت کے قابل ہے۔ اس نے اس بات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ کہ اگر میں یہ کام کرونگا۔ تو اس ذات والا صفات سے میرا تعلق کم ہو جائیگا۔ اس یقین کی وجہ سے کسی گناہ کی بات سے پرہیز کرنے والا اصلی متقی ہے۔ بدی کو بدی سمجھ کر ترک کرنا یا نیکی کو نیکی کی وجہ سے اختیار کرنا یہ دہریوں اور یورپین فلاسفروں کا کلیہ ہے جسے ایک مسلمان فلاسفر کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتا۔ مسلمان اگر بدی سے بچتا ہے تو صرف خدا کے خوف کی وجہ سے۔ اور نیکی کرتا ہے۔ تو صرف خدا کی محبت کے سبب سے نہ کہ دہریوں کی طرح اپنے دُنیاوی فائدہ کے لئے یا اپنے نفس کو لُطف اور لذت دینے کے لئے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے کھانے پینے کی اشیاء کی طرح نیکی کے اندر بھی ایک بڑی لذت رکھی ہے ؂

دسویں مثال

ایک لیکچرار لیکچر دے رہا ہے۔ اس نے اپنا مضمون خوب تیار کیا۔ اور خوب اچھی طرح پُورا سُنا دیا۔ مگر خاتمہ پر حاضرین سے اس نے یہ کہا۔ کہ "صاحبان وقت تنگ ہو گیا ہے میری طبیعت اچھی نہیں۔ اِس لئے میں اس مضمون کو پُورا تیار نہیں کر سکا۔ اور اب بھی اس کا بہت سا حصہ باقی ہے (حالانکہ اس کے ذہن میں قطعاً کوئی حصہ باقی نہیں ہے۔ اور اس نے تیاری بھی پُوری کر لی تھی) مجبوراً اپنا لیکچر ختم کرتا ہوں۔ اور آپ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہُوں" یہ فقرہ ایک باریک بین متقی کبھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ تو ان الفاظ کو غلط اور ناجائز جان کر ان سے اجتناب کرے گا ؂

گیارھویں مثال

چونکہ بعض گُناہ صرف دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس لئے اپنے دل میں کسی کی نسبت مخفی حقارت۔ بدظنی۔ عداوت یا نفرت رکھنا۔ جسمانی نقائص۔

ذات اور قوم کے سبب سے یا علم وعقل اور مال و دولت کی کمی کی وجہ سے کسی کو اونٰے اور ذلیل سمجھنا۔ کسی کا قصور معاف کرنے کے بعد بھی اس سے کدورت رکھنا بدخواہی۔ چغلی یا عیب چینی کرنا۔ مجاہے بجاہے ریاکاری کا مظاہرہ لوگوں کے سامنے کرتے رہنا۔ تمسخر یا دلآزاری یا طعن کی صورت میں کسی سے بظاہر اچھا کلام کرنا۔ ایسی مجلسوں میں دلچسپی محسوس کرنا جہاں خدا رسول کے ارشادات کے مخالف باتیں یا دین پر مخفی استہزاء ہوتا ہو۔ علم کو اپنی نفسانی بڑائی کا ذریعہ بنانا۔ دین کی آڑلے کر ایسی حرکات کرنا جو مومن کے وقار کے شایاں نہ ہوں۔ مثلاً نماز کے سامنے سے گذرنے والے کو بجائے ہاتھ کے اشارہ سے روک دینے کے دو قدم آگے بڑھ کر اس زور اور اس جوش سے چھاتی میں مُکہ مارنا کہ اُسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ نفس کے تمام سفلی جذبات اور کج اخلاقیوں پر نظر نہ رکھنا۔ اور جس بات میں ذرا بھی شبہ ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔ اس کے ترک کرنے میں ایسی تکلفات کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں باریک بین متقیوں کی شان سے بعید ہیں۔"

محسنِ حقیقی کو پسند آنے والی ادائیں

ممکن ہے۔ کہ بعض لوگ ان سطور کو پڑھ کر ہنس دیں۔ کہ یہ تو معمولی درعامیانہ باتیں ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہی وہ ادائیں ہیں جنکو محسنِ اعلیٰ پسند فرماتا ہے۔ اور یہی وہ تقویٰ کی آن ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے انعام اس قدر دانِ حقیقی کی درگاہ سے عطا ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ کیفیت ہے۔ جس کا نتیجہ کبھی بھی نقصان کی شکل میں ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسا انسان دین اور دُنیا دونوں میں ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا نتیجہ نہ صرف آخرت میں مغفرت اور جنت ہے۔ بلکہ دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے متقی کو علم و معرفت۔ مصائب سے نجات اور غیبی رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ہی کہا ہے۔ کہ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً

ویرزقہ من حیث لا یحتسب دیکھو میں ذرا سے باریک تقوے پر ایک عظیم الشان اجر ملنے کا نظارہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ بعض لوگوں کے اصرار پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے کسی اخلاقی مسئلہ میں مباحثہ کا ارادہ کیا۔ لیکن بحث سے پہلے جب ان کے متعلقہ عقائد تفصیل سے سُنے۔ تو فرمایا۔ کہ مولوی صاحب کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں۔ کہ قابلِ اعتراض ہو۔ اور خالصتاً للہ اس بحث کو ترک کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اُس رات خداوند کریم نے اپنے الہام میں اس ترک بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ

"تیرا خدا تیرے اِس فعل سے راضی ہُوا۔ اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے"۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ کہ ناظرین کے لئے یہ صرف چند نمونے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ہر ارادہ اور ہر عمل کے وقت تقوے اور غیر تقوے کی بحث آپڑتی ہے۔ اور انسان کو اپنے ہر حرکت اور سکون پر نگاہ رکھنی پڑتی ہے۔ تب ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کی زندگی پر ایک تغیّر آجاتا ہے۔ اور وُہ ایک نئی زندگی اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ اور اس کا پُرانا وجود مر کر ایک نیا وجود اس کی جگہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہی تقوے کا مقصد ہے۔

آخر میں میں ایک یہ بات بیان کرنی ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ وہ لوگ جو ہمیں بظاہر نیک اور متقی نظر آتے ہیں۔ ان کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم تو ٹھگوں کی ہے۔ جو حقیقتاً بد ہیں۔ اور نیکی دکھا کر لوگوں کو دھوکہ دینا اور ٹھگنا ان کا پیشہ ہے۔

دُوسری قسم ان کی ہے۔ جو دُنیا کو خوش رکھنے کے لئے معروف قسم کی نیکیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ خُدا کے نیک نہیں بلکہ دُنیا کے نیک ہیں۔

تیسری قسم میں وہ رنگ داخل ہیں جو واقعی دین کے لئے آئے اور نیک اور صالح ارادے رکھتے تھے۔ مگر پھر روپیہ دیکھا۔ دُنیا کے زرق برق سامانوں اور جاہ و تنعم کے مزے چکھے اور آخر کار پھسل گئے۔

چوتھے اور قابلِ ستائش اور قابلِ تقلید وہ سعید لوگ ہیں۔ جو خدا کیلئے نیک بنے۔ پھر انہوں نے خدا سے ہی مدد مانگی۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی محض اپنے فضل سے ان کی دستگیری کی اور ان کو نہ چھوڑا۔ جب تک کہ وہ اس دُنیا سے گذر نہیں گئے۔ پس یہی وُہ لوگ ہیں۔ جن کی دوستی کو لازم پکڑنا چاہئے۔ اور ایسا بننے کے لئے جتنی فرصت بھی ملے۔ حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام کی صحبت اور قُرب میں آکر رہنا چاہئے۔ تاکہ زندہ خدا کے زندہ نشانات سے کچھ حصّہ ملے۔ ایمان مضبوط ہو۔ تاریکیوں کے پردے پھٹ جائیں۔ تقویٰ کی باریک راہیں سُوجھنے لگیں۔ اور انسان کا خاتمہ اس کے مالک کی مرضی کے مطابق ہو۔ آمین ⁂

لَمعات

۱

حمد باری تعالےٰ

از حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدءُ الانوار کا   بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہو گیا   کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے   مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف   جسطرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں   ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تُو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک   اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص   کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

تیری قُدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں   کس سے کھل سکتا ہے پیچ اِس عُقدۂ دشوار کا

خُوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی   ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اس تری گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے   ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب / ورنہ تھا قبلہ ترا رخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز / جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غم اغیار کا
تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں / تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا / جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

(۲)

دنیا کی حرص و آز میں یہ دل ہیں مر گئے / غفلت میں ساری عمر بسر اپنی کر گئے
اے سونے والو جاگو کہ وقت بہار ہے / اب دیکھو آکے در پہ ہمارے وہ یار ہے
کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا / لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا
اس رخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدعا / جنت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا
اے حب جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں / اس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں
دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر / سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر
اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے / اک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے
اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے / پھر دفن کر کے گھر میں تاسف سے آئیں گے

اے لوگو! عیشِ دُنیا کو ہرگز وفا نہیں کیا تم کو خوفِ مرگ و خیالِ فنا نہیں
سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے کس نے بُلا لیا وُہ سبھی کیوں گزر گئے
وُہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

ڈھونڈو وُہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دَنی خُدا کی اطاعت میں خاک ہو

(۳)

کہاں تک حرص و شوقِ مالِ فانی اُٹھو ڈھونڈو متاعِ آسمانی
کہاں تک جوشِ آمال و امانی یہ سَو سَو چھید ہیں تُم میں نہانی
تو پھر کیونکر ملے وُہ یار جانی کہاں غربال میں رہتا ہے پانی
کرو کچھ فکرِ ملکِ جاودانی یہ مُلک و مال ہے جھُوٹی کہانی
بسر کرتے ہو غفلت میں جوانی مگر دل میں یہی ہے تُم نے ٹھانی
خُدا کی ایک بھی تُم نے نہ مانی ذرا سوچو یہی ہے زندگانی
کرو توبہ کہ تا ہو جائے رحمت دکھاؤ جلد تر صدق و انابت

کھڑی ہے سر پہ ایک ایسی ساعت
کہ یاد آجائے گی جس سے قیامت

(۴)

ملکِ رُوحانی کی شاہی کی نہیں کوئی نظیر — گو بہت دُنیا میں گذرے ہیں امیر و تاجدار

داغِ لعنت ہے طلب کرنا زمیں کا عزّ و جاہ — جس کا جی چاہے کرے اِس داغ سے تن فگار

کام کیا عزت سے ہم کو شہرتوں سے کیا غرض — گر وہ ذلّت سے ہو راضی اس پہ سو عزت نثار

ہم اُسی کے ہو گئے ہیں جو ہمارا ہو گیا — چھوڑ کر دُنیائے دُوں کو ہم نے پایا وہ نگار

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرشِ ربّ العالمیں — قُرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اُترا مجھ میں یار

دوستی بھی ہے عجب جس سے ہو آخر دوستی — آ ملی اُلفت سے اُلفت ہو کے دو دل پر سوار

دیکھ لو میلِ محبت میں عجب تاثیر ہے — ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں — طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار

اُس کے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے — کیمیا ہے جس سے ہاتھ آ جائے گا زر بے شمار

تیرِ تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں
تیر اندازو نہ ہونا سُست اس میں زینہار

(۵)

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو — کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو — اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

شوخی و کبر دیوِ لعیں کا شعار ہے آدم کی نسل وہ ہے کہ جو خاکسار ہے

اے کرمِ خاک چھوڑ دے کبر و غرور کو زیبا ہے کبر حضرتِ ربِّ غیور کو

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولا اسی میں ہے

تقویٰ کی جڑ خدا کے لئے خاکساری ہے عفت جو شرطِ دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں تقویٰ کی راہ سے وہ بہت دور جاتے ہیں

بے احتیاط ان کی زباں وار کرتی ہے اک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے

اک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں پھر شوخیوں کا بیج ہر اک دل میں بوتے ہیں

کچھ ایسے سو گئے ہیں ہمارے یہ ہم وطن اٹھتے نہیں ہیں ہم نے تو سو سو کئے جتن

سب عضو سست ہو گئے غفلت ہی چھا گئی قوت تمام نوکِ زباں میں ہی آ گئی

یا بدزباں دکھاتے ہیں یا ہیں وہ بدگماں باقی خبر نہیں ہے کہ اسلام ہے کہاں

تُم دیکھ کر بھی بد کو بچو بد گماں سے　　ڈرتے رہو عقابِ خدائے جہاں سے

شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا　　شاید وُہ بد نہ ہو کہ تمہیں ہے جو بدنما

شاید تمہارے فہم کا ہی کچھ قصور ہو　　شاید وُہ آزمائشِ ربِّ غفور ہو

پھر تم تو بدگمانی سے اپنی ہوئے ہلاک　　خود سر پہ اپنے لے لیا خشمِ خدائے پاک

گر ایسے تم دلیریوں میں بے حیا ہوئے　　پھر اتقا کے سوچو تو معنے ہی کیا ہوئے

مُوسےٰ بھی بدگمانی سے شرمندہ ہو گیا　　قرآں میں خضر نے جو کیا تھا پڑھو ذرا

بندوں میں اپنے بھید خدا کے ہیں صد ہزار　　تُم کو نہ علم ہے نہ حقیقت ہے آشکار

پس تُم تو ایک بات کے کہنے سے مر گئے　　یہ کیسی عقل تھی کہ براہِ خطر گئے

بدبخت تر تمام جہاں سے وُہی ہُوا　　جو ایک بات کہہ کے ہی دوزخ میں جا گرا

پس تُم بچاؤ اپنی زباں کو فساد سے　　ڈرتے رہو عقوبتِ ربّ العباد سے

دو عُضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائیگا　　سیدھا خُدا کے فضل سے جنّت میں جائیگا

وُہ اِک زباں ہے عُضو نہانی ہے دُوسرا

یہ ہے حدیثِ سیّدنا سیّد الورےٰ

اعمال صالحہ

عفت۔ نیکیوں میں سے ایک بہت بڑی نیکی عفت یعنی پرہیزگاری ہے۔ جس کے حصول کے کئی ایک طریق ہیں۔ مثلاً (۱) غض بصر کیا جائے اور نامحرم پر نظر ڈالنے سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔ (۲) کانوں کو بھی نامحرموں کی آواز سے حتی الامکان دُور رکھنا چاہیئے۔ اور گانے بجانے اور اس کے سننے سے پرہیز کیا جائے۔ (۳) نامحرموں کے متعلق باتیں نہ سنی جائیں (۴) مجرد کو نکاح کر لینا چاہیئے۔ (۵) نفلی روزے رکھے جائیں۔ (۶) ان تمام مقامات سے اپنے کو بچایا جائے جن میں اس فعل بد کا اندیشہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ لا تتبعوا خطوات الشیطان۔ کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ اس کا ہر قدم تمہیں نیکی سے دُور لے جائیگا۔

مواخات۔ ایک نیکی مؤاخات یعنی آپس میں بھائی بن کر رہنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے لوگو! آپس میں بغض نہ رکھو۔ حسد نہ کرو۔ دوستی اور محبت منقطع نہ کرو اور اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار بندے اور باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن رات سے زیادہ ملنا جلنا ترک کرے۔

احسان۔ ایک نیکی احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے احسن کما احسن اللہ الیک۔ جس طرح خدا نے تم پر فضل کئے۔ اسی طرح تمہارا بھی کام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا مظہر بنتے ہوئے انہیں فیض پہنچاؤ۔ ہر کام کا معاوضہ طلب کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں۔ آنریری خدمات سر انجام دینا۔ لوگوں

کو مفت تعلیم دینا۔ مفت علاج معالجہ کرنا۔ مصیبت کے وقت راستہ بتانا۔ محتاجوں کی خفیہ مدد کرنا۔ یہ سب نیکیاں ہیں جن کے حصول کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

عیادت مریض۔ ایک نیکی مریض کی عیادت کرنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ایک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے۔ تو واپس آنے تک بہشت کی میوہ خوری میں رہتا ہے۔ ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ عیادت کرنے والے کے لئے ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک دعا میں کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر وہ پچھلے پہر عیادت کرے تو صبح تک وہ اس کے لئے دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے کہیگا کہ میں بیمار تھا۔ مگر تم نے میری عیادت نہ کی۔ وہ عرض کرینگے۔ اے خدا! تو کب بیمار ہوا کہ ہم تیری عیادت کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا۔ میرا فلاں بندہ بیمار تھا۔ اگر تم اس کی عیادت کو جاتے۔ تو گویا تم میرے پاس آتے۔ مگر چونکہ تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اس لئے تم نے اسے نہیں۔ بلکہ مجھے دکھ پہنچایا ہے۔ غرض یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے جس کا بنی نوع انسان کے ساتھ تعلق ہے۔

پڑوسی کے حقوق۔ ایک نیکی یہ ہے کہ پڑوسی کے حقوق ادا کئے جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جبریل مجھے ہمیشہ ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کے متعلق تاکید کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے سمجھا۔ شاید پڑوسی کو بھی وارث قرار دے دیا جائیگا۔

ایک دفعہ فرمایا۔ جب تم ہنڈیا پکاؤ۔ تو شوربا زیادہ کیا کرو۔ اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھا کرو۔ ایک دفعہ فرمایا۔ وہ شخص ہرگز مومن نہیں۔ ہرگز مومن نہیں۔ عرض کیا گیا۔ کون یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ جس کی ایذا رسانی سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں۔ فرمایا۔ اے مسلمان بیبیو۔ کوئی اپنی ہمسائی کی تحقیر نہ کرے۔ اگرچہ وہ بکری کا کھر ہی بطور تحفہ کیوں نہ بھیجے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تاکید اس امر کی متقاضی ہے کہ ہمسایوں کا خیال

رکھا جائے اور ہر طرح کی امداد کی جائے

صبر۔ خدا اور رسول نے صبر کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ اور صبر یہ ہے کہ جب کوئی قضا و قدر کے ماتحت مصیبت آئے۔ تو انسان اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔ اور بے صبری اور خدا تعالیٰ کے متعلق شکوہ کے کلمات اپنی زبان پر نہ لائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ میرے اس بندے کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔ جس کا کوئی پیارا میں نے دنیا سے اٹھا لیا۔ مگر اس نے ثواب کی اُمید پر صبر کیا۔ اسی طرح فرمایا۔ مومن مرد اور مومن عورت کے نفس اور اولاد و مال پر کوئی نہ کوئی مصیبت رہتی ہی ہے تا کہ صبر کے صلہ میں قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی حالت میں حاضر ہو کہ اس کا کوئی گناہ نہ رہو۔ آپ نے فرمایا۔ ایک مسلمان کو کانٹا تک نہیں چبھتا مگر اس کے عوض اس کے گناہ اس طرح دُور کئے جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے گر جاتے ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا۔ ایک مسلمان کو نہ کوئی مرض ہوتا ہے اور نہ کوئی غم۔ مگر اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دُور کر دیتا ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ آپ نے ایک عورت کو دیکھا جو ایک قبر پر کھڑی رو رہی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عورت صبر کر۔ وہ کہنے لگی۔ تجھے کیا پتہ مجھ پر کتنی بڑی مصیبت آئی ہے۔ بعد میں اُسے کسی نے بتایا کہ یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ یہ سن کر آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ یا رسول اللہ۔ مجھے معاف فرمایئے۔ میں نے حضور کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ صبر تو وہی ہے جو اس وقت کیا جائے۔ جب صدمہ پہنچے۔ رو دھو کر تو خاموش ہونا ہی پڑتا ہے۔

پردہ پوشی۔ ایک نیکی یہ ہے کہ کسی کے ذاتی عیب پر حتی الامکان پردہ ڈالا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کوئی بندہ کسی بندے کی پردہ پوشی نہیں کرتا مگر اللہ

تعالٰے قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریگا۔ جو شخص کسی کا عیب لوگوں میں بیان کرتا پھرتا ہے۔ اسے اس قرآنی وعید سے ڈرنا چاہئے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

محاسبۂ نفس۔ ایک نیکی یہ ہے کہ روزانہ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور دیکھتا رہے کہ اس کا قدم نیکی کے میدان میں ہے۔ یا بدی کے میدان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جسے اپنے عیوب کے فکر نے دوسرے کا عیب بیان کرنے سے روکے رکھا۔

بڑوں کی تعظیم۔ ایک نیکی یہ ہے کہ بڑوں کی تعظیم کی جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے۔ اور بڑوں کی بزرگی اور شرافت کا حق نہ پہچانے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی جوان کسی بوڑھے کا اس کے بڑھاپے کی وجہ سے اکرام نہیں کرتا۔ مگر خدا تعالٰے اس کے بڑھاپے میں بھی اس کا کوئی نہ کوئی اکرام کرنے والا مقرر کر دیتا ہے۔ اسی تعظیم کے پیش نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کو یہ ہدایت دیا کرتے تھے کہ تم میں سے جو بزرگی رکھتے ہیں وہ میرے قریب بیٹھا کریں۔

انکسار اور تواضع۔ ایک نیکی یہ ہے کہ انسان منکسر المزاج ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالٰے نے میری طرف وحی نازل کی ہے کہ تم باہم تواضع رہو۔ یہاں تک کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ظلم اور تعدی کرے۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض دفعہ مدینہ کی بعض لونڈیاں ہاتھ پکڑ کر جدھر چاہتیں لے جاتیں۔ حضرت عائشہؓ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا۔ گھر کے کام کاج میں ہمارا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

مہمان نوازی۔ مہمان کی خاطر تواضع کرنا بھی ایک بڑی نیکی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اس بارہ میں جو کچھ تھا۔ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس گواہی سے ظاہر ہے کہ تقری الضیف۔ آپ مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔

خوش خُلقی۔ ایک نیکی یہ ہے کہ انسان خوش خُلق ہو۔ اور کشادہ پیشانی سے لوگوں سے پیش آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا کہ مومنوں میں باعتبار ایمان کون افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جو خلق میں سب سے اچھا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا۔ قیامت کے دن تم میں سے مجھ کو سب سے زیادہ پیارے اور مجھ سے بہت زیادہ قریب بیٹھنے والے وہی لوگ ہونگے جن کے اخلاق اعلیٰ ہونگے۔ اسی طرح فرمایا۔ قیامت کے دن مومن کی میزان میں کوئی عمل خوش خُلقی سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ ایک دفعہ فرمایا۔ مومنوں میں سے کامل تر ایمان اسی کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جن کا برتاؤ اپنی بیویوں سے اچھا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر نیکی ایک صدقہ ہے۔ اور انہی نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ انسان اپنے بھائی سے کشادہ دلی سے ملے۔

حِلم۔ نیکیوں میں سے ایک نیکی حِلم اور نرمی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو شخص رفق اور نرمی سے محروم ہے۔ اس کو ہر قسم کی بھلائی سے محروم سمجھو۔ ایک شخص نے ایک دفعہ عرض کیا مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا۔ بس تجھے یہی نصیحت کافی ہے کہ تُو غُصّے نہ ہُوا کر۔ اُس نے دوبارہ عرض کیا کچھ اَور۔ آپ نے پھر یہی بات دہرا دی۔

حیا۔ حیا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اور فرمایا حیا میں خوبی ہی خُوبی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ بے حیا انسان نہ دُنیا میں نیک نام ہو سکتا ہے اور نہ دین میں ترقی کر سکتا ہے۔

تمام بدیوں کی ابتداء بے حیائی سے ہی ہوتی ہے۔

راز کی حفاظت۔ ایک نیکی یہ ہے کہ اگر کسی کا کوئی راز معلوم ہو تو اس کا افشا نہ کیا جائے۔ میاں بیوی کے تعلقات چونکہ بالخصوص نازک ہوتے ہیں۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا۔ نہایت بدترین وہ مرد ہے جو عورت کے پاس جائے اور اس کا بھید ظاہر کر دے۔ اور نہایت بدترین وہ عورت ہے جو مرد کے پاس جائے اور صبح اٹھ کر مرد کی باتیں اپنی سہیلیوں میں بیان کرتی پھرے۔

وقار۔ وقار بھی ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح قہقہے مار کر ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کی باچھیں کھل گئی ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب نماز کے لئے جاؤ۔ تو دوڑ کر مت جاؤ۔ آہستگی اور وقار سے چلو۔

آداب مساجد۔ ایک نیکی یہ ہے کہ مساجد کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا۔ یا وہاں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا۔ اور غُل غپاڑہ سے آسمان سر پر اٹھا لینا بہت ناپسندیدہ امور ہیں۔ اجتماع کے مواقع پر اگر میسر آسکے تو خوشبو لگا کر جانا چاہئے۔

رستہ کے آداب۔ رستہ کے آداب کو ملحوظ رکھنا بھی ایک نیکی ہے۔ سلام کا جواب دینا۔ نگاہیں نیچی رکھنا۔ تکلیف دہ چیزیں رستہ سے دُور کر دینا۔ دوکانوں پر بیٹھ کر گندے شعر نہ پڑھنا۔ رستہ میں پاخانہ اور پیشاب نہ کرنا۔ یہ سب امور ایسے ہیں جو گو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے بڑی بڑی قباحتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ رستہ سے تکلیف دہ چیزیں دُور کرنا تو اللہ تعالیٰ کو ایسا پسند ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو محض اس وجہ سے جنت میں سیر کرتے دیکھا کہ اس نے ایک درخت کی ایسی شاخ کو کاٹ

کر الگ کر دیا تھا جس سے گزرنے والوں کو بڑی تکلیف ہوا کرتی تھی۔

جانوروں سے نیک سلوک۔ جانوروں سے نیک سلوک بھی ایک نیکی ہے۔ وفی اموالھم حقٌ للسائل والمحروم میں محروم کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جو سوال نہیں کر سکتے یعنی جانور وغیرہ۔ ان کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ اور انہیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے منہ پر نشان لگانا منع کیا۔ اور پچھلی ران کے اوپر کے سرے پر نشان لگانے کا حکم دیا۔ جس کا آج کل عام طور پر رواج ہے۔

مسواک۔ مسواک کرنے کا بھی اسلام نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا۔ اگر میری امت پر گراں نہ گزرتا۔ تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ آپ کا اپنا طریق یہ تھا کہ جب بھی سو کر بیدار ہوتے مسواک ضرور کرتے۔ مرض الموت تک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کرنا نہیں چھوڑا۔ (الفضل)

نماز باجماعت۔ مجھے قرآن شریف سے یہی معلوم ہوا ہے کہ جس کو نماز باجماعت پڑھنے کا موقع ملے اور وہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز باجماعت کے متعلق اتنی احتیاط فرمائی کہ جس کا بیان ہی نہیں ہو سکتا۔

ایک دفعہ ایک اندھا آپ کے حضور حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے مسجد میں آتے ہوئے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ میرے پاس کوئی ایسا شخص نہیں جو میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد تک پہنچا دے۔ اگر مجھے اجازت ہو تو میں گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔

لیکن جب وہ لوٹ کر چلا تو پھر آپؐ نے اُسے واپس بلایا۔ اور پوچھا کیا تمہارے گھر تک اذان کی آواز پہنچتی ہے؟

اُس نے کہا حضور پہنچتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب اذان پہنچتی ہے تو مسجد میں حاضر ہوا کرو۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جو لوگ عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی جگہ کسی اور کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دوں۔ اور اپنے ساتھ اور آدمیوں کو لے کر ان کے سر پر ایندھن رکھ کر سارے شہر میں سے ان لوگوں کو معلوم کروں جو نماز میں شامل نہیں ہوئے۔ اور پھر آدمیوں سمیت ان کے گھر پھونک دوں۔

دیکھو ایسا رحیم کریم انسان۔ ایسا مشفق و مہربان انسان فرماتا ہے کہ جو جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اُن کو اور ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دوں۔

اس حدیث سے نماز باجماعت کی عظمت کا خوب پتہ لگتا ہے۔ عشاء اور صبح کے وقت آنکھ کھلنی مشکل ہوتی ہے۔ جب ان دونوں وقتوں کے متعلق ایسے تشدد کا اظہار فرمایا تو دوسرے وقتوں کی نمازوں کے باجماعت ادا کرنے کی تاکید آپ ثابت ہو گئی۔ سچی اور حق بات یہی ہے کہ نماز باجماعت پڑھنے کے سوا جماعت بن ہی نہیں سکتی۔ اس لئے تم جہاں تک کوشش اور سعی کر سکو باجماعت نماز ادا کرنے کی پابندی کرو۔ خدا تعالیٰ تمہیں ایسا کرنے کی توفیق دے۔

("برکاتِ خلافت" تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

نماز کو سنوار کر ادا کرو۔ نماز بڑی ضروری چیز ہے۔ اور مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لئے نہیں کہ ٹکریں ماری

جاویں یا مرغ کی طرح کچھ ٹھونگیں مار لیں۔ بہت لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔ نماز خدا تعالیٰ کی حضوری ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ پس نماز بہت ہی اچھی طرح پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف بتادے کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو۔ اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے۔ اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے اور نمازوں میں اپنے دین اور دنیا کے لئے دعا کرو۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام از اخبار الحکم۔ ۹ مئی ۱۹۰۲ء)

دعا۔ چاہئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں خواہ دنیا کا ہو خواہ دین کا۔ خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن نہ صرف خشک ہونٹوں سے بلکہ چاہئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے ہی اترتی ہے۔

تم راستباز اس وقت ہوگے جب کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر کرو۔ اپنا دروازہ بند کرو۔ اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے۔ اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما۔ تب روح القدس تمہاری مدد کرے گی۔ اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کھولی جائیگی۔ اپنی جانوں پر رحم کرو۔ اور جو لوگ خدا سے بکلی علاقہ توڑ چکے ہیں اور ہمہ تن اسباب پر گر گئے ہیں۔ یہاں تک کہ طاقت مانگنے کے لیے وہ منہ سے انشاء اللہ بھی نہیں نکالتے ان کے پیرو مت بن جاؤ۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا خدا تمہاری تمام تدابیر کا شہتیر ہے۔ اگر شہتیر گر جائے۔ تو کیا

کڑیاں اپنی چھت پر قائم رہ سکتی ہیں؟ نہیں بلکہ یکدم گر پڑیں گی۔ اور احتمال ہے کہ ان سے کئی خون بھی ہو جائیں۔ اسی طرح تمہاری تدابیر بغیر خدا کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتیں۔ اگر تم اس سے مدد نہیں مانگو گے اور اس سے طاقت مانگنا اپنا اصول نہیں ٹھہراؤ گے تو تمہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ آخر بڑی حسرت سے مرو گے۔ (از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ذکرِ الٰہی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۙ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔)

ایک عورت کا قصہ مشہور ہے کہ وہ کسی پر عاشق تھی۔ اس نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے پھیر رہا ہے۔ اس عورت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ میں اپنے دوست کو یاد کرتا ہوں۔ عورت نے کہا کہ یار کو یاد کرنا اور پھر گن گن کر۔

درحقیقت یہ بات بالکل سچی ہے کہ یار کو یاد کرنا ہو۔ تو پھر گن گن کر کیا یاد کرنا ہے۔ اور اصل بات یہی ہے کہ جب تک ذکر الٰہی کثرت سے نہ ہو۔ وہ لذت اور ذوق جو اس ذکر میں رکھا گیا ہے۔ حاصل نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ۳۳ مرتبہ فرمایا ہے۔ وہ آنی اور شخصی بات ہوگی۔ کوئی شخص ذکر نہ کرتا ہوگا تو آپ نے اسے فرما دیا کہ ۳۳ مرتبہ کر لیا کر۔ اور یہ جو تسبیح ہاتھ میں لے کر بیٹھتے ہیں۔ یہ مسئلہ بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سے آشنا ہو تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ آپ نے کبھی ایسی باتوں کا التزام نہیں کیا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا تھے۔ انسان کو تعجب آتا ہے کہ کس مقام اور درجہ پر آپ پہنچے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات آپ میرے گھر میں تھے۔ رات کو جو میری آنکھ کھلی تو میں نے آپ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ مجھے خیال گزرا کہ کسی دوسری

بیوی کے گھر ہو نگے۔ چنانچہ میں نے سب گھروں میں دیکھا۔ مگر آپ کو نہ پایا۔ پھر میں باہر نکلی۔ تو قبرستان میں دیکھا کہ آپ سفید چادر کی طرح زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور سجدہ میں گرے ہوئے کہہ رہے ہیں سجد لك رُوحی وجنانی۔ اب بتاؤ کہ یہ مقام اور مرتبہ ۳۳ مرتبہ کی دانہ شماری سے پیدا ہوجاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

جب انسان میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش زن ہوتی ہے۔ تو اس کا دل سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے۔ وہ ذکر الٰہی کرنے میں بے انتہا جوش اپنے اندر پاتا ہے۔ اور پھر گن کر ذکر کرنا تو کفر سمجھتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عارف کے دل میں جو بات ہوتی ہے۔ اور جو تعلق اپنے محبوب و مولا سے اسے ہوتا ہے وہ کبھی روا رکھ سکتا ہی نہیں کہ تسبیح لے کر دانہ شماری کرے۔ کسی نے کہا ہے۔ من کا منکا صاف کر۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے دل کو صاف کرے۔ اور خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرے۔ تب وہ کیفیت پیدا ہوگی۔ اور وہ ان دانہ شماریوں کو ہیچ سمجھیگا۔"

(الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۴ء۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

توکل۔ توکل کے معنی اکثر لوگ بالکل غلط سمجھتے ہیں اور اس لئے طرح طرح کے دکھوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ خدا پر توکل کرنے کے یہ معنی ہیں کہ کام نہ کریں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں جب بھی خدا خود سامان کردیگا۔ مگر یہ بات ان کی صریح غلط ہے۔

کیونکہ خدا تعالیٰ میں سب کچھ طاقت ہے اور وہ اس طرح بھی کر سکتا ہے کہ درحقیقت آسمان پر سے ہی رزق برسا دے اور زمین میں سے بھی نکال دے۔ لیکن یہ اس کی سنّت نہیں ہے۔ اور اُس نے انسان کو اپنے مطالب حاصل کرنے کے لئے یہ راستہ بتایا ہے کہ وہ محنت کرے۔ کوشش کرے۔ اور پھر اُس پر توکل کرے اور اُس سے بہتری کی دعا مانگے۔ تو وہ اُس کے کام کو ضائع نہیں کرتا۔

مثلاً ایک شخص کو کوئی سفر درپیش ہے تو اس کو چاہیئے کہ کچھ زادِ راہ ے سواری کا بندوبست کرے اور پھر خدا پر توکل کرے۔ تو خدا تعالےٰ اُن رکاوٹوں کو جو اکثر سفر میں پیش آجاتی ہیں دُور کر دیگا۔ اور اُس کا سفر بہ آرام طے ہو جائیگا۔

یا ایک شخص ہے جس پر اُس کے دشمنوں نے حملہ کیا ہے۔ تو اس کو چاہیئے کہ اس کے حملہ کا بچاؤ اچھی طرح کرکے خدا پر توکل کرے تو خدا تعالےٰ اُس کو اُس کے دُشمنوں پر فتح دیگا۔ اور اُن کو ذلیل کریگا۔ ورنہ یہ خیال کرنا کہ ہم خدا پر توکل کرکے بیٹھ جاتے ہیں۔ خود بخود آسمان پر سے ایک مائدہ اُتریگا اور بغیر ہاتھوں اور دانتوں کی مدد سے پیٹ میں چلا جائیگا۔ ایک لغو خیال ہے۔ خدا تعالےٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔

اور وہ بڑا سخی ہے۔ اور ہر ایک شخص کو اُس کی ضرورتوں کے مطابق دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انسان کو ان راہوں پر چل کر اپنے مطلب کو پانا چاہیئے۔ جو خدا تعالےٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔ پس توکل کے یہی معنے ہیں کہ انسان مقدور بھر کوشش کرے۔ اور پھر خدا تعالےٰ پر توکل کرے تو وہ اس کی کمزوریوں کو دُور کر دیگا اور اُس کو اپنے مطلب میں کامیاب کریگا۔

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ۔ رسالہ تشحیذ الاذہان ۵ ستمبر ۱۹۰۶ء)

ہاتھ سے کام کرنا اور سوال کرنے سے بچنا۔ دُنیا میں بدترین شخص وہ ہے جو باوجود تندرستی و توانائی کے دُوسروں سے بھیک مانگتا ہے۔ سوال کرنا اور بھیک مانگنا اسلام میں بہت بُرا بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بھی قرآن شریف میں بھیک مانگنے والوں کو پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ صدقہ و خیرات کے در اصل وہ فقیر مستحق ہیں جو ہوں تو فقیر۔ لیکن اپنی غریبی و فقیری کا ڈھنڈورا نہ پیٹیں۔ بلکہ انسان ان کی خود داری کی وجہ سے اُنہیں غنی ہی سمجھے۔ مگر صورت و شکل سے ان کی محتاجی محسوس

ہو۔ یہی لوگ امداد کے مستحق ہیں جو لگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے افضل ہے۔" اوپر والے ہاتھ سے مُراد دینے والا اور نیچے والے سے سوال کرنے والا یعنی لینے والا مُراد ہے۔

بعض اوقات حضورؐ نے اسلام قبول کرنے والے لوگوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد بھی لیا کرتے تھے کہ ہم کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سوال کی مذمت فرمایا کرتے تھے جس کا مجھ پر اتنا اثر ہے کہ اگر سواری پر سے میرا کوڑا گر پڑے تو میں سوال کرنا گوارا نہیں کر سکتا خود اُتر کر اٹھاتا ہوں۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر ایک شخص رسّی لے کر جنگل میں جائے اور وہاں سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے۔ تو یہ اس آدمی سے بہت بہتر ہے جو کسی کے پاس مانگنے جائے اور وہ خواہ اُسے دے یا نہ دے۔" امیر المومنین سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! ذلیل سے ذلیل کام لوگوں سے سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے بہت بہتر ہے۔

ہمارے پیارے آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کام کر کے کمانے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور اس امر کی اپنے اصحاب کو ہمیشہ تلقین فرماتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر ہر روز کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات کرنا فرض ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسُول اللہ! اگر کسی کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو وہ کہاں سے صدقہ کرے؟

فرمایا۔ اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرے اور خود بھی فائدہ اُٹھائے اور صدقہ و خیرات بھی کرے۔ جو شخص اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانا کھاتا ہے۔ اُس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی کے ہاتھوں کو دیکھا جو بہت کھردرے اور سیاہ ہو چکے تھے۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ کیا آپ کے ہاتھوں پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں یارسول اللہ! پتھر پر پھاوڑا چلا کر اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ اس پر ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ محبت سے اُن کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

ہمدردی۔ یاد رکھو! ہمدردی تین قسم کی ہے۔ اوّل جسمانی۔ دوم مالی۔ تیسری قسم ہمدردی کی دُعا ہے۔ جس میں نہ صَرف زر ہوتا ہے اور نہ زور لگانا پڑتا ہے۔ اور اس کا فیض بہت ہی وسیع ہے۔ کیونکہ جسمانی ہمدردی تو اس صورت میں ہی انسان کر سکتا ہے۔ جب کہ اس میں طاقت بھی ہو۔ مثلاً ایک ناتوان مجروح مسکین اگر کہیں تڑپتا ہو تو کوئی شخص جس میں خود طاقت و توانائی نہیں ہے کب اس کو اُٹھا کر مدد دے سکتا ہے۔ اسی طرح پر اگر کوئی بے کس۔ بے سروسامان انسان بھوک سے پریشان ہو تو جب تک مال نہ ہو اس کی ہمدردی کیونکر ہوگی۔ مگر دُعا کے ساتھ ہمدردی ایک ایسی ہمدردی ہے کہ نہ اُس کے واسطے کسی مال کی ضرورت ہے اور نہ کسی طاقت کی حاجت۔ بلکہ جب تک انسان۔ انسان ہے۔ وہ دوسرے کے لئے ہمدردی کر سکتا ہے اور اُس کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس ہمدردی سے انسان کام نہ لے تو سمجھو کہ وہ بہت ہی بڑا بدنصیب ہے۔ (از حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ اخبار الحکم ۹ جولائی ۱۹۰۱ء)

صفائی۔ جو شخص جسمانی پاکیزگی کی رعایت کو بالکل چھوڑ دیتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ وحشیانہ حالت میں گر کر روحانی پاکیزگی سے بھی بے نصیب رہ جاتا ہے۔ مثلاً چند روز دانتوں

کا خلال چھوڑ دو۔ جو ایک ادنیٰ صفائی کے درجہ پر ہے۔ تو وہ فضلات جو دانتوں میں پھنسے رہینگے۔ اُن میں سے مُردار کی بُو آئیگی۔
آخر دانت خراب ہو جائینگے اور اُن کا زہریلا اثر معدہ پر گر کر معدہ بھی فاسد ہو جائیگا۔ خود غور کر کے دیکھو کہ جب دانتوں کے اندر کسی بوٹی کا رگ وریشہ یا کوئی جُز پھنسا رہ جاتا ہے اور اُسی وقت خلال کے ساتھ نہیں نکالا جاتا تو ایک رات بھی اگر رہ جائے تو سخت بدبُو اُس میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی بدبُو آتی ہے۔ جیسا کہ چوہا مرا ہؤا ہوتا ہے۔
ہمیں جس طرح رُوحانی پاکیزگی کی رُوحانی صحت کے لئے ضرورت ہے۔ ایسا ہی ہمیں جسمانی صحت کے لیے جسمانی پاکیزگی کی ضرورت ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری جسمانی پاکیزگی کا ہماری رُوحانی پاکیزگی میں بہت کچھ اثر ہے۔ کیونکہ جب ہم جسمانی پاکیزگی کو چھوڑ کر اُس کے بدنتائج یعنی خطرناک بیماریوں کو بھگتنے لگتے ہیں۔ تو اُس وقت ہمارے دینی فرائض میں بھی بہت حرج ہو جاتا ہے۔ اور ہم بیمار ہو کر ایسے نکمے ہو جاتے ہیں کہ کوئی خدمتِ دینی بجا نہیں لا سکتے۔ (ایام الصلح از حضرت مسیح موعود علیہ السلام ص ۹۶)
لذّاتِ دُنیوی کی طرف مائل ہونے سے بچنا۔ دُنیا کی لذت خارش کی طرح ہے۔ ابتداءً لذت آتی ہے۔ پھر جب کھجلاتا رہتا ہے۔ تو زخم ہو کر اس میں سے خون نکل آتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ اور وہ ناسور کی طرح بن جاتا ہے۔ اور اس میں درد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔
حقیقت یہی ہے کہ یہ گھر نہایت ہی ناپائدار اور بے حقیقت ہے۔ مجھے کئی بار خیال آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی مُردے کو اختیار دیدے کہ وہ پھر دُنیا میں چلا جائے تو وہ یقیناً توبہ کر اُٹھے۔ کہ میں اس دُنیا سے باز آیا۔
خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو تو انسان ان مشکلاتِ دُنیا سے نجات پا سکتا ہے۔

کیونکہ وہ دردمندوں کی دعاؤں کو سن لیتا ہے۔ مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دعائیں مانگنے سے انسان تھکے نہیں تو کامیاب ہوگا۔ اور اگر تھک جائیگا تو نری ناکامی نہیں بلکہ ساتھ بے ایمانی بھی ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالےٰ سے بدظن ہو کر سلب ایمان کر بیٹھیگا۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کہا جائے کہ تو اس زمین کو کھود۔ خزانہ نکلیگا۔ مگر وہ چار پانچ ہاتھ کھودنے کے بعد اُسے چھوڑ دے اور دیکھے کہ خزانہ نہیں نکلا۔ تو وہ اس نامردی اور ناکامی پر ہی نہ رہے گا بلکہ بتانے والے کو بھی گالیاں دیگا۔ حالانکہ یہ اُس کی اپنی کمزوری اور غلطی ہے۔ جو اُس نے پورے طور سے نہیں کھودا۔ اسی طرح جب انسان دعا کرتا ہے۔ وہ تھک جاتا ہے تو اپنی نامرادی اور اپنی سستی اور غفلت پر تو حمل نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالےٰ پر بدظنی کرتا ہے اور آخر بے ایمان ہو جاتا ہے اور پھر دہریہ بن کر مرتا ہے۔

(ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ اخبار الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۲ء)

خودشناسی۔ اپنی لیاقت۔ قدرت۔ قابلیت کے اندازہ کرنے میں انسان کی رائے بڑی خطا کرتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ مجھے اپنا علم جتنا زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی میں خطاؤں۔ گناہوں۔ حماقتوں سے بچونگا۔ میری خودشناسی جتنی زیادہ ہوگی۔ اتنی خدا شناسی بڑھیگی۔ اور اس سے میرے خیال و افعال مجموعۂ مسرّت بن جائینگے۔ مشکل ہے کہ آدمی خودشناس ہو۔

کیونکہ خودپسندی۔ خودشناسی کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی۔ جہاں دیکھو وہاں یہی نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں کی جتنی خود قدر کرتا ہے۔ اتنی اور کوئی نہیں کرتا۔ وہ اپنی خوبیوں کی ایسی تعریف کرتا ہے کہ کوئی اُس کا خیرخواہ بھی اُن کی اتنی ستائش نہیں کریگا۔ یہ خودپسندی جو اُس کے دل میں خیالی نیکیوں کو پیدا کرتی ہے۔ اُس کو لوگ ریاکاری اور تعریف و اعتبار کی جعل سازی جانتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔

کیونکہ جو اس طرح اپنی شہرت پھیلاتے ہیں۔ پہلے وہ خود فریب اور دھوکا کھاتے ہیں پھر اُن کے ساتھ اور لوگ بھی دھوکا میں آجاتے ہیں۔ وہ دانستہ اَوروں کو فریب نہیں دیتے۔ انسان کو اپنی ذات سے ایسی محبت ہے کہ اسے اپنے عیبوں اور برائیوں کا دیکھنا نہایت مشکل ہے۔ انسان اپنے میں اُس نیکی کی عادت کا یقین کرتا ہے۔ جو اس نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ کی ہو۔ مثلاً کسی کنجوس نے ایک دفعہ کچھ روپے خرچ کرکے اپنے کسی دوست کو قید سے بچا لیا ہو تو وہ صرف ایک دفعہ کے سلوک کو یہ جانیگا کہ میری عادت ہے کہ میں دوستوں کے ساتھ دولت سے سلوک کیا کرتا ہوں۔ جب کوئی بخیل پر لعنت ملامت کریگا تو اپنی وہی فیاضی کی مثال پیش کرکے اپنے دل کو راضی کریگا۔ جیسے بعض شیشوں کی خاصیت ہوتی ہے کہ اگر ان کے ایک سرے کو آنکھ سے لگاؤ تو وہ چیزوں کو بڑا کرکے دکھاتے ہیں۔ اور دوسرے کو لگاؤ تو چھوٹا۔ پس ایسے ہی مغالطوں سے برائیاں چھوٹی اور نیکیاں بڑی ہو جاتی ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے میں وہ نیکیاں سمجھنے لگتے ہیں۔ جو اَوروں کو کہنے کے لئے سمجھاتے ہیں۔ فیاضی۔ اعتدال اور ایمانداری کا بیان جب وہ فصاحت سے کرتے ہیں تو جانتے ہیں کہ یہ نیکیاں ہم میں خود ہی پیدا ہو گئیں۔

اس غلطی میں اکثر وہ لوگ پڑتے ہیں جن کا پیشہ نیکیوں کے سکھلانے کا ہے۔ وہ فقط اس بیان پر اکتفا کرکے اپنے چال چلن پر متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ کیسا ہے؟ ایسے آدمیوں کا ایک گروہ ہے کہ وہ اپنے بُرے چال چلن کو مذہبی پیمانے سے نہیں ناپتے بلکہ اور لوگوں کے اطوار سے اگر وہ خراب تر ہیں اور یہ خراب تو اپنے تئیں نیک جانتے ہیں۔ اور اگر وہ دس گُناہ کرتے ہیں اور یہ نَو۔ تو اپنے تئیں بڑا نیک سمجھتے ہیں۔

غرض یُوں ہم اپنے تئیں آپ دھوکا دیتے ہیں۔

سنیکا کا قول ہے کہ موت اُس شخص پر بڑی سخت ہوتی ہے جو اپنے تئیں نہیں جانتا اور بہت سے لوگ اُسے جانتے ہیں۔

آدمیوں کو چاہئے

کہ اپنے تئیں جانیں جس پر تمام نیکیاں موقوف ہیں۔ (مقتبس)

سادہ زندگی۔ انسان کی اصلی زینت سادہ زندگی بسر کرنے میں ہے۔ سادہ زندگی انسان کو محنت کا عادی، جفاکش اور چست و چالاک اور ہوشیار بنا دیتی ہے

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے پاک کلام میں بار بار سادگی کی تلقین فرماتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کی ہر ایک نعمت سے فائدہ اُٹھائیں لیکن افراط اور فضول خرچی سے بے جا خرچ نہ کریں۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ زینت کی چیزیں اور ہر قسم کی حلال نعمتیں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے استعمال کے لئے پیدا کی ہیں کہ وہ کھائیں پئیں لیکن فضول خرچیاں نہ کریں کیونکہ اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے پیارے آقا رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو فضول خرچ اور بیجا تکلف سے بہت نفرت تھی۔ اسی لیے حضور نے ایسی تمام چیزوں کے استعمال سے اپنی اُمت کو منع فرمایا ہے جس سے تکبر غرور اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دُنیا میں ریشم پہنا اُسے آخرت میں ریشم پہننے کو نہیں ملیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید اور سادے کپڑوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی ارشاد فرماتے کہ سفید کپڑے استعمال کرو کہ وہ بہت اچھے اور پاکیزہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ جو شخص شہرت حاصل کرنے کے خیال سے کوئی کپڑا پہنیگا۔ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اُسے ذِلّت اور رسوائی کا لباس پہنائیگا۔ نیز فرمایا کہ ریشم اور سونے کا استعمال میری اُمّت کے مردوں پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

ہمارے پیارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم بہت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ آپ کی بیوی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم گھر کا سب کام خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ اپنی ٹوٹی جوتی خود ہی گانٹھ لیا کرتے۔ اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو خود ہی سی لیا کرتے۔ اپنی بکری کو خود دودھ لیا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام اور حضرت امیر المومنین حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے تھے اور اپنے گھر میں ہر قسم کا کام کاج کرنا سنّتِ نبوی کے مطابق عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے سادگی اور نظافت کی زندہ مثال ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں خاص طور سے حکم دیا ہے کہ ہم سادہ زندگی بسر کریں۔

جماعت احمدیہ کو روحانی اور جسمانی ترقیات کے اعلیٰ مقامات پر پہنچانے کے لئے حضور نے "تحریک جدید" کے نام سے جو نہایت مفید اور اہم مطالبات جماعت سے کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک خاص مطالبہ سادہ زندگی بسر کرنے کا بھی ہے۔ حضور کا حکم ہے کہ ہر احمدی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالے۔ حتّٰی کہ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہر احمدی کو اپنا امتیاز خصوصی بنا لینا چاہیے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ یہ معاملہ بظاہر چھوٹا سا نظر آتا ہے لیکن در اصل یہ اپنے اندر اتنے فوائد اور اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا اندازہ الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کام

کرنے کی عادت ڈالنا نہایت ہی اہم چیز ہے۔ اور لت جماعت کے اندر پیدا کرنا نہایت ضروری ہے۔ تا کہ جو لوگ سست ہیں وہ بھی چست ہو جائیں۔ اور ایسا تو کوئی بھی نہ رہے جو کام کرنے کو عیب سمجھتا ہو۔ جب تک ہم یہ احساس نہ مٹا دیں کہ بعض کام ذلیل ہیں۔ اور ان کو کرنا ہتک ہے یا یہ کہ ہاتھ سے کما کر کھانا ہتک ہے اُس وقت تک ہم دنیا سے غلامی کو نہیں مٹا سکتے۔ لوہار۔ بڑھئی۔ دھوبی۔ نائی۔ غرضیکہ کسی کا کام ذلیل نہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے میں کئی فائدے ہیں۔ سب سے اہم امر یہ ہے کہ اس سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے۔ اور دُنیا سے غلامی مٹتی ہے۔ جب تک دُنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو ہاتھ سے کام کرنے کی عادت نہیں وہ کوشش کریں گے کہ ایسے لوگ دُنیا میں موجود رہیں جو اُن کی خدمت کرتے رہیں۔ اور دُنیا ترقی نہ کرے۔ میری غرض یہ ہے کہ اس امر کو نہایت اہمیت دی جائے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ۔ مارچ ۱۹۳۹ء)

خاموشی۔ قوتِ گویائی۔ یعنی بولنے کی طاقت انسان کے لئے خدا تعالےٰ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ہے۔ اُس کے ذریعہ ہر طرح کی خوبیاں اور قسما قسم کے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ انسان کی حاجتیں پُوری ہوتی اور ساہت دم نکلتے ہیں

لیکن ہر وہ چیز جو اپنی مناسب حدود سے تجاوز کر جائے۔ انسان کے لئے مضر اور نقصان رسانی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس قوت کو صحیح اور موزون و مناسب انداز سے استعمال نہیں کرتے۔ فضول گوئی اور بے معنی باتوں سے دوسروں کی سمع خراشی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اس نعمت خداوندی کے ناجائز استعمال کی وجہ سے ہمیشہ ذلت و رسوائی کا منہ دیکھتے ہیں۔ ان میں فہم و تدبر کا مادہ بہت کم رہ جاتا ہے۔

انشٹ سنٹ فضول گوئی کی وجہ سے لوگ اُنہیں خفت کی نگاہ سے دیکھتے

ہیں۔ اور ان کی باتوں کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ اور اُن کے صلاح و مشورہ پر کوئی کان نہیں دھرتا۔ سمجھدار اور دانا لوگ ہمیشہ ان سے کنی کترانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کم گوئی اور خاموشی میں سلامتی ہے۔ جب انسان کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ تو پھر اسے یہ بھی تمیز نہیں رہتی کہ کس موقع پر بولنا چاہیئے اور کس موقع پر خاموشی اختیار کرنا چاہیئے یا کس قسم کی بات منہ سے نکالنے سے فائدہ یا نقصان پہنچیگا۔ جن لوگوں سے کثرتِ گویائی کی وجہ سے یہ تمیز کی بابرکت صفت چھن جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ذلّت اٹھاتے اور رسوا ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر کلام کو چاندی فرض کر لیا جائے تو چپ رہنا سونا ہے۔ کم گوئی اور خاموشی سے انسان کی دماغی طاقتیں نشو و نما پاتی ہیں ذکاوتِ ذہنی اور قوتِ فہم و ادراک بڑھتی ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ کم بولنا کم کھانا اور کم سونا رُوحانیت کے لیئے مفید ہے۔

خاموشی انسان کے عیبوں کو چھپاتی ہے۔ جب تک آدمی کوئی بات نہیں کرتا۔ اُس کے عیب و ہنر پوشیدہ رہتے ہیں۔ اور اس کی وجاہت پُراثر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن باتیں کرنے سے اس کی ذہنی و دماغی کیفیات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی اندرونی حالت سب پر عیاں ہو جاتی ہے۔ اس لیئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے تئیں ہمیشہ قابو میں رکھے اور خوب سوچ سمجھ کر مطلب کی بات مُنہ سے نکالے۔ ذوقؔ مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ہے ایک جب تن سے انسان دو
کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو قابو میں رکھنے کے

متعلق بہت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑا اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اس کو اپنے قابو میں رکھو۔"

مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو کچھ ہماری زبان سے نکلیگا۔ اس کی بابت ہم سے مؤاخذہ کیا جائیگا؟ فرمایا۔ خدا تمہاری والدہ کو سلامت رکھے۔ یہی زبان تو ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ دوزخ میں اوندھے مُنہ جا پڑینگے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے بہت پیارا اور قیامت کے دن میرا بہت نزدیکی وہ شخص ہے جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں۔ اور تم میں سے میرے مبغوض اور قیامت کے دن دُور ہونے والے وہ ہیں۔ جو بہت کلام کرتے ہیں اور گفتگو کے وقت زبان کو مروڑ مروڑ کر اور منہ بھر بھر کر باتیں کرتے ہیں"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دُہرا کر فرمایا کہ کلام میں مبالغہ سے تکلف کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

بدبخت تر تمام جہان سے وہی ہوا
جو ایک بات کہہ کے ہی دوزخ میں جا پڑا
پس تم بچاؤ اپنی زبان کو فساد سے
ڈرتے رہو عقوبت ربّ العباد سے

پس جہاں تک ہو سکے اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہئے اور جب بھی بات کرنی ہو خوب سوچ سمجھ کر بامعنی اور مطلب خیز کلام کرنی چاہئے۔

اگر ضرورت اور وقت پر بولنا ایک عیب ہے تو بے وقت بولنے میں سَو عیب

ہیں۔ زیادہ بولنے سے انسان جھوٹ۔ غیبت۔ چغلی۔ ریا۔ فریب۔ نفاق بحث کلامی تکرار عیب چینی۔ اپنے تئیں جتلانا۔ دوسرے کی بات کاٹنا۔ بات بدلنا۔ بات کو گھٹانا بڑھانا۔ پردہ دری وغیرہ عیوب میں سے ایک نہ ایک کا خواہ مخواہ مرتکب ہوجاتا ہے۔ اسی لئے داناؤں نے خاموشی کو بولنے پر فضیلت دی ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہاری باتوں کی قدر کریں اور تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور بھی نیکوں میں گنے جاؤ۔ تو زیادہ باتیں نہ بنایا کرو جو بات کرنی ہو خوب سوچ سمجھ کر کرو۔ اور کوشش کرو کہ تمہاری کوئی بات بھی بے معنی اور فضول نہ ہو۔

خاموشی عقل و ذہانت کو بڑھاتی ہے۔ زیادہ باتیں کرنے سے انسان کی قوتِ فکر و فہم میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ جب باتیں کی جاتی ہیں تو دماغ اپنا کام نہیں کرسکتا۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں نہایت لطیف رنگ میں خاموشی کے فوائد پر روشنی ڈالی ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ جماعت کا نوجوان طبقہ عقل و ذہانت سے بہت کم کام لیتا ہے اور انسانی فطرت کا بہت کم مطالعہ کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں جب موقع ملے گپیں مارتے رہتے ہیں۔ اور غور و فکر کی عادت نہیں ڈالتے۔ اور زیادہ گپیں مارنے اور باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سوچ نہیں سکتے کیونکہ جب زبان بولتی ہے تو دماغ کام نہیں کرسکتا۔ اسلام نے ذکر الٰہی کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ جب انسان خاموش ہو تو دماغ کام کرتا ہے۔ جس وقت انسان باتیں کر رہا ہو۔ اُس وقت اُس کے مدِنظر یہ بات ہوتی ہے کہ سننے والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا سامان ہو۔ اس لئے دماغ کو سوچنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن ذکر الٰہی کے وقت چونکہ لوگوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس لئے دماغ کو سوچنے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور ذہن ترقی کرتا ہے۔

لہٰذا زیادہ باتیں کرنا فکر کی عادت کو کم کرتا ہے۔ (خطبہ جمعہ ۱۹ مئی ۱۹۲۹ء)

(مرتب)

راستگوئی۔ ہر ایک شخص پر یہ لازم ہے کہ وہ صداقت کو اختیار کرے۔ اور کسی وقت بھی اسے ترک نہ کرے خواہ کس قدر مشکلات کا سامنا ہو۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ بھی اس کی امداد کرتا ہے۔ سچائی وہ اعلیٰ صفت ہے جس سے انسان دین اور دنیا دونوں میں عزت حاصل کرتا ہے۔ دنیوی امور میں بعض اوقات انسان سچائی کو چھوڑنے اور جھوٹ کو اختیار کرنے سے اگر کوئی فائدہ بھی حاصل کرے تو یہ ایک عارضی چیز ہوتی ہے جو بعد میں جھوٹ کے ظاہر ہو جانے پر ایک مصیبت اور ذلت بن جاتی ہے۔ پس سچ بولنا ایک نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ صفت ہے اور جو لوگ اسے اختیار کرتے ہیں ان کی عزت اور نیکنامی ہوتی ہے۔ اور قومی اور ملی عزت کا اس پر بہت بڑا مدار ہوتا ہے۔ ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ سچائی کو اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے (۱) یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (سورہ توبہ رکوع ۱۵) "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ"

(۲) قال اللہ ھٰذا یوم ینفع الصادقین صدقھم۔ (قیامت کو) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ دن ہے جبکہ سچ بولنے والوں کو ان کا سچ بولنا فائدہ دیگا۔

(۳) واجتنبوا قول الزور۔ جھوٹ بات کہنے سے بچتے رہو۔

قرآن شریف کی تعلیم کی رو سے لازم ہے کہ ہر حال میں سچائی اختیار کی جائے اور سچ کو کسی صورت میں بھی نہ چھوڑا جائے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"اے لوگو۔ تم پر سچ بولنا فرض ہے۔ کیونکہ سچ بولنا نیکی کی طرف رہنمائی کرتا

ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا اور سچائی کے درپے رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صدیق شمار ہوتا ہے۔ اور اے لوگو! تم جھوٹ سے پرہیز کرو۔ کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور بدی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ اور ایک انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس کے درپے رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کذاب شمار ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

حقیقت یہی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ سچائی کو ترک کر دیتا ہے اور جھوٹ بولنے پر دلیری کر لیتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کو اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ سچائی کے مقابلہ میں انسان کو کتنا بھی نقصان برداشت کرنا پڑے۔ اس کا بدلہ اور انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ضرور مل جاتا ہے۔ اس لئے خواہ کیسا ہی موقع کیوں نہ ہو۔ روپیہ کا سوال ہو یا عزت کا۔ قرابت کا سوال ہو یا دوستی کا ہر حالت میں سچ بولو اور کبھی جھوٹ جیسی بری عادت کو اختیار کرنے کا دل میں خیال بھی مت لاؤ۔

بانئ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ "جب تک انسان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو۔ جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں۔ تب تک حقیقی طور پر راستگو نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں پر سچ بولے جس میں اس کا چنداں حرج نہیں۔ اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اس کو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہوگی۔ کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے۔ دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا جو بغیر کسی تحریک کے خواہ مخواہ جھوٹ بولے۔ پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے۔ حقیقی اخلاق میں ہرگز

داخل نہیں ہوگا۔ سچ بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی)

(مقتبس از تمدن اسلام بہ ادنیٰ تغیر)

نیک صحبت ۔ صحبت کا اثر انسان کی طبیعت پر بہت جلد ہوتا ہے۔ انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا۔ اور اس کے دوستوں اور ساتھیوں کی عادتیں اس میں سرایت کرنے لگ جاتی ہیں

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے بہت خوب فرمایا ہے کہ اگر تو اچھی صحبت میں بیٹھیگا تو نیک ہو جائیگا۔ اور بد صحبت اختیار کریگا تو بد بن جائیگا۔

دیکھو! جس طرح جو چیز مٹی میں ڈال دی جائے۔ آخر ایک دن وہ بھی مٹی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسان بھی کہ جسے خاک کا پتلا کہا جاتا ہے جس قماش کے آدمی سے رفاقت اختیار کریگا اس کی خو بو اور صفات اس میں گھر کر جائینگی جو شخص پتنگ بازوں اور تاش کھیلنے والوں کے پاس بیٹھتا ہے۔ اگرچہ وہ خود پتنگ باز اور تاش کھیلنے والا نہ ہو۔ لیکن صحبت کے اثر سے چند روز میں ہی تم دیکھو گے کہ وہ بھی ان بدعادتوں کا شکار ہو چکا ہے۔

پس تمہیں چاہیئے کہ ہمیشہ نیک اور شریف اچھی عادتوں والے دوست بناؤ۔ اور فرصت کا وقت صرف انہیں کے ساتھ گذارو۔ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ مخلص اور سچے مسلمان کو ہی اپنا رفیق بنائے اور خدا کو خوش کرنے کے لئے اس کے ساتھ دل سے محبت کرے۔ جو شخص نیکی کے لئے کسی سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے دوستی پیدا کرتا ہے۔ تو قیامت کے دن اس پر خدا تعالےٰ کا سایہ ہوگا۔"

دیکھو! جب قیامت کے روز اُس پر خدا کا سایہ ہوگا تو اس دُنیا میں کیونکر نہ ہوگا!

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اچھے اور بُرے ساتھی کی بہت عمدہ مثال دے کر سمجھایا ہے کہ ہمیشہ نیکوں اور نیکی سے محبت رکھنے والوں کی ہی صحبت و رفاقت اختیار کرو۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نیک اور بد ساتھی کی مثال عطر بیچنے والے اور دھونکی دھونکنے والے کی طرح ہے۔

عطر فروش یا تو تجھے مُفت مُشک دیگا یا تو اس سے خرید ہی لیگا یا کم از کم اُس کے پاس بیٹھنے سے اس کے عطر کی خوشبو خود بخود ہی تیرے دل و دماغ کو معطر رکھے گی۔

برخلاف اس کے اگر تُو دھونکنی دھونکنے والے کے پاس بیٹھیگا تو یا تو تیرے کپڑوں کو آگ لگ جانے کا اندیشہ ہے یا اُس کی رفاقت سے کم از کم دھونکنی کی بدبو اور دھوئیں سے ہی تُو اپنے دِل و دماغ کو پریشان کرے گا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمہیں نیک خصال دیندار رفیق نہ ملے تو تمہارا اکیلے تنہائی میں بیٹھ رہنا بُرے ساتھیوں کی صحبت سے بدرجہا بہتر ہے۔

یہ یاد رکھو! کہ سچے اور مخلص رفیق بہت جستجو سے ملتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے مطلب اور اپنی اغراض کی وجہ سے دوستی اور محبت کا دم بھرنے لگ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مصاحبت سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرو۔ ہندوستان کے ایک بہت ہی نیک دل۔ دیندار اور متقی پرہیز گار شاہنشاہ حضرت اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجھے بہت تلاش کے بعد اپنی ساری عمر میں صرف ایک ہی سچا اور مخلص دوست مِل سکا۔

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اگر مجھے دُنیا جہان کی نعمتیں بھی مل جائیں لیکن

کوئی مخلص دوست نہ ملے تو وہ سب نعمتیں میرے نزدیک فضول اور عبث ہیں۔
پس تم نیک اور مخلص دوست ڈھونڈو اور اُن کی صحبت کو غنیمت جانو۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا ہے کہ کُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ کہ نیکوں
اور پاکوں اور سچوں کی صحبت اختیار کئے رہو۔
یہ خیال رکھو اکہ مخلص اور نیک دوست دُنیا میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔
اس لئے ان کے حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش درکار ہے۔ سب سے بہتر
طریق تو یہ ہے کہ تم خود اپنے اندر اخلاص اور سچائی اور نیکی پیدا کرو۔
اور احسان کرنے والوں کے ہمیشہ شاکر و ممنون رہو۔ جہاں تک تم سے بن
پڑے۔ تم بھی ان کے مذاق کے مطابق اُن سے محسنانہ سلوک کرو۔
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں تحفے دیا کرو۔
کہ اس طرح باہم محبت بڑھتی ہے۔
جب تمہارے ساتھ کوئی محبت کا اظہار کرے تو تم بھی اس سے خلوص نیت
کے ساتھ محبت کرو۔ تمہارا دلی خلوص اسے بھی مخلص بنا دیگا۔ اپنے ذوق وشوق
کے مقابلہ میں اپنے دوستوں کی خواہشات کا زیادہ خیال رکھو۔ اور چاہیئے کہ تم اپنی
محبت اور دوستی کے دائرے کو بہت وسیع رکھو۔ تاکہ قیامت کے دن۔ اور اس
دُنیا میں بھی تم پر زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کا سایہ رہے۔
اگر تم خود ان باتوں کا خیال رکھوگے تو پھر اچھے دوستوں کا ملنا کچھ بھی مُشکل
نہ ہوگا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے بالکل پاک تو صرف خدا تعالیٰ
کی ذات ہی ہے۔ ایسے بہت کم انسان ہونگے جن میں کوئی بھی عیب نہ ہو۔ پس تم
دوسروں کے عیب اور نقص معلوم کرنے کی بجائے اپنے عیبوں کی جستجو میں لگے
رہو اور پوری کوشش سے انہیں دُور کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے دوستوں کے

قصوروں اور نقصوں کی بہت پردہ پوشی کرو۔ اور اُن کے عیوب دوسروں پر ہرگز ظاہر نہ ہونے دو۔

ہاں۔ اگر تم اپنے کسی دوست میں کوئی بُری بات یا بدخصلت دیکھو تو اُسے تخلیہ میں نہایت ہمدردی اور دلی اخلاص کے ساتھ اچھے انداز میں نصیحت کرو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر شخص اپنے بھائی کے لئے آئینہ ہے سو اگر اس میں کوئی بُری بات دکھائی دے تو اس سے دُور کر دینی چاہیئے۔

حضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ یہی کافی نہیں کہ ہم اپنے دوستوں کے نقصوں پر پردہ ہی ڈالیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم حکمت و مصلحت کے ساتھ ہمدردی کے الفاظ میں اپنے دوستوں کو اُن کے عیبوں سے علیحدگی میں آگاہ کریں۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں اور آئندہ اس خرابی سے بچے رہیں جو اس عیب کی وجہ سے پیش آئی ہے۔

لیکن اس موقع پر بہت احتیاط اور سمجھداری سے کام لینے کی ضرورت ہے ورنہ بسا اوقات دوستوں کے دل میں غلط فہمی کی وجہ سے کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ قصہ کہانی کے رنگ میں یا اشاروں اور کنایوں میں اس طرح بات کرو کہ اُنہیں خود بخود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اپنے دوستوں کی طرف سے اگر تمہیں کوئی شکایت پیدا ہو اور کسی وقت خدانخواستہ کشیدگی کی نوبت آجائے تو اس رنج کو طول نہیں دینا چاہیئے بلکہ اسے بہت جلد دُور کرنا چاہیئے۔ اور باہم ملاطفت کے ساتھ جلدی ہی صفائی کرلینی چاہیئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کشیدہ ہو کر تین رات سے زیادہ ترک ملاقات کرے۔ جب وہ دونوں ملیں تو ایک اس طرف مُنہ کرے۔ دوسرا اس طرف۔ ان دونوں میں بہتر وہ

ہے جو السلام علیکم کہنے میں پہل کرے "

پس اس بات کی انتظار نہیں کرنی چاہئے کہ پہلے کون بولے۔ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو بولنے اور سلام کرنے میں سبقت کرے۔ حضور کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن کینہ ور نہیں ہوتا۔ جو شخص صلح کرنے میں پہل کریگا وہ خدا تعالیٰ کی بہت زیادہ خوشنودی کا وارث ہوگا۔ اور جو بغیر صلح کئے مر جائیگا اسے جہنمی زندگی نصیب ہوگی۔

دوستوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قریبی رشتہ داروں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ پس ذرا ذرا سی بات پر ایسے عزیز رشتہ کو قطع کرنا قرین دانشمندی نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیگا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں محض میرے جلال کی خاطر محبت رکھتے تھے آج کے دن میں ان کو اپنے سایہ میں رکھونگا جبکہ کوئی سایہ نہیں سوا میرے سایہ کے۔"

ایسے پاکیزہ رشتہ کو جو قیامت ایسے رُوح فرسا مقام میں خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے سایہ میں ٹھکانہ دلانے کا موجب ہوگا کسی معمولی سی رنجش کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے توڑ دینا کتنی بدقسمتی کی نشانی ہے۔

بانئے سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ضمن میں نہایت تاکیدی احکام صادر فرمائے ہیں۔ ان پاک باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے۔ اور کینہ پرور آدمی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے

تم آپس میں جلد صلح کرو۔ اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے

وہ انسان جو کہ اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔

تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو۔ اور باہمی ناراضگی جانے دو۔ اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو۔ تا کہ تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا ہی بد قسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔ اور بد بخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔

(کشتیٔ نوح)

سائل کو نہ ڈانٹنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خواہ سائل سوار ہو کر بھی آوے تو بھی اُسے کچھ دے دینا چاہئے۔ اور قرآن شریف میں وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ کا ارشاد آیا ہے کہ سائل کو مت جھڑک۔ اس میں یہ کوئی صراحت نہیں کی گئی کہ فلاں قسم کے سائل کو مت جھڑک۔ پس یاد رکھو کہ سائل کو مت جھڑکو۔ کیونکہ اس سے ایک قسم کی بد اخلاقی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اخلاق یہی چاہتا ہے کہ سائل پر جلدی ناراض نہ ہو۔ یہ شیطان کی خواہش ہے کہ وہ اس طریق سے تم کو نیکی سے محروم رکھے اور بدی کا وارث بناوے۔

(الحکم ۹ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ادنیٰ باتوں سے اعراض کرو

اللہ تعالیٰ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ مگر صالح بندوں کی۔ آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی اور اختلاف کو چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلق کنارہ کش ہو جاؤ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دیوے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک سچی صلح پیدا کر لو۔ اور اس کی اطاعت میں واپس آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں۔ جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اپنے تئیں لگاؤ گے۔ اور اس کے دین کی حمایت میں مشغول ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دُور کر دیگا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ اور اپنے کھیت کو خوش نما درختوں اور بار آور پودوں سے آراستہ کرتا۔ اور ان کی حفاظت کرتا۔ اور ہر ایک ضرر اور نقصان سے ان کو بچاتا ہے۔ مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لائیں اور گلنے اور خشک ہونے لگ جائیں۔ ان کی مالک پروا نہیں کرتا کہ کوئی مویشی آکر ان کو کھا جائے یا کوئی لکڑہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دے۔ سو ایسا ہی تم بھی یاد رکھو کہ اگر تم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دیگی۔ پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو۔ اور اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی کی پروا نہیں۔ ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں۔ پر ان پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر ایک آدمی مارا جائے کو اتنی باز پرس ہوتی ہے۔ سو اگر تم اپنے آپ کو درندوں کی مانند بیکار اور لاپروا بناؤ گے تو تمہارا بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ (الحکم ۲۰ و ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء) (ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ)

متاعِ ایمان کے راہزن

حسد

ایک ایسی بدی جس کا مرتکب ہر وقت سوزش اور جلن میں گرفتار رہتا ہے حسد ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ کسی کی ترقی و خوشحالی دیکھ کر یا کسی کے پاس کوئی نعمت پاکر یہ آرزو کرنا کہ اس کے پاس وہ چیز نہ رہے۔ یہ جذبہ اس قدر قابل نفرین ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا۔ اے لوگو. تم حسد سے بچو۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو. عقلاً بھی ظاہر ہے کہ حسد کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ اس طرح دوسرے کے مال و دولت و عزت وجاہت میں کوئی کمی نہیں آجاتی۔ بلکہ بعض اوقات اللہ تعالےٰ اسے اور زیادہ اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کیا تو کیا حاصل کیا۔ ان ہی کے سامنے خدا تعالیٰ نے ان کو سرنگوں کیا۔ خدا تعالیٰ حسد سے بچنے کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ. کیا لوگ ان چیزوں پر حسد کرتے ہیں جو خدا نے بعض کو اپنے فضل سے دیں۔ یعنی یہ کیسی لغو بات ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی پر اپنا فضل نازل کرتا اور دوسرا دل ہی دل میں جل بھن کر کباب ہوتا رہتا ہے۔ حسد کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ کبھی اس کا باعث دشمنی ہوتی ہے کبھی تکبر کبھی نفس کا بخل کبھی تحقیر کبھی اپنا کوئی مطلب ضائع ہو جانے کا خوف. لیکن کوئی بھی ہو حسد نہایت ہی برا جذبہ ہے جس سے ہر ایک مومن کا سینہ پاک ہونا چاہیے.

بے جا غضب

یہ بات بھی بُرائی میں داخل ہے کہ انسان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھے اور معمولی معمولی بات پر دُوسرے سے لڑنے لگ جائے۔ غصّہ اور عقل کی آپس میں دشمنی ہے۔ اور اگر اعصابی کمزوری بھی ہو تو پھر ایسا انسان کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بے جا غصّہ سے بچنے کی کئی مواقع پر نصیحت فرمائی ہے۔ ایک دفعہ فرمایا پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں لوگوں کو پچھاڑے۔ بلکہ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ ایک شخص نے ایک دفعہ کہا۔ یا رسُول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا تُو غصّہ کی عادت چھوڑ دے۔ اس نے عرض کیا۔ کوئی اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے پھر اسی نصیحت کو دُہرایا اور بار بار فرمایا کہ لا تغضب۔ غصّہ کے وقت اگر انسان اعوذ اور لاحول پڑھے۔ ٹھنڈے پانی کے گھونٹ پیے وضو کرے۔ اپنی ہیئت بدل لے۔ یعنی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ بیٹھا ہو تو کروٹ پر لیٹ جائے۔ اور خیال کرے کہ اللہ تعالےٰ نے ہم سب کو آپس میں بھائی بھائی بنایا ہے۔ کسی پر اپنی فوقیت جتانے اور اُسے لعن طعن کرنے کا مجھے کیا حق ہے تو امید ہے یہ قبیح عادت رفتہ رفتہ جاتی رہے۔

بدظنی

اپنے کسی بھائی کے متعلق بدظنی سے کام لینا ایک ایسا فعل ہے جسے شریعت اسلامی نے سخت ناپسند کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں بنی نوع انسان کو اس سے بچنے کی نصیحت کرتا ہُوا فرماتا ہے۔۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ کہ اے لوگو تم دوسروں کے متعلق خیالات کے بے ہودہ گھوڑے دوڑانے سے بچتے رہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دوسروں کے متعلق بعض دفعہ انسان ایسے گمان بھی کر لیتا ہے جو گناہ کا موجب ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:۔
اِيَّاكَ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ۔ کہ تم بدظنی سے بچو۔ کیونکہ بدظنی بہت بڑا جھوٹ ہے۔

تجسس

ایک بدی تجسس یعنی کسی کے عیوب کی جستجو کرتے رہنا بھی ہے۔ قرآن کریم نے لَا تَجَسَّسُوْا کہہ کر یہ ہدایت فرمائی ہے کہ کسی کے عیب کی جستجو نہیں کرنی چاہیئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر انسان اپنے عیوب کی تلاش میں لگا رہے تو یہ بدرجہا بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی غیر کے عیب کی جستجو کرے۔ اگر دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے ہوں تو اُن کی باتیں سُننے کے لیے کان لگانا بھی تجسس ہی کہلاتا ہے۔

ظلم

ایک بدی ظلم یعنی بلاوجہ دوسروں کے حقوق غصب کر لینا۔ اور انہیں تکلیفیں اور دُکھ پہنچانا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے لوگو تم ظلم سے بچو۔ کیونکہ ظلم قیامت کے دن موجب ظلمات ہے۔ ایک دفعہ فرمایا۔ تمام حقوق قیامت کے روز ادا کیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے اس بکری کو مارا ہوگا جس کے سینگ نہ ہونگے۔ تو قیامت کے دن اس

بکری کو بدلہ دیا جائیگا۔ اسی طرح فرمایا۔ جو شخص ایک بالشت بھر بھی کسی کی زمین دبائیگا۔ قیامت کے دن اُس کی گردن میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائیگا۔ ایک دفعہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اسباب پر ایک شخص بطور محافظ مقرر تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ لوگوں نے تحقیق کی تو معلوم ہؤا کہ ایک کمبل اس نے چُرا لیا تھا جس کی پاداش میں اس کو جہنّم کی سزا ملی۔

اسی طرح آپ نے فرمایا۔ جس شخص کو ہم کسی ڈیوٹی پر مقرر کریں اور وہ ایک سوئی بھی ہم سے چھپالے تو قیامت کے دن اسے اٹھائے ہوئے خدا تعالےٰ کے حضور پیش ہوگا۔

ایک دفعہ فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ایک وقت تک ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ مگر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا جب تک اسے کیفرِ کردار تک نہ پہنچالے۔

تحقیر اور استہزا

ایک بدی یہ ہے کہ دُوسروں کو حقیر سمجھا جائے اور ان سے تمسخر اور استہزا سے کام لیا جائے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ (حجرات) کہ ایک قوم دوسری قوم کو ہرگز حقیر نہ سمجھے۔ کیونکہ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ اگر آج ایک قوم بڑی ہے۔ تو کل دُوسری بڑھ سکتی ہے۔ اگر ایک قوم کو حقیر سمجھا جائیگا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جب وہ برسرِ حکومت ہوگی تو بوجہ پچھلے اشتعال کے پہلی قوم کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اور اس طرح فساد کا سلسلہ پھیلتا چلا جائیگا۔

پس تحقیر و تذلیل کا شیوہ اختیار کرنا۔ اور دوسروں کے متعلق تمسخر سے کام

لینا ہرگز مومنانہ طریق نہیں۔ اگر یک سید قابل عزت ہے تو محض اس حد تک جس حد تک اس نے اپنے اندر تقوےٰ پیدا کیا۔ اور اگر ایک جولاہا اپنے تقوےٰ و طہارت میں بڑھ کر ہے تو یقیناً وہ دُنیا کے سعید الفطرت لوگوں کی نگاہ میں بھی۔ اور اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں بھی اس سید سے ہزاروں درجے بڑھ کر ہے۔

اخلاق سوز ناول

ایک بدی یہ ہے کہ ایسے ناولوں کا مطالعہ کیا جائے جو مخرب الاخلاق ہوں۔ سورۂ لقمان میں اللہ تعالےٰ نے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں ایسے امور کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے جو انسان کو گمراہ کرنے والے اور شیطانی وساوس برانگیختہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ پس کبھی گندے ناول نہیں پڑھنے چاہئیں۔ اور اپنی اولاد کو بخصوص ایسی کتب کے مطالعہ سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اس کی بجائے قرآن مجید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب احادیث اور اخلاقی کتب کے مطالعہ کی ترغیب دینی چاہیئے۔

ریا

ایک بدی ریا یعنی لوگوں کے دکھاوے کے لئے نیکیاں کرنا ہے۔ ریا والے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ تنہائی میں تو وہ اعمال صالحہ میں سُست ہوتا ہے مگر لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو نہایت چست ظاہر کرتا ہے۔ ایسا شخص باوجود نیک اعمال بجالانے کے محض نیت کی خرابی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر ناراض کر لیتا ہے۔ اور درحقیقت یہ انتہا درجہ کی کمینگی ہے کہ انسان نیک اعمال تو بجالائے۔ مگر لوگوں کو خوش کرنے کے لئے حالانکہ اگر یہ اپنی نیت بدل لے۔ تو وہی

اعمال جن کی وجہ سے یہ مورد قہر بنتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کا مستحق بنانے والے بن جائیں۔ ریا کی اصل وجہ دُنیا کی محبت اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر عدم ایمان ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہو کہ دُنیا فانی ہے۔ اور ایک زندہ خدا ہے جس کے سامنے اس نے مرکر پیش ہونا ہے۔ تو وہ کبھی بھی لوگوں کی واہ وا اور خوشنودی کو وقعت نہ دے۔ مگر افسوس کہ ریاکار دُنیا کو اپنا اصل مقصود قرار دے لیتا ہے۔ اور چونکہ اُس کے اعمال میں خدا کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس لئے دُنیا کی واہ وا تو بعض دفعہ اُسے حاصل بھی ہو جاتی ہے مگر خدا اسے کبھی نہیں ملتا۔ (الفضل نمبر ۲۰ جلد ۳۴)

تکبّر

(از جناب مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر مولوی فاضل رکن ادارہ الفضل)

موجودہ زمانہ میں جہاں اسلامی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے دیگر بہت سے عیوب مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں۔ وہاں تکبر اور غرور بھی جسے شریعت اسلامی نے انسان کے اخلاق و عادات اور اُس کے تقویٰ و طہارت کے لئے خطرناک زہر قرار دیا ہے۔ لوگوں میں کُھلا کُھلا نظر آتا ہے حالانکہ قرآن مجید کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا سب سے پہلا گناہ جس کی وجہ سے وہ الٰہی بارگاہ سے دھتکار دیا گیا۔ یہی تکبر تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اُسے آدم کے آگے سربسجود ہو جانے کا حکم دیا۔ مگر اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدائے رحمان ورحیم کی طرف سے اُسے کہا گیا۔ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ پس اسی طرح متکبر انسان بھی اگرچہ تکبر اور غرور سے اپنی عزت و بڑائی چاہتا ہے مگر آخر وہ ذلیل ہوتا ہے۔ اور اس کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو کیا ہی پاک نصیحت فرماتے ہیں کہ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (دپ۲۱) یعنی اے بیٹے تکبر سے اپنا منہ لوگوں سے مت پھیر اور زمین میں اکڑ کر چل خدائے ذوالجلال اترانے والے شیخی خور کو کبھی بھی پسند نہیں فرماتا۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے تکبر سے عجیب حکیمانہ طریق پر روکا۔ اور فرمایا۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ کُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔ (بنی اسرائیل) اے انسان تو زمین پر اترا کے مت چل۔ زمین کو تو پھاڑ نہیں سکیگا۔ اور پہاڑ کے برابر تو اونچا نہ ہو سکیگا۔ پھر تکبر کا تجھے کیا فائدہ۔

نہایت کھلے لفظوں میں قرآن مجید نے فرمایا کہ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ یعنی خدا کے حضور متکبر انسان کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اُس کی محبت کے انعام سے وہ کبھی بھی حصہ نہیں لے سکتے۔

پس تکبر ایسی بلا ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان اپنے رحیم و کریم مولیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے اور اُس کے غضب کا نشانہ بن جاتا ہے۔ بلکہ آخرکار وہ جہنم کی آگ میں داخل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔ کہ ایسے تمام لوگ جو میرے بندوں سے متکبرانہ طور پر پیش آتے ہیں۔ وہ جہنم میں ذلت اور رسوائی کے ساتھ داخل کئے جائینگے۔ پھر فرمایا کہ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔ یعنی ہم بروز قیامت متکبرین سے کہینگے کہ آؤ اب جہنم کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارا بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ کیونکہ تم نے جو کچھ دُنیا میں کیا تھا وہ بھی بہت بُرا اور ناروا تھا۔

پھر متکبر انسان اپنے غرور میں آکر بسا اوقات ہدایت و رُشد سے بھی محروم ہو

ہو جاتا ہے اور ضلالت و گمراہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ۔ کہ جب انہیں کہا جائے کہ توبہ کرو اور خدا سے ڈرو۔ تو ان کا غرور اور تکبر انہیں گناہ پر کھینچ لاتا ہے۔ اور بجائے نصیحت ماننے کے اور بھی زیادہ گناہوں میں ترقی کر جاتے ہیں۔ فَحَسْبُہٗ جَھَنَّمُ۔ پھر فرمایا کہ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْہِ وَقْرًا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یعنی جب متکبر انسان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر سے اپنی پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے گویا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ اور گویا کہ اس کے کان بوجھل ہیں۔ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی تو خبر دیدے۔

یہ وعید ہیں جو خدا کے پاک کلام میں متکبروں کی نسبت آئے۔ اور دراصل قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ تکبر صرف دو ہی شخصوں کا شیوہ ہے۔ ایک کافر کا اور دوسرے منافق کا۔ مومن انسان تکبر سے ایسا ہی دُور ہوتا ہے۔ جیسا مشرق مغرب سے۔ یا زمین آسمان سے۔ بلکہ اس سے بھی دُور تر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ (پ۱۴) جو آخرت پر ایمان نہ لائیں۔ انہیں کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور وہی شیوہ اختیار کرتے ہیں۔ پھر منافقوں کی نسبت بھی فرمایا کہ رَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ (پ۲۸) منافق جادۂ ہدایت سے پیچھے ہٹتے ہیں اور تکبر و غرور اختیار کرتے ہیں۔

پس قرآن مجید کی رُو سے تکبر کفار و منافقین کا شیوہ ہے اور جبکہ قرآن اتنے زور سے تکبر کی ممانعت کر رہا ہو۔ تو ہر ایسے شخص کا جو قرآن مجید کی اتباع کا دم بھرتا ہو۔ یہی فرض ہے کہ وہ اپنی تمام حرکات و سکنات کو، دخلوا فی السلم

کا فتر کے ماتحت انہیں اسلامی احکام کے مطابق بنائے۔ تا ایسا نہ ہو کہ وہ خدائی رحمت سے دُور ہوتا چلا جائے۔

احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں ہرگز نہیں جائیگا۔ اور حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ الکبریاء ردائی و العظمۃ ازاری فمن نازعنی فی واحدٍ منھما القیتہٗ فی جہنم۔ (ابن ماجہ) یعنی بڑائی اور بزرگی صرف میرے شایان شان ہے جو شخص ان دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز میں بھی مجھ سے منازعت کریگا۔ میں اُسے آگ میں داخل کرونگا۔ اور رسول کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے ازار کو غرور سے لٹکائے رکھے۔ اللہ تعالےٰ اُس شخص کی طرف بھی نظر رحمت سے نہ دیکھیگا۔

دُنیا میں جس قدر بھی متکبرین ہوئے ہیں۔ ان کے حالات کو اگر دیکھا جائے تو یقیناً معلوم ہوگا کہ بالآخر وہ سب کے سب ذلیل و نامراد ہوئے۔ فرعون نے تکبر کیا اور انا ربکم الاعلیٰ کہا۔ آخر کیا حشر ہوا۔ نمرود نے بھی زور دکھایا۔ مگر کہتے ہیں کہ ایک مچھر نے اس کا کام تمام کردیا۔ علاوہ ازیں تکبر کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اپنی ابتدا پر غور نہیں کرتا۔ اور اپنے آپ کو کوئی خاص چیز سمجھنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ ابتدا پر اگر انسان اپنی نظر دوڑائے اور اپنے انتہا کو دیکھے تو تکبر اس سے یقیناً دُور ہو جائے۔ ابتدا انسان کی کیا ہے۔ ایک نجس اور ناپاک چیز۔ الم یک نطفۃً من منیٍ یمنیٰ۔ پھر انتہا یہ کہ فنا اُس کے ساتھ لگی ہے۔ اور قبر میں اس کو فرد کش ہونا ہے۔ اور یہی جسم کیڑوں کوڑوں کی خوراک بن جاتا ہے کیا اسی جسم پر اُسے ناز ہے۔ اور کیا اسی صحت پر اُسے غرور۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیا خوب فرماتے ہیں کہ انسان بھلا کیا تکبر کر سکتا ہے جو ایک نجس چیز سے پیدا ہوا۔ اور نہ

ایک بار بلکہ دو دفعہ پیشاب کے رستہ سے نکلا۔ مگر افسوس کہ بہت لوگ تکبر کرتے ہیں۔ اور انکسار اور تواضع اپنے اندر پیدا نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا کے لئے تواضع اور انکساری اختیار کرتا ہے۔ اُسے خدا خود آپ عزت دیتا اور بڑھاتا ہے۔ (رفعہ اللہ)

حسب و نسب پر فخر کرنا۔ دُنیا میں کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنے اعلیٰ حسب و نسب پر مغرور ہوتے ہیں۔ اور چونکہ وہ معزز خاندان میں سے ہوتے ہیں۔ اس لئے دوسروں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر غور کریں۔ تو انہیں صاف صاف نظر آ جائے کہ تمام بنی نوع انسان آدم و حوّا (علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ السلام) سے پیدا ہونے کی وجہ سے ایک طرح کی مساوات اور برابری رکھتے ہیں۔ اور جب کہ اصل ایک ہوئی تو پھر عارضی بڑائی پر تکبر کرنے سے کیا حاصل۔ اور اگر انجام کے لحاظ سے دیکھو تو اس کا مدار تقویٰ اور طہارت پر ہے نہ کہ حسب و نسب پر۔ اگر ایک شخص متقی ہے اور احکام اسلام پر عمل پیرا ہے تو وہی شخص اللہ تعالےٰ کے حضور پسندیدہ ہے۔ اگرچہ وہ نسب کے لحاظ سے ایسا اچھا نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اور رسول کریم صلعم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مقام منیٰ میں جو خطبہ پڑھا۔ اس میں بھی فرمایا۔

> "اے لوگو! تم سب کا ایک خدا ہے۔ تم میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں۔ مگر زہد اور تقویٰ کے ساتھ عرب والوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ عجمیوں پر فخر کریں۔ اور اسی طرح عجمیوں کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ عربوں پر فخر کریں۔ اسی طرح کالے کو سُرخ پر اور سُرخ کو کالے رنگ والے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ مگر یاد رکھو۔ صرف تقویٰ اور طہارت کے ساتھ۔"

اور پھر تعجب یہ کہ دُنیا میں بھی حسب و نسب کسی کام نہیں آتا۔ بلکہ لیاقت اور اعمال ہمیشہ پوچھی جاتی ہے۔ پس ایسا شخص خسر الدنیا و الاٰخرۃ کا صحیح مصداق بنتا ہے۔

حُسنِ صُورت پر فخر: پھر بعض لوگ اپنے حُسن اور خوبصورتی کی وجہ سے دُوسروں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور وہ نہیں سوچتے کہ جو بھی صُورت ہے۔ اگرچہ وہ مثلِ یُوسف ہے۔ مرنے کے بعد وہ خاک میں ملیگی اور مٹی اسے کھا جائیگی۔ پھر اس زوال پذیر حُسن پر اتنا غرور؟ جبکہ آٹھ دس روز بخار آنے سے اور یا چار دستوں کے آجانے سے ہی تمام انسانی حُسن کافور ہو جاتا ہے۔ تو ایسی ناپائدار چیز پر اتنا غرور بالکل بیہودہ امر ہے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم پر بڑا ہی تعجب ہے کہ روزانہ دن میں دو دفعہ یا ایک مرتبہ ضرور ہی اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور پھر تکبر اور غرور کرنے سے نہیں رُکتا۔ دُنیا میں ہزاروں حسین ہوئے اور ہزاروں موجود ہیں اور ہمیشہ حسین رہینگے۔ مگر حُسن صُورت کس کام کا۔ اگر حُسن سیرت انسان کے اندر نہ ہو۔ ع

سُرخ و سپید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا؟

علم پر فخر: بعض لوگوں کو اپنے علم پر گھمنڈ ہوتا ہے۔ حالانکہ علم کا نتیجہ ہمیشہ خشیت الٰہی و انکساری ہونا چاہئے۔ نہ کہ تکبر اور غرور۔ وہ علم جسے اس نے مغرور کر دیا۔ دراصل جہالت تھی نہ کہ علم۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمٰؤا۔ پس جب علم کے رکھتے ہوئے وہ متکبر اور مغرور ہے۔ تو اُس کی مثال کمثل الحمار یحمل اسفار ہے۔

اچھے کاموں پر فخر: پھر بعض کو اپنے اعمال پر تکبر ہو جاتا ہے۔ یعنی شیطان اُسے دھوکا دیتا ہے اور آہستہ سے اسے کہہ دیتا ہے کہ دیکھ تُو نے اب بہت نیکیاں کر

لیں۔ حالانکہ اُسے کیا معلوم کہ اس کی نیکیاں قبول بھی ہوتی ہیں یا کہ نہیں۔ اور دونوں کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ نیکیاں صبح و شام کرتے ہیں۔ مگر ڈرتے کہ کہیں ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے وہ ضائع ہی نہ ہو جائیں۔ یؤتون ما اتوا وقلوبھم وجلۃ۔

مال و دولت پر فخر۔ پھر بعض کو اپنے اموال پر گھمنڈ ہوتا ہے۔ حالانکہ مال بالکل فانی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک شخص کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اپنے دوست سے کہہ رہا تھا انا اکثر منک مالاً و اعز نفراً۔ میرا مال تجھ سے زیادہ اور میرا جتھا نہایت مضبوط ہے۔ آخر عذاب نے اُسے آگھیرا۔ اور سب کچھ اُس کا تباہ اور برباد ہو گیا۔ تب بے اختیار وہ پکار اُٹھا یا لیتنی لم اشرک بربی احدا۔

جتھے پر فخر۔ پھر بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں اپنے جتھے پر غرور ہوتا ہے۔ مگر عاد اور ثمود کا جتھا انہیں کس کام آیا۔ فرعون و ھامان کے لشکر آخر کدھر چلے گئے۔ انبیا علیہم السلام کے مقابلے میں بڑی بڑی جماعتیں کھڑی ہوئیں۔ مگر وہ کاٹ ڈالی گئیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں۔ سلطنتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ پھر جتھے پر گھمنڈ کیسا؟

طاقت و قوت پر فخر۔ پھر بعض کو اپنی طاقت پر اور غرور ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر ایک مکھی بھی ان سے کچھ چھین کرلے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے ضعف الطالب والمطلوب۔

الغرض یہ تمام باتیں جن پر تکبر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمتیں ہیں۔ مگر ان پر فخر در غرور کرنا اور دوسروں کو حقیر اور ذلیل جاننا انہی نعمتوں کے زوال کا باعث بن جاتا ہے۔ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے گنہگار ہونے کو یہی بات بڑی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے "شرائط بیعت" میں بھی ایک شرط یہ رکھی ہے کہ بیعت کنندہ ؛۔
"کبر اور تکبر، اور نخوت کو بکلی چھوڑ دیگا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کریگا۔"

مگر چونکہ تکبر ایک ایسی بُری بلا ہے کہ بسا اوقات انسان تکبر اور غرور کا ارتکاب کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو متکبر نہیں سمجھتا۔ اور چونکہ تکبر نہایت باریک در باریک راہوں سے بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں اُس کی وضاحت کے لئے بانئے سلسلۂ احمدیہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر پیش کرتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ حضور اپنی کتاب نزول المسیح میں فرماتے ہیں :۔

"مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔ مگر تم شاید نہیں سمجھوگے کہ تکبر کیا چیز ہے پس مجھ سے سمجھ لو۔ کہ مَیں خدا کی روح سے بولتا ہوں۔

ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ ہنرمند ہے وہ متکبر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمۂ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کر دے۔ اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے ؎ وہ بھی متکبر ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ و حشمت خدا نے ہی اُس کو دی تھی۔ اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ قادر ہے کہ اُس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اُس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال اور دولت عطا کر دے۔

؎ اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دیدے ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ و حشمت کا تصور کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے۔

ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن و جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے۔ اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزا سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اُس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبر ہے۔ اور وہ اُس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے۔ ایک مدت دراز تک اُس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور باطل نہ ہوں۔ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دُعا مانگنے میں سست ہے وہ بھی متکبر ہے۔ کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سرچشمہ کو اُس نے شناخت نہیں کیا۔ اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالےٰ کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ۔ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے۔ اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا۔ اور منہ پھیر لیتا ہے۔ اُس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے۔ اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دُعا کرنے والے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے۔ اُس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خُدا کے مامور اور مرسل کی پُورے طور پر اطاعت نہیں کرنا چاہتا اُس نے بھی تکبر سے ایک حصہ لیا ہے۔ اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی

باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے ایک حصّہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصّہ تکبر کا تم میں نہ ہو۔ تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ۔ تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔ خدا کی طرف جھکو۔ اور جس قدر دُنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے۔ تم اس سے کرو۔ اور جس قدر دُنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو۔ پاک دِل ہو جاؤ۔ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو"۔

غِیبت

جب تم اپنے بھائی کی وہ بُرائی بیان کرو جو اس میں ہو تو یہ غیبت ہے (خواہ اُس کے سامنے بیان کرو یا پیچھے) اور اگر وہ بُرائی بیان کرو جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔

غیبت کی اسلام نے سخت ممانعت کی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔ بھلا کوئی تم میں سے پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ وہ تو تم کو یقیناً گوارا نہیں۔ پھر غیبت کیوں گوارا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مُردار کھانا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور اس بُری عادت سے بچو۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا۔ کہ چغل خور بد ترین آدمی ہے۔ اور وہ بہشت میں نہ جا سکیگا اور قیامت کے روز اس کے کان میں سیسا گرم کر کے ڈالا جائیگا۔ اور اُس کی بہت سی نیکیاں کاٹ کر اس شخص کے اعمال نامہ میں داخل کر دی جائینگی جس کی اُس نے غیبت کی ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دریافت فرمایا کیا تم جانتے ہو. غیبت کیا چیز ہے؟ عرض کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں. فرمایا.
تیرا ذکر کرنا اپنے بھائی کے بارے میں جسے وہ ناپسند کرے" عرض کیا گیا کہ خواہ وہ بات میرے بھائی میں موجود ہی ہو؟ فرمایا جو بات کسی میں پائی جائے. اور تو کہے تو یہ غیبت ہے اور جو بات نہ پائی جائے اور تم بیان کرو. تو وہ بہتان ہے.
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے بدترین آدمی وہ ہے جو ایک بات بیان کرکے دو دوستوں میں لڑائی ڈلواتا ہے. فرمایا جو کوئی جنّت میں جانا چاہتا ہے. اسے چاہیئے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے"
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں" خدا تعالےٰ کی ستاری ایسی ہے کہ وہ انسان کے گناہوں اور خطاؤں کو دیکھتا ہے. لیکن اپنی اس صفت کے باعث اس کی غلط کاریوں کو اس وقت تک. جب تک کہ وہ اعتدال کی حد سے نہ گذر جائے. ڈھانپتا ہے. لیکن انسان کسی دوسرے کی غلطی دیکھتا بھی نہیں. اور شور مچاتا ہے.
دراصل بات یہ ہے کہ انسان کم حوصلہ ہے اور خدا تعالےٰ کی ذات حلیم وکریم ہے. ظالم انسان اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی خدا تعالےٰ کے حلم پر پوری اطلاع رکھنے کے باعث بے باک ہوجاتا ہے. اس وقت ذو انتقام (بدلہ لینے والا) کی صفت کام کرتی ہے اور پھر اُسے پکڑ لیتی ہے.
خدا حد سے بڑھی ہوئی بات کو عزیز نہیں رکھتا ہاں ہمہ وہ ایسا رحیم وکریم ہے کہ ایسی حالت میں بھی اگر نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ آستانہ الٰہی پر جا گرے تو وہ رحم کے ساتھ اس پر نظر کرتا ہے. غرض یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالےٰ ہماری خطاؤں پر معاً نظر نہیں کرتا. اپنی ستاری کے طفیل رُسوا نہیں کرتا. تو ہم کو بھی

چاہئے کہ ہر ایسی بات پر جو کسی دُوسرے کی رسوائی یا ذلت پر مبنی ہو فی الفور منہ بند کر لیں" (اخبار الحکم ۱۶ جون ۱۹۰۹ء) ۔ پس اے عزیزو! تم ہمیشہ غیبت چغلی اور عیب جوئی کے مکروہ فعل سے اجتناب کرتے رہو۔ اور (اپنی) زبان اور دوسرے اعضا کو قابو میں رکھو کہ قیامت کے روز آنکھ۔ کان۔ دل اور دُوسرے تمام اعضا سے بھی باز پرس ہوگی۔ پس خدا تعالے کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جن باتوں سے اُس نے منع فرمایا ہے اُن سے بچنے کی پُوری پُوری کوشش کرو۔ (از مرتب)

جُھوٹ

جُھوٹ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی کہے میں فلاں جگہ گیا تھا۔ وہاں میں نے اس قسم کا درخت دیکھا تھا۔ حالانکہ نہ وہ گیا ہو اور نہ اس نے درخت دیکھا۔ اس جُھوٹ کا اثر دُوسروں پر نہیں پڑتا یہ اس کا ذاتی گناہ ہے۔ بہت لوگ بڑے بڑے معاملات میں جُھوٹ نہیں بولتے۔ مگر ایسی باتوں میں جھوٹ کی پروا نہیں کرتے۔ اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چھوٹا جھوٹ ہے۔ جُھوٹ جُھوٹ ہی ہے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور خطرناک گناہ ہے۔ چھوٹا جھوٹ بھی ایسا ہی ہے جیسے بڑا جھوٹ اور سارے جرم جرم ہی ہیں بلکہ مثل تو یوں مشہور ہے کہ کسی نے پوچھا تھا کہ اونٹ کی کیا قیمت ہے اور اس کے بچے کی کیا۔ جواب ملا۔ اونٹ کی چالیس اور بچے کی بیالیس۔ کیونکہ وہ اونٹ بھی ہے اور اونٹ کا بچہ بھی۔ تو چھوٹا جھوٹ اس لئے خطرناک ہوتا ہے کہ انسان اس کے ارتکاب پر جرأت کر لیتا ہے۔ پس تم آئندہ کے لئے عہد کرو کہ تمہاری زبان پر سوائے راستی کے کچھ نہ آئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یونہی زبان سے یہ بات نکل گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ خواہ کوئی تمہاری جان بھی نکال دے۔ تمہاری زبان سے ایک لفظ بھی جبراً نہیں نکلوا سکتا۔ پھر جُھوٹ

کیوں کہو۔ اگر کوئی بات تم نہیں بتانا چاہتے۔ تو صاف کہدو کہ نہیں بتانے۔ اور سچائی اور راستی کو اپنا شعار بنالو۔ اور عہد کرو کہ آج سے کوئی ایسا لفظ تمہاری زبان پر جاری نہ ہو۔ جو حقیقت کے خلاف ہو۔

(یہاں سے صفحہ ۲۱۸ تک کے تمام مضامین امیرالمومنین حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی تقریروں سے مقتبس ہیں)۔

کینہ

جب ایک شخص کسی کے متعلق بُرائی دیکھتا ہے تو اُسے وہیں نہیں بھلا دیتا۔ بلکہ دل میں رکھ لیتا ہے مگر جب تک یہ جرم دل سے نہ نکلے۔ نفس پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اسے دل میں رکھنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ کینہ نفس کا ایک گند ہے۔ اور اس کو دل میں رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ جیب میں کوئی پاخانہ رکھے۔ اس گند سے فائدہ کیا؟

ہر ایک کام کسی فائدے اور ضرورت سے کیا جاتا ہے۔ مگر کینہ رکھنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

فائدہ تو کچھ نہیں۔ ہاں نقصان ہوتا ہے۔ جب کسی کے متعلق بُرائی اپنے دل میں رکھوگے تو اُس پر کُڑھوگے۔ اور جب کُڑھوگے تو یہ طبی مسئلہ ہے کہ بیمار ہو جاؤگے۔ دیکھو جب بچے ایک دوسرے سے چڑتے ہیں تو اُنہیں کہا جاتا ہے۔ ایسا نہ کرو مگر عجیب بات ہے۔ بچوں کو سمجھانے والے خود دوسروں کا کینہ دل میں رکھ کر چڑتے ہیں اور اس طرح اُن کی طبیعت میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بد خلقی پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے دوسروں کو نقصان پہنچانے کے خیال سے کوئی اپنی ناک کاٹ ڈالے۔ مگر اس سے دوسروں کا کیا نقصان ہوگا۔ پس یاد رکھو

کہ کینہ جیسی لغو چیز اور کوئی نہیں۔ مگر اکثر لوگ اس میں مزا حاصل کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ کہتے ہیں۔ کوئی چیتا تھا اس کو تازہ گوشت نہیں کھلایا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے قریب سِل پڑی ہوئی تھی۔ جس پر اس نے زبان لگائی اور خون نکل آیا۔ اس تازہ خون کو اُس نے چوس لیا۔ اور اُس کا ایسا مزا آیا کہ وہ برابر اپنی زبان سِل پر رگڑتا رہا۔ اور زبان کا خون چوستا رہا۔ اور مزا لیتا رہا۔ آخر اس کی زبان ہی کٹ گئی۔ اسی طرح کینہ رکھنے والے کی حالت ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ دوسرے کو نقصان پہنچا رہا ہوں۔ مگر در اصل وہ اپنی ہی جان کو کھا رہا ہوتا ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ اس عیب کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ یہ ایک باطنی گند ہے۔ اس کو دُور کر دینا چاہیئے کیونکہ اس سے انسانی صحت اور اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔

سُستی

بہت لوگ اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ یہ بیماری رُوحانیت کو کھا جاتی ہے۔ اخلاص ہو مگر چُستی نہ ہو تو اخلاص کچھ کام نہیں دیگا۔ چستی کہیں باہر سے نہیں آتی۔ نہ چُست انسان کو باہر سے کوئی خاص مدد ملتی ہے۔ بلکہ اس کا اپنا ارادہ ہوتا ہے جس سے وہ کامیاب ہوتا ہے۔

سُستی کی وجہ سے انسان عبادتوں سے محرُوم ہو جاتا ہے۔ نمازوں سے محرُوم ہو جاتا ہے اور کئی باتوں سے محرُوم ہو جاتا ہے اور اپنے اوقات کو صحیح طور پر استعمال نہیں کر سکتا۔ ایک چُست آدمی سُست کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ کام کر سکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ سُست آدمی اپنا وقت بالکل ہی ضائع کر دے۔ گو سُستی معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس کی وجہ سے جتنے عمل ضائع ہوتے ہیں

وہ ان سے زیادہ ہوتے ہیں جو تم کرتے ہو پس چاہئے کہ تم ہر کام چستی سے کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چستی کا اس قدر خیال ہوتا تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص سر نیچے ڈالے آرہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے مکہ مار کر کہا۔ کہ کیا اسلام مر گیا ہے کہ تو اس طرح چلتا ہے؟ پس سستی ایک عیب ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنی چال ڈھال اور شکل شباہت سے یہ مت ظاہر ہونے دے کہ وہ سست ہے۔ بلکہ یہ ظاہر کرے کہ وہ ہر کام کا اہل ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص اکڑ کر چل رہا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا۔ خدا تعالےٰ کو یہ چال ناپسند ہے۔ مگر اس وقت اس کا چلنا خدا کو پسند ہے کہ اس دشمن پر اثر پڑتا ہے۔

پس تم اپنی شکلوں اور اپنی چال ڈھال سے یہ ظاہر کرو کہ تم چست ہو اس سے تمہارے کاموں میں بڑی ترقی ہوگی۔

تہمت

کسی پر تہمت لگانا بہت بڑا عیب ہے کسی کے متعلق اپنے دل میں برا خیال رکھنا بدظنی ہے۔ اور اس کا بیان کرنا تہمت ہے۔ دیکھو تو سہی۔ اگر تمہیں کسی مجسٹریٹ کے متعلق معلوم ہو کہ اس نے فلاں کو بغیر تحقیقات سزا دے دی ہے تو کتنا برا لگیگا۔ ذرا اپنے متعلق دیکھو کہ ایک بات کو لے کر یونہی فیصلہ کر دیتے ہو کہ فلاں ایسا ہے۔ کسی کو چور ڈاکو۔ فاسق۔ فاجر وغیرہ کہہ دینا اس کو سزا دینا ہے۔ کیونکہ اس طرح تم اس کی عزت کو گراتے ہو۔ تم ایک غلط فیصلہ کرنے والے مجسٹریٹ پر ناراض ہوتے ہو۔ مگر خود وہی غلطیاں کرتے ہو۔ ان باتوں کو چھوڑ دو۔

دھوکہ

ایک عیب دھوکہ ہے. ایک شخص کسی پر اعتبار کرتا ہے. مگر وہ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے یہ بڑا گناہ ہے. بعض لوگ دھوکہ دے کر کسی کی چیز لے لیتے ہیں. اور اگر پتہ لگ جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تو ہنسی کی تھی. مگر ایسی ہنسی جائز نہیں جو جھوٹ ہو. اور جس کی وجہ سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے. پس ہر قسم کے دھوکہ سے بچنا چاہئے. خصوصاً ہنسی کے نام سے جو دھوکا کیا جاتا ہے. کیونکہ عام طور پر لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں. حالانکہ یہ بھی جائز نہیں.

خیانت

ایسے گناہ جن کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے. اُن میں سے ایک خیانت ہے جب کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کر کے اپنا مال اس کے پاس رکھتا ہے اور وہ اس میں خیانت کرتا ہے تو یہ حد درجہ کی بے شرمی ہے. میں نے ایسا خائن کوئی احمدیوں میں نہیں دیکھا کہ جس نے کسی کا روپیہ لے کر دینے سے کلی طور پر انکار کر دیا ہو. اور یہ خدا کا فضل ہی ہے. مگر اور قسم کی خیانتیں پائی جاتی ہیں. مثلاً ایک شخص دوسرے کا روپیہ خرچ کر لیتا ہے اور جب وہ مانگتا ہے تو کہتا ہے کہ جب میرے پاس ہوگا تو دے دونگا. مگر سوال یہ ہے کہ دوسرے کے پاس روپیہ کوئی رکھتا تو اس لئے ہے کہ جب ضرورت ہوگی لے لونگا پھر کیوں اس کو ضرورت کے وقت نہ دیا جائے؟ اس قسم کی خیانت دیکھی جاتی ہے اور یہ بھی خطرناک گناہ ہے. کسی کے یہ کہہ دینے سے کہ جب روپیہ ہوگا دے دونگا. خیانت کا مجرم کم نہیں ہو جاتا. جس کا روپیہ تم نے خرچ کر لیا ہے. اُس کو تو ضرورت کے وقت نہ ملنے کی وجہ سے نقصان پہنچ رہا ہے اگر اسے

یہ کہہ دیا جاتا کہ روپیہ نہیں دیتا تو بھی اس کا نقصان ہوتا۔ اس کا تو دونوں صورتوں میں ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہہ دینا کہ جب ہوگا دے دیا جائیگا جرم کو کم نہیں کرتا۔ نفس کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ اگر کوئی آپ کے پاس روپیہ رکھتا ہے تو جب مانگے اسے دے دو۔ میرے نزدیک تو خیانت کا یہ مفہوم ہے کہ آپ کا ایک نہایت عزیز بیمار پڑا ہے۔ اور خطرہ ہے کہ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو مر جائیگا۔ اس وقت اگر تمہارے پاس امانت کا روپیہ پڑا ہے۔ اور روپے والا مانگتا نہیں مگر آپ اس میں سے بیمار پر خرچ کر لیتے ہیں اور اسے نہیں دیتے تو یہ خیانت ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ روپیہ جس کا ہے اسے دے دیں اور مریض کو خدا پر چھوڑ دیں۔ پھر خواہ وہ مرے یا جئے۔

پس کبھی کسی کے مال میں خیانت نہ کرو خواہ کس قدر ہی ضرورت کیوں نہ ہو اور خیانت کے مفہوم کو وسیع سمجھو محدود نہ کرو۔

مایوسی

مایوسی بھی گناہ ہے اور خدا تعالےٰ پر بہت بڑا اتہام ہے۔ بہت لوگ ہوتے ہیں جو مصائب کے وقت خیال کر لیتے ہیں کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا مگر مومن کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر تلوار بھی کسی کی گردن پر رکھی ہو اور دشمن اس سے پوچھے کہ اب بھی تو اس سے رہا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو مومن یہی کہے کہ اب بھی رہا ہو سکتا ہوں۔ بعض اوقات بظاہر انتہائی ناکامی سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس حالت میں بھی کامیابی ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات انسان خیال کر لیتا ہے کہ میری کامیابی میں کوئی شبہ ہی نہیں مگر وہ ناکام ہو جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ بظاہر ناامیدی کی حالت میں جس طرح اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے اس

کی حیرت انگیز مثالیں ہیں۔ ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک کافر آیا اور کہنے لگا۔ بتا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لیٹے لیٹے فرمایا۔ مجھے اللہ بچا سکتا ہے۔ اس آواز کا اثر اس پر بجلی کی طرح ہوا۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے اس کا امتحان لینے کے لئے کہ میرے الفاظ کا اس پر بھی کچھ اثر ہوا ہے یا نہیں۔ تلوار اٹھائی۔ اور پوچھا بتا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اس نے کہہ دیا آپ ہی بچائیں تو بچا سکتے ہیں گویا اس نے سبق سن کر بھی کچھ نہ سیکھا۔ آپ نے اسے کہا۔ یہ نہ کہو۔ خدا ہی تم کو بھی بچا سکتا ہے۔ اور چھوڑ دیا۔

ایک شخص نے مجھے لکھا کہ میرے حساب کی پڑتال ہونے والی ہے۔ اور کچھ بھی فروگذاشتیں ہو گئی ہیں۔ کہ ان کی وجہ سے مجھے بہت سا روپیہ بھرنا پڑیگا اور واجب الادا نہیں ہے۔ آپ دعا کریں کہ خدا تعالےٰ مجھے بچائے۔ میں نے اس کے لئے دعا کی اور مجھے معلوم ہوا کہ دعا قبول ہو گئی ہے اور میں نے اس کو لکھ دیا کہ مایوس نہ ہو خدا تعالےٰ تمہیں بچا لیگا۔ پھر جب تحقیقات مکمل ہو چکی اور اس کے ذمہ روپیہ نکالا گیا۔ تو اعلےٰ افسر نے بلا کاغذات کے دیکھنے کے لکھ دیا کہ اس تحقیقات کو داخل دفتر کرو۔ پس مایوس کبھی نہ ہونا چاہیئے خواہ کیسی مشکلات میں گھر جاؤ۔

گالی دینا

گالی دینا بھی عیب ہے اس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے یہ طبعی بات ہے کہ انسان اپنے متعلق بری بات خواہ غلط ہی ہو۔ نہیں سننا چاہتا۔ اس سے اسے تکلیف ہوتی ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ بعض لوگوں کو تو گالیاں دینے کی اس قدر عادت ہوتی ہے کہ ایسی چیزوں کو بھی گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ جو بے جان

ہوتی ہیں یا گالیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتیں۔ مثلاً ذرا جوتی سَنے۔ تو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں یا جانور کو گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ تم مومن بنو۔ اور کوئی ایسا لفظ تمہاری زبان پر جاری نہ ہو جو فحش ہو۔

ڈاڑھی منڈھوانا

مجھ سے ایک دفعہ ایک نوجوان گفتگو کر رہا تھا۔ ڈاڑھی کے متعلق گفتگو تھی چونکہ وہ ہم میں سے ہی تھا۔ اور جانتا تھا کہ ہم ہر مذہبی چیز کو اس کے اصل مقام پر کھڑا کرتے ہیں۔ اس لئے اُس نے یہ خیال کر کے کوشش کی کہ ایسی دلیل پیش کرے جس کے مقابلہ میں خاموش ہونا پڑے۔ اُس نے کہا ڈاڑھی اور رُوحانیت کا تعلق کیا ہے۔ اگر ڈاڑھی کٹ لی جائے۔ تو اُس سے رُوحانی ترقی کس طرح ہو سکتی ہے۔ ڈاڑھی اور رُوحانیت کا جوڑ کیا ہے چند ٹھوڑی کے بال ہیں۔ اگر رکھ لیئے تو رُوحانیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اور نہ رکھنے میں روحانیت میں کیا کمی آ سکتی ہے۔ اور اگر ڈاڑھی کا رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں تو اسے مذہب میں کیوں شامل کیا جاتا ہے۔

میں نے جواب دیا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ڈاڑھی اور رُوحانیت کا آپس میں تعلق نہیں۔ مگر

محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت اور رُوحانیت کی ترقی

کا آپس میں بڑا تعلق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ڈاڑھی کے چھوٹے بڑے ہونے سے رُوحانیت نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے مگر محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت یا عدمِ اطاعت میں اس کی ترقی یا تنزل ضرور ہوتا ہے۔ غرض نسبتی لحاظ سے ایک چیز بڑی اور ایک چھوٹی ہوتی ہے۔ اگر محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور آپ کا نمونہ ہمارے سامنے نہ ہوتا تو جو شخص کہتا کہ ڈاڑھی رکھو اور جو کہتا کہ ڈاڑھی نہ رکھو۔

اور جو کہتا کہ نہ رکھو۔ اور آپس میں اس وجہ سے جھگڑتے۔ میں ان دونو کو بے وقوف سمجھتا لیکن جب خدا کے رسولؐ نے کہا چاہے کسی حکمت سے کہا۔ ہماری سمجھ میں وہ حکمت آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ بہرحال ہمیں اُسے اختیار کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر بسا اوقات جب ہمیں نسخہ دیتا ہے۔ تو کئی دواؤں کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیوں ڈالی گئیں۔ مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ بے وقوفی سے تجویز کیا گیا ہے اس لئے ہم نہیں پیتے۔ بلکہ ڈاکٹر کے نسخہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ کہتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر کا تجویز کردہ نسخہ ہے اور اُس نے ضرور کسی حکمت کے ماتحت دوائیں تجویز کی ہونگی اسی طرح جو شخص خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے۔ اس کا حق ہے کہ کہے یُوں کرو۔ اگر کسی بات کی وجہ ہماری سمجھ میں نہ آئے تو یہ ہماری غلطی ہو گی۔ یہ نہیں کہ وہ بات غلط ہو۔ اسی طرح ڈاڑھی رکھنے کی وجہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس لئے رکھنی چاہیئے۔ فوائد یا عدم فوائد کا سوال نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کا سوال ہے۔ اور آپؐ کی اطاعت کے ساتھ رُوحانیت کا بہت بڑا تعلق ہے۔ (اقتباس از خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

ڈاڑھی اور اسلام

زیادہ بڑی باتوں کو جانے دو۔ منہ پر کچھ بال رکھ لینا کونسی بڑی مصیبت ہے مگر لوگ ڈاڑھی منڈوا دینگے۔ اسے رکھنا پسند نہیں کرینگے اور جب انہیں توجہ دلائی جائے تو کہدینگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کے ساتھ تعلق تھا۔ ان کو اس سے کیا غرض؟ اور اسلام کو اس سے کیا واسطہ کہ کوئی ڈاڑھی رکھتا ہے یا نہیں رکھتا؟ مجھ سے ہی ایک دفعہ کچھ نوجوانوں نے گفتگو کی اور کہا۔ ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسلام کا ڈاڑھی سے کیا تعلق ہے؟ اور اسلام کو اس سے واسطہ کیا ہے کہ ہم اپنے منہ پر چند بال رکھتے ہیں یا نہیں؟ مگر اسلام کو اس بات سے ضرور تعلق ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ

وسلم کی اطاعت کی جائے۔ ان کی باتوں کو قبول کیا جائے اور ان کے نمونہ کو اختیار کیا جائے۔ پس یہ سوال نہیں کہ اسلام کا ڈاڑھی سے تعلق ہے یا نہیں؟

بلکہ سوال یہ ہے کہ اسلام کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے تعلق ہے یا نہیں۔ اگر تعلق ہے تو پھر ضروری ہے کہ ڈاڑھی کے معاملہ میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی چھوٹی سی بات ماننے کے لئے تیار نہیں، اس سے کب توقع ہو سکتی ہے کہ وہ بڑی بڑی قربانیوں کے لئے تیار ہو سکے گا۔ جو شخص ایک پیسہ دینے کے لئے تیار نہیں، ... ہزار روپیہ کہاں دے سکتا ہے؟ جب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ابھی ہماری جماعت اس بات کی محتاج ہے کہ اسے بار بار سمجھایا جائے اور وعظ کیا جائے تو وہ بہت بڑے عظیم الشان تغیرات جو اسلام سے مدنظر ہیں اور جن تغیرات کے پیدا کرنے کے لئے انسان کو اپنا نفس قربان کر دینا پڑتا ہے۔ ان کی باری کب آئیگی؟

(اقتباس از خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ مئی ۱۹۳۶ء از الفضل ۳۶/۵/۲۶)

نفاق اور اس کی اقسام اور علامات

از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے ناظر تعلیم و تربیت

نفاق اور منافق کی تشریح کی ضرورت۔ نفاق اور منافق ایسے الفاظ ہیں کہ جو قریباً ہر مذہبی شخص کی زبان پر کثرت کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔ اور مذہبی مضامین میں کم و بیش ہر قلم ان کے استعمال کا خوگر ہے۔ مگر باوجود اس کثرتِ استعمال کے ان الفاظ کی حقیقت کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اکثر لوگ صرف اس حد تک نفاق کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ ہر چند کہ یہ تعریف غلط نہیں ہے اور نفاق کے عام مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح تعریف ہے مگر ان الفاظ

سے نفاق کے مفہوم کی وسعت اور اس کی اقسام اور علامات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور جب تک کسی ضرر رساں چیز کی وسعت اور اس کی اقسام اور علامات کا پتہ نہ ہو انسان نہ تو خود اس کے نقصان سے بچ سکتا ہے۔ اور نہ ہی دوسروں کی حالت کو پورے طور پر سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نفاق جیسے عام دینی مرض کو کسی قدر تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے نفاق اور منافقوں کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر چونکہ قرآنی آیات کے متعلق غور کرنے کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہے۔ بلکہ بہت کم ہے۔ اس لئے بہت سے لوگ نفاق کی حقیقت کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ لہذا میں اپنے اس مختصر مضمون میں نفاق کی حقیقت اور اس کی اقسام اور علامات کے متعلق کچھ بیان کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نفاق کے لغوی معنی۔ سب سے پہلے ہمیں اس لفظ کے لغوی معنی کے متعلق غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ اصطلاحی معنی کی اصل بنیاد لغوی معنی پر ہوا کرتی ہے اور گو اصطلاح میں جا کر کچھ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر بہرحال لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کا جوڑ ضرور قائم رہتا ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ نفاق ایک عربی لفظ ہے جس کی لغت میں بہت سے معانی مخفی ہیں مگر ان میں سے زیادہ معروف یہ چار ہیں۔

۱۔ کسی چیز کا اپنے اندر کم ہوتے یا گھٹتے یا خرچ ہوتے یا فنا ہوتے جانا۔

۲۔ کسی تجارتی سامان۔ یا مال کا منڈی میں بہت مقبول ہونا۔ حتیٰ کہ چاروں طرف اس کے گاہک نظر آئیں۔

۳۔ ایسا سوراخ جس کے دو منہ ہوں جس میں کوئی چیز یا جانور ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل سکے۔

۴. کسی جانور کی ایسی بل جس کو مخفی رکھنے کے لئے اُس نے اُس کے پاس ہی ایک دوسری بل بھی بنا رکھی ہو مگر یہ دوسری بل محض نمائشی اور جھوٹی ہو۔ اور صرف دھوکا دینے کی غرض سے بنائی گئی ہو جو تھوڑی دُور جا کر بند ہو جاتی ہو۔ اور وہ جانور ان بلوں میں سے جھوٹی اور نمائشی بل کو تو ظاہر کر دے اور اصلی بل کے مُنہ کو چھپا رکھے

یہ وہ معروف چار معنی ہیں جو لغوی طور پر لفظ نفاق کی روٹ میں پائے جاتے ہیں۔ اور ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ کہ نفاق کے اصطلاحی معنی ان چار لغوی معنوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاص طبعی جوڑ رکھتے ہیں۔ موخرالذکر دو لغوی معنوں کے ساتھ تو نفاق کی اصطلاح کا جوڑ ظاہری ہے۔ کیونکہ ان میں صریح طور پر دوغلے پن کا مفہوم پایا جاتا ہے جس کے لئے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ اور اول الذکر لغوی معنی کے ساتھ اصطلاحی نفاق کا جوڑ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ دینی اور روحانی بیماریوں میں سے نفاق ہی ایک ایسی بیماری ہے جس کا مریض خواہ وہ اس بات کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ ہر وقت اپنے اندر گھلتا اور گھٹتا رہتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔ دق کے مریض کی طرح اس کے اندرونی اعضا کو یہ بیماری کھاتی چلی جاتی ہے۔ مگر وہ محسوس نہیں کرتا۔ اور ثانی الذکر معنے کے ساتھ اس کا یہ جوڑ ہے کہ مقبول مال کی طرح ایک منافق بھی بزعم خود اپنے آپ کو سب کے لئے مقبول بنانا چاہتا ہے تاکہ مومن و کافر سب اس کے خریدار رہیں۔

نفاق کے اصطلاحی معنی۔ اب رہا نفاق کے اصطلاحی معنی کا سوال۔ سو ایک تو اس کے معروف معنی ہیں۔ جنہیں ہر شخص جانتا ہے۔ یعنی ظاہر کچھ کرنا اور دل میں کچھ اور رکھنا۔ یہ بالفاظ دیگر ظاہر میں تو ایمان کا اظہار کرنا۔ مگر دل میں کافر ہونا۔ یہ وہ معنی ہیں جن سے کم و بیش ہر شخص واقف ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نفاق کے صرف یہی معنی نہیں ہیں بلکہ اس کے معنوں میں زیادہ وسعت اور زیادہ تنوع ہے اور اس

وسعت اور تنوع کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی اکثر لوگ اپنے مرض کو سمجھنے یا دُوسروں کے متعلق صحیح رائے لگانے میں غلطی کھاتے ہیں۔ قرآن شریف اور حدیث کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ نفاق کا مرض مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم ہے۔

اعتقادی منافق۔ اوّل۔ کوئی شخص دل میں تو منکر اور کافر ہو۔ مگر کسی غرض کے ماتحت اپنے آپ کو مومن ظاہر کرے۔ یہ قسم نفاق کی ایک واضح ترین اور کُھلی کُھلی صُورت ہے۔ جس میں منافق پُوری طرح اپنی دو عملی چال سے واقف ہوتا ہے۔ مگر طمع یا خوف یا عداوت کی غرض سے دانستہ یہ طریق اختیار کرتا ہے اور گو عام حالات میں وہ لوگوں سے اپنی اصلی حالت کو چھپاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی ننگا بھی ہو جاتا ہے۔ احمدیت کے ماحول میں اس نفاق کی مثال یوں سمجھی جائیگی کہ ایک شخص دل میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھتا ہو۔ مگر کسی وجہ سے ظاہر میں جماعت کے اندر شامل ہو جائے یا شامل رہے یا یہ کہ ایک شخص دل میں تو خلیفۂ وقت کو برحق نہ سمجھتا ہو اور اس کی خلافتِ حقہ کا منکر ہو مگر ظاہر میں کسی غرض کے ماتحت بیعت میں شامل ہے اور اپنے آپ کو خلافت کے حلقہ بگوشوں میں ظاہر کرے۔ اس قسم کے منافق کو اعتقادی منافق کہتے ہیں۔ اور جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے احمدیت کے ماحول میں یہ نفاق دو اقسام میں منقسم ہے۔ (الف) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق نفاق۔ (ب) خلیفۂ وقت کے متعلق نفاق۔

کمزور ایمان کا منافق۔ دوم۔ کوئی شخص دل اور ظاہر ہر دو میں تو واقعی مومن ہو۔ مگر اس کے ایمان میں اس درجہ کمزوری پائی جائے کہ بانیٔ سلسلہ یا خلیفۂ وقت یا نظام جماعت کے ساتھ اس کا ایمانی جوڑ اس قدر کمزور ہو کہ وہ کسی دھکے کی برداشت نہ کر سکے۔ اور ہر ابتلاء کے وقت ٹوٹنے کے لئے تیار رہے۔ اس نفاق کو کمزوری ایمان والا نفاق کہنا چاہئے۔ نفاق کی یہ قسم بھی نبوت اور خلافت کے لحاظ سے دو اقسام پر منقسم

سمجھی جائیں گی۔ یعنی ایک تو ایسا منافق جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ناقص الایمان ہے اور کسی دھکے کی برداشت نہیں رکھتا۔ اور دوسرے ایسا منافق جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تو ایک حد تک پختہ ایمان رکھتا ہے۔ مگر خلیفۂ وقت کے متعلق گو بے شک محض دکھاوے کا ایمان نہیں رکھتا مگر اس قدر کمزور ہے کہ ذرا سی ٹھوکر سے ٹوٹ سکتا ہے۔

عملی نفاق۔ سوم۔ کوئی شخص دل اور ظاہر ہر دو میں تو حقیقتاً مومن ہو اور جہاں تک محض ایمان اور عقیدہ کا تعلق ہے۔ اس کا تعلق عام حالات میں محفوظ بھی سمجھا جائے۔ مگر عملی لحاظ سے وہ شخص اس قدر کمزور ہو کہ اس کے اعمال عموماً منکروں کے اعمال کے مشابہ ہوں۔ اس قسم کے منافق کو عملی منافق کہتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس جگہ عملی کمزوری سے عام عملی کمزوری مراد نہیں جو کم و بیش اکثر اشخاص میں پائی جاتی ہے بلکہ ایسی کمزوری مراد ہے جو انسان کو کفار اور منکروں کے مشابہ بنادے اور خصوصاً یہ کہ دین اور نظام جماعت کے لئے محبت اور غیرت اور قربانی کا جذبہ عملاً مفقود ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ انسان جماعت کی ترقی میں کوشاں نہ ہو بلکہ عملاً اس پر روڑے اٹکانے والا ثابت ہو۔

منافقین کا ذکر قرآن میں۔ یہ وہ تین موٹی قسمیں ہیں جن میں نفاق کا مرض تقسیم شدہ ہے اور قرآن شریف نے ان تینوں اقسام کے متعلق علیحدہ علیحدہ تشریح کے ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً پارہ اول کے شروع میں ہی قرآن شریف فرماتا ہے۔ ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ یخٰدعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔۔۔۔ واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون (سورہ بقرہ رکوع ۲) یعنی لوگوں میں ایک گروہ ہے جو کہتا ہے کہ ہم خدا اور یوم آخرت پر

ایمان لاتے ہیں۔ مگر دراصل وہ مومن نہیں ہوتے۔ وہ خدا اور مومنوں کی جماعت کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر اس دھوکے کا وبال خود انہی پر پڑتا ہے۔ لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ مگر جب اپنے شیطان رئیسوں کے ساتھ خلوت میں اکٹھے ہوتے ہیں تو انہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصل میں تمہارے ساتھ ہیں۔ ان مومنوں کو تو ہم یونہی بناتے ہیں۔ جیساکہ اس عبارت سے ظاہر ہے۔ اس جگہ قسم اوّل والا نفاق مُراد ہے یعنی جانتے بوجھتے ہوئے دل میں کچھ رکھنا اور ظاہر کچھ اور کرنا اور یہی وہ خالص نفاق ہے۔ جس کے متعلق دوسری جگہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (سورہ النساء ۲۱) یعنی منافقین کا یہ گروہ ایسا ہے کہ انہیں دوزخ میں کافروں سے بھی نیچے کے درجہ میں رکھا جائیگا کیونکہ ان کا جُرم دُہرا ہے یعنی وہ کافر بھی ہیں اور منافق بھی۔

اس سے کچھ آگے چل کر اسی رکوع میں قرآن شریف کمزور ایمان والے منافقوں کا ذکر فرماتا ہے جسے ہم نے قسم دوم میں رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے او کصیب من السماء فیہ ظلمات و رعد و برق کلما اضاء لھم مشوا فیہ و اذا اظلم علیھم قاموا (البقرہ ع ۲) یعنی ایک قسم منافق لوگوں کی ایسی ہوتی ہے کہ اس کی مثال اس بارش کی سی سمجھنی چاہئے جس میں بادلوں کی تاریکیاں اور گرج اور بجلی پائے جاتے ہوں۔ جب یہ بجلی چمکتی ہے یعنی جب خدا کا نور کسی چمکتے ہوئے نشان یا آیت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو یہ لوگ خوش ہو کر ایمان کے راستہ پر چل پڑتے ہیں۔ مگر جب ابتلاؤں وغیرہ کی تاریکیاں زور کرتی ہے۔ تو پھر یہ لوگ شک میں پڑ کر کھڑے ہو جاتے اور چلنے سے رُک جاتے ہیں۔ یہ گویا نفاق کی دوسری قسم ہے جسے کمزوریٔ ایمان والا نفاق کہنا چاہئے۔

اور منافقوں کی تیسری قسم کا ذکر سورۃ حجرات میں آتا ہے جہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبھم ..... انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ (سورۃ الحجرات ع ۲)

یعنی کئی بادیہ نشین لوگ منہ سے یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں مگر اے رسول تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم ابھی مومن نہیں ہو۔ ہاں بیشک تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے اسلام کی حکومت کو اپنے اوپر تسلیم کر لیا ہے۔ ورنہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ..... اصلی مومن تو وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر حقیقی ایمان لاتے ہیں اور پھر وہ اس ایمان میں ڈگمگاتے نہیں۔ بلکہ اپنے اموال اور نفس کی طاقتوں کے ذریعہ خدا کے راستہ میں ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں۔ یہ قسم عملی نفاق کی ہے جسے ہم نے تیسرے درجہ پر بیان کیا ہے۔ اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ اس جگہ نفاق کا لفظاً ذکر نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری جگہ سورۃ توبہ میں یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ اعراب کے گروہ میں ایک خاص قسم کا منافق طبقہ موجود ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق۔ (سورہ توبہ رکوع ۱۳) یعنی تمہارے اردگرد صحرا میں رہنے والے اعراب میں بھی ایک گروہ منافقین کا موجود ہے۔ مگر مدینہ کے اندر رہنے والے منافق اپنے نفاق میں بہت سرکش اور پختہ ہیں۔

الغرض یہ تین قسمیں نفاق کی ہیں جو قرآن شریف اور عقل انسانی ہر دو سے ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل۔ خالص نفاق کہ دل میں کفر ہو اور ظاہر میں ایمان۔ دوسرے کمزوریِ ایمان والا نفاق کہ دل میں کفر تو نہ ہو مگر بات بات میں شکوک کا اندیشہ رہے اور تیسرے عملی نفاق کہ انسان مومنوں کی جماعت میں تو شامل ہو اور جماعت کے نظام کو بھی قبول کرے اور عقیدہ میں بھی ایک حد تک پکا ہو مگر اس کی عملی حالت اس

قدر کمزور ہو کر جماعت کی ترقی میں ممد و معاون ہونے کی بجائے وہ عملاً جماعت کی ترقی کے رستہ میں روک بن جائے اور اس کے اعمال منکروں کے اعمال سے مشابہ ہیں۔

احادیث میں منافقوں کی علامتیں۔ حدیث میں بھی جو علامتیں منافق کی بیان ہوئی ہیں۔ ان میں ان جملہ اقسامِ نفاق کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً ومن کانت فیہ خصلۃ کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا۔ اذا اؤتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر (مشکوۃ باب علامات النفاق بحوالہ بخاری ومسلم) یعنی چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی شخص میں ایک ہی وقت اکٹھی پائی جائیں تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ شخص خالص منافق ہے۔ اور اگر کسی شخص میں ان میں سے صرف ایک خصلت پائی جائے تو ایسے شخص میں ایک خصلت نفاق کی سمجھی جائیگی حتی کہ وہ اسے ترک کر کے تائب ہو جائے اور وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ:-

(۱) جب کسی شخص کو امامِ جماعت یا نظامِ جماعت کی طرف سے کوئی امانت سپرد ہو خواہ وہ کوئی مالی امانت ہو یا کسی عہدہ وغیرہ کی ذمہ داری کے رنگ میں ہو۔ تو وہ اس میں خیانت کرے۔

(۲) جب وہ امام جماعت یا دوسرے ذمہ دار افسروں کی طرف منسوب کر کے لوگوں کے سامنے کوئی بات بیان کرے تو اس میں کذب بیانی سے کام لے۔ یا جب وہ امورِ خوف و امن کے متعلق امامِ جماعت یا اس کے مقرر کردہ افسران کے پاس کوئی رپورٹ کرے تو اس میں غلط بیانی کا مرتکب ہو۔

(۳) جب وہ امامِ جماعت یا عہدہ دارانِ جماعت سے جماعتی امور میں کوئی عہد باندھے تو اس میں غداری کرے۔

(۴) جب اسے امام جماعت یا نظام جماعت سے کوئی اختلاف پیدا ہو تو اس

اختلاف کی بنا پر وہ جماعت سے یا تو عملاً منحرف ہو جائے یا بالکل قطع کر لینے کے لئے تیار ہو جائے۔ (یاد رکھنا چاہئے کہ فجر کے معنی صرف بدزبانی اور فحش گوئی کے نہیں ہیں بلکہ منحرف ہو جانے اور قطع تعلق کرنے کے بھی ہیں اور اس جگہ حدیث میں یہی معنی مُراد ہیں۔
یہ وہ چار خصائل ہیں کہ جب کسی شخص میں وہ یک جا پائے جائیں تو وہ یقیناً قسم اوّل کا منافق ہوگا۔ اور اُس کے ایمان کا دعوٰے بالکل جھوٹا سمجھا جائیگا۔ لیکن اگر یہ چار خصائل یکجا نہ پائے جائیں۔ بلکہ ان میں سے صرف بعض پائے جائیں اور بعض نہ پائے جائیں۔ تو ایسا شخص خالص منافق نہیں ہوگا بلکہ حسب حالات دوسری اقسام میں سے سمجھا جائیگا۔
اس حدیث کی تشریح کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ جو چار کمزوریاں حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے عام لین دین کی کمزوریاں مُراد نہیں ہیں۔ کیونکہ عام رنگ کی کمزوریاں تو بعض اوقات ایک اچھے مومن میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ پس ان سے عام کمزوریاں مُراد نہیں۔ بلکہ تعلقات مابین الافراد والجماعت کے دائرہ کی کمزوریاں مُراد ہیں۔ کیونکہ نفاق کے مرض کو اسی حلقہ کے ساتھ مخصوص تعلق ہے۔ اور گو اس میں شبہ نہیں کہ یہ کمزوریاں ایسی قبیح ہیں کہ عام رنگ میں بھی وہ جس کے اندر پائی جائیں وہ کم از کم پختہ مومن نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن چونکہ نفاق کا تعلق تعلقات مابین الافراد اور جماعت سے ہے۔ اس لئے حدیث مندرجہ بالا میں اسی دائرہ کی کمزوریاں مُراد ہیں۔ بہر حال نفاق کی یہ چار علامتیں ہیں جو حدیث نے بیان کی ہیں۔ اور یہ علامتیں کم و بیش تینوں قسم کے منافقوں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی قسم اوّل کے منافق میں جسے حدیث نے خالص منافق کے نام سے یاد کیا ہے۔ وہ سب کی سب پائی جاتی ہیں اور باقی اقسام میں حسب حالات جزوًا پائی جاتی ہیں۔

نفاق کیا ہے؟ مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ منافق تین قسم کے یا ایک لحاظ سے پانچ قسم کے ہیں۔ اور ان اقسام کی روشنی میں ہر وہ شخص نفاق کے مرض میں مبتلا سمجھا

جائیگا جو:- اوّل - بظاہر تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسّلام پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے۔ مگر دل میں آپ کا منکر اور کافر ہو۔ دوم ۔حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر تو دل سے ایمان لاتا ہو اور بظاہر خلیفہ وقت کی بیعت میں بھی داخل ہو مگر دل میں خلیفہ وقت کو سچا نہ سمجھتا ہو۔ سوم ۔حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو دل میں اور ظاہر میں ہر دو طرح سچا سمجھتا ہو مگر اس قدر کمزور ایمان ہو کہ ذرا سے دھکے سے متزلزل ہونے لگے چہارم خلیفہ وقت کو دل میں اور ظاہر میں ہر دو طرح برحق خیال کرتا ہو۔ مگر خلافت کے متعلق اس قدر کمزور ایمان ہو کہ بات بات پر گرنے کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ پنجم جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور خلیفہ وقت ہر دو کے متعلق سچا اعتقاد رکھتا ہو۔ مگر اس اعتقاد کا اثر اس کے اعمال تک نہ پہنچے۔ اور جماعت کے لئے محبت اور غیرت اور قربانی کے معاملہ میں اس درجہ کمزور ہو کہ خواہ عام ایمانی ابتلاؤں میں سنبھلا رہے مگر جماعت کی ترقی میں ممد معاون ہونے کی بجائے عملاً اس کے رستہ میں ایک روک بن جائے۔ اور اُس کے اعمال غیروں کے اعمال کے مشابہ ہوں۔

منافق کی علامات - اس کے مقابل پر جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے منافق کی علامات یہ ہیں۔ اوّل جب امامِ وقت یا جماعت کی طرف سے اس کے ذمہ کوئی کام یا فرض لگایا جائے تو وہ اُس میں خیانت سے کام لے۔

دوم ۔جب وہ امام جماعت یا کسی ذمہ دار افسروں کی طرف منسوب کر کے لوگوں کے سامنے کوئی بات بیان کرے تو اس میں کذب بیانی سے کام لے۔ اسی طرح جب کوئی رپورٹ امور خوف وامن کے متعلق جماعتی اُمور میں امام جماعت یا منتظمین کو دے تو اس رپورٹ میں دروغگوئی کا طریق اختیار کرے۔

سوم ۔جب وہ خلیفہ وقت یا جماعت کے ساتھ کوئی عہد باندھے خواہ وہ عہد عملاً باندھا

گیا ہو یا قولاً تو اس عہد میں غداری کرے۔
چہارم ۔ جب امام وقت یا منتظمین مقررہ کے ساتھ اُسے کسی بات میں اختلاف پیدا ہو۔ تو وہ جماعت سے یا تو عملاً منحرف ہو جانے یا بالکل قطع تعلق کر لینے کیلئے تیار ہو جائے۔
ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ ان جملہ اقسام نفاق اور ان جملہ علامات نفاق کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں اور انہیں ہمیشہ یاد رکھیں تاکہ اوّل تو اپنے نفسوں کا محاسبہ کرنے میں انہیں مدد مل سکے۔ دوسرے دیگر افرادِ جماعت کی حالت کا مطالعہ کرنے اور رائے قائم کرنے میں بھی بصیرت پیدا ہو۔ نیز یہ سہولت بھی پیدا ہو جائے کہ جب کوئی شخص اس مرض میں مبتلا ہوتا نظر آئے تو اوائل مرض میں ہی اس کی طرف توجہ دی جا سکے۔ قبل اس کے کہ اس کا مرض لاعلاج حد کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو۔ اور اپنی رضا کے رستوں پر چلنے اور ایمان و اخلاص کی مستحکم چٹان پر قائم ہونے کی توفیق دے۔ آمین (از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے)

منافق قوم کے لئے ناسور ہوتا ہے

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء کا کچھ اقتباس منافقت کی مزید تشریح کے لئے درج کیا جاتا ہے۔
"منافق لوگ درحقیقت ہر زمانہ میں ہوتے ہیں خواہ وہ حضرت موسیٰ کا زمانہ ہو۔ خواہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ اور خواہ موجودہ زمانہ۔
پھر ہر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو حقیقی اخلاص رکھتے ہیں۔ ہماری جماعت میں بھی اس وقت دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ وہ بھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہی فرما دیا تھا کہ مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ یعنی کچھ تو ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ انہوں نے

کہا تھا۔ اسے پورا کر دکھایا۔ اور کچھ ایسے ہیں جو ابھی اس انتظار میں ہیں کہ انہیں کب قربانی کا موقع میسر آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ پھر وہ بھی ہیں جو اپنی زبان کی تائید اور نصرت سے ایسے نمایاں اور بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں کہ گویا اگلے پچھلے تمام مومنوں کا اخلاص جمع کر کے انہیں دے دیا گیا ہے۔

لیکن جب قربانی کا وقت آتا ہے۔ جب خدمت دین کا موقع آتا ہے تو وہ اس طرح پھسل جاتے ہیں جس طرح مچھلی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ وہ ہر مجلس میں آگے بڑھ کر باتیں بنائیں گے رونہ پر ان کے قربانی ہوتی ہے لیکن دل میں نفاق ہوتا ہے۔ وہ ایک ملنگے کی نورانی چادر اوڑھنا چاہتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ جب ان کے دل سیاہ ہیں تو یہ مانگی ہوئی چادر انہیں کیونکر سفید کر سکے گی اور نہیں سمجھتے کہ دوسرے سے مانگی ہوئی سفیدی انسان کو روشن نہیں کیا کرتی بلکہ اندر کی سفیدی انسان کو روشن کیا کرتی ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں نور نہ ہو تو اس کے چہرے پر بھی نور نہیں آتا۔ اسی لئے منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی باتوں کی طرف نہ دیکھو۔ بلکہ ان کے چہروں کی طرف دیکھو تمہیں نظر آ جائیگا کہ ان پر نور نہیں۔ ان کے چہرے دلالت کرتے ہیں کہ تقویٰ۔ اخلاص۔ محبت اور قربانی کی ان لوگوں میں کمی ہے۔ جب کبھی قربانی کا مضمون بیان ہو رہا ہو تو تم دیکھو گے یَتَسَلَّلُوْنَ لِوَاذًا وہ ایچ پیچ کر کے اس سے نکل جاتے ہیں۔ ہاں جب اپنے فائدہ کی بات ہو تو پھر سب سے بڑے مدعی وہی بن جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ ہم ایسے اور ہم ایسے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ہمارے اندر بھی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ جہاں ہم مخلصین کو بڑھانے کی کوشش کریں وہاں ہم دوسروں کو گھٹانے کی کوشش کریں۔ نفاق قوم کے لئے ناسور ہوتا ہے۔ جس طرح ناسور جس جسم میں پیدا ہو جائے اسے گلاتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح منافق بھی جس قوم میں ہو گے ہلاکت کے قریب کرتا چلا جاتا ہے۔

تم نے ناسور کا مریض دیکھا ہوگا۔ بظاہر اس کا سارا جسم اچھا ہوتا ہے اور کسی ایک مقام پر باریک سا سوراخ ہوتا ہے۔ کبھی ہاتھ پر اور کبھی اور کسی حصۂ جسم پر۔ لیکن وہ ذرا سا زخم اندر ہی اندر انسان کو گلاتا چلا جاتا ہے۔ اگر ایک جگہ سے اچھا ہو جائے تو دوسری جگہ سے نکل آتا ہے اور اگر وہاں سے اچھا ہو جائے تو تیسری جگہ سے پھوٹ پڑتا ہے۔ یہی کیفیت نفاق کی ہوتی ہے۔ بظاہر ایسا شخص تندرست معلوم ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معمولی بیماری ہے۔ لیکن وہ ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ جس طرح ناسور کی بیماری رُوح اور جان کو گھلائے چلی جاتی ہے۔ تندرستوں کے زمرہ سے نکال دیتی ہے اور موت کے قریب کر دیتی ہے اسی طرح نفاق کا بیمار بھی روحانی موت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور روحانی زندگی سے لطف اُٹھانے کا موقع اسے میسر نہیں آتا۔ بظاہر اس کے تمام حالات درست ہوتے ہیں۔ لیکن وہ چھوٹا سا نظر آنے والا آزار روزانہ اس کی حالت کو بد سے بدتر بناتا چلا جاتا ہے۔ یاد رکھو نفاق اور ایمان میں لمبا فاصلہ نہیں ہوتا۔ بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید منافقوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔ وہ خود نفاق کی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور حیران ہوتے ہیں کہ نفاق کیا ہوتا ہے۔ دراصل نفاق بھی جنون کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح پاگل آدمی کبھی یہ نہیں مانتا کہ وہ پاگل ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نہیں دوسرے پاگل ہیں۔ اور جب اسے علاج کے لئے کہو تو وہ کہیگا۔ میں تو بالکل اچھا ہوں اسی طرح منافق سمجھتا ہے کہ میں منافق نہیں اور خیال کرتا ہے کہ میں مصلح ہوں۔ حالانکہ وہ مفسد ہوتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں بھی آتا ہے کہ جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو مصلح ہیں مفسد نہیں غرض نفاق اور ایمان میں بہت چھوٹی سی دیوار ہے اتنی چھوٹی کہ وہ ذرا سی ٹھوکر سے ٹوٹ جاتی ہے اور انسان کو مومنوں کے زمرہ سے نکال کر منافقوں میں شامل کر

دی ہے۔ منافقوں کی علامات بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جب روایت کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ تبادلہ کلام ہو تو گالیوں پر اتر آتا ہے۔ وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ تین منافقوں کی بڑی علامتیں ہیں۔ منافق ہمیشہ گالیاں دینے والا۔ جھوٹ بولنے والا اور وعدہ خلافی کرنے والا ہوگا۔ سب سے بڑی وعدہ خلافی تو یہ ہے کہ خدا سے عہد کرتا اور پھر مکر جاتا ہے اور باایں ہمہ وہ نادان خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے انعامات اُسے حاصل ہو جائیں گے اور وہ جنت میں داخل ہو سکیگا۔ حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے لئے جہنم تیار کر رہا ہے اور روز بروز اللہ تعالیٰ کے انعامات سے محروم ہو رہا ہے۔ (الفضل)

سُودی لین دین

ایمان ایک بڑی بابرکت چیز ہے۔ مومن کو اللہ تعالیٰ ایسی مشکلات میں نہیں ڈالتا۔ مومن اپنے رب کی نسبت یقین رکھتا ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ مومن کو یہ ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو وہ خود کفیل ہو جاتا ہے۔ سُود تو کوئی چیز نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مومن کو کہتا کہ تُو زمین کا پانی نہ پیا کر۔ تو میں ایمان رکھتا ہوں کہ اس کو آسمان سے پانی ملتا۔ جس قدر ضعف اور لاچاری ہوتی ہے اسی قدر ایمان کی کمزوری ہوتی ہے کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جب تک اللہ تعالیٰ توفیق اور قوت نہ دے۔ جب وہ قوت عطا کرتا ہے تو پھر سہولت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اگر عذر نکال نکال کر گناہ کئے جائیں۔ جیسے مثلاً کہتے ہیں کہ سُودی روپیہ لئے بغیر گزارہ نہیں۔ تو پھر عذروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی کتاب کے کسی حکم پر عمل نہ ہو۔ سب باستثناء ول

کا تجربہ یہی ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ رحمت کا دروازہ نہ کھولے۔ کچھ بھی نہیں بنتا افسوس یہ ہے کہ جیسا بھروسہ انسان مخلوق کے دروازوں پر رکھتا ہے۔ اگر اپنے خالق کے دروازہ پر رکھے تو کبھی محتاج نہ ہو۔ مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کرتے

(ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام) (الحکم ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء)

عیال سے بد اخلاقی

سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

اللہ جلشانہ فرماتا ہے عاشروھن بالمعروف۔ یعنی اپنی بیویوں سے تم ایسے معاشرت کرو جس میں کوئی امر خلافِ اخلاق معروفہ کے نہ ہو۔ اور کوئی وحشیانہ حالت نہ ہو۔ بلکہ ان کو اس مسافر خانہ میں اپنا ایک دلی رفیق سمجھو اور احسان کے ساتھ معاشرت کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خیرکم خیرکم لاھلہ یعنی تم میں سے بہتر وہ انسان ہے جو بیوی سے نیکی سے پیش آئے اور حسن معاشرت کے لئے اس قدر تاکید ہے کہ میں اس خط میں لکھ نہیں سکتا عزیز من انسان کی بیوی ایک مسکین اور ضعیف ہے جس کو خدا نے اس کے حوالہ کر دیا۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک انسان اس سے کیا معاملہ کرتا ہے۔ نرمی برتنی چاہیئے اور ہر ایک وقت دل میں خیال کرنا چاہیئے کہ میری بیوی ایک مہمان عزیز ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے اور وہ دیکھ رہا ہے کہ میں کیونکر شرائط مہمانداری بجا لاتا ہوں۔ اور میں ایک خدا کا بندہ ہوں۔ اور یہ بھی ایک خدا کی بندی ہے۔ مجھے اس پر کونسی زیادتی ہے۔ خونخوار انسان نہیں بننا چاہیئے بیویوں پر رحم کرنا چاہیئے اور ان کو دین سکھلانا چاہیئے۔ درحقیقت میرا یہی عقیدہ ہے کہ

اخلاق کے امتحان کا پہلا موقعہ اُس کی بیوی ہے۔ میں جب کبھی اتفاقاً ایک ذرہ درشتی اپنی بیوی سے کروں۔ تو میرا بدن کانپ جاتا ہے کہ ایک شخص کو خدا نے صدہا کوس سے میرے حوالے کیا ہے شاید معصیت ہوگی کہ مجھ سے ایسا ہوا۔ تب میں ان کو کہتا ہوں کہ تم اپنی نماز میں میرے لئے دعا کرو کہ اگر یہ امر خلاف مرضی حق تعالےٰ ہے تو مجھے معاف فرمائے۔ اور میں بہت ڈرتا ہوں کہ ہم کسی ظالمانہ حرکت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ سو میں امید رکھتا ہوں کہ آپ بھی ایسا ہی کریں گے۔ (الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء)

بدتہذیبی کی یادگار

جو لوگ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور جو اصلاح نفس اور اصلاح ابنائے جنس کے خواہاں ہیں۔ اُنہیں گالیوں سے قطعی پرہیز کرنا چاہیئے زبان ہی انسان کی تہذیب کا پہلا معیار ہے اور گفتار کا اثر انسان کے افعال اور اخلاق پر ہوتا ہے کبھی کوئی شخص مہذب نہیں بن سکتا جب تک اُس کی زبان مہذب نہ ہو۔ گالیاں بدتہذیبی کا نشان ہیں اور بے تہذیبی کی یادگار ہیں۔ اور ہر ایک شخص کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ ان سے احتراز کرے اور اپنی اولاد کو ایسے لوگوں کی ہمنشینی سے بچائے جو دُشنام دہی کے عادی ہیں۔ گالیوں کی عادت نہ صرف انسان کو اخلاقی اور رُوحانی اصلاح سے باز رکھتی ہے بلکہ اچھی صحبت میں بیٹھنے کے ناقابل کر دیتی ہے اور خودداری اور غیرت کا مادہ دُور کر دیتی ہے۔ اس لئے کہ جو دُوسروں کو بُرا کہتا ہے۔ وہ سنتا بھی ضروری ہے۔

دہن خویش بدشنام میالائے صائب
کیں زرِ قلب بہر کس کہ دہی باز دہی

(مقتبس)

الملتقطات والمقتبسات

(۱) کلمۂ توحید کی تفسیر

سمجھنا چاہئے کہ میں کئی بار ظاہر کر چکا ہوں کہ ہمیں صرف اتنے پر خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ قرآن شریف کے پڑھنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف زبان پر راضی نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں یہودیوں کے قصے درج ہیں ان پر خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے فضل پہلے ہوئے لیکن جب ان پر ایسا زمانہ آیا کہ ان کی باتیں صرف زبان تک محدود رہ گئیں۔ اور ان کے دل دغا اور خیانت اور خیالات بد سے پُر ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذاب ان پر وارد کئے۔ اور یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو بندر اور سؤر لکھا گیا ہے۔ حالانکہ توریت اور زبور ان کے پاس تھی۔ اور وہ اس پر ایمان ظاہر کرتے تھے اور سارے نبیوں کو مانتے تھے۔ لیکن خدا نے ان کو پسند نہ کیا کیونکہ ان کی باتیں صرف زبان پر تھیں اور ان کے دلوں میں کچھ نہ تھا۔ خدا اس کو پسند نہیں کرتا۔ جس کے پاس صرف زبان ہو اور دل میں کچھ نہ رکھتا ہو۔ خوب یاد رکھو۔ ہرگز اتنے پر خوش نہ ہو کہ تم زبان سے اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہو جو ایمان صرف زبان پر ہے اور دل کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا وہ گندہ ناکارہ اور کمزور ہے۔ وہ نہ اس جہان میں تمہارے کسی کام آسکتا ہے اور نہ اس جہان میں جب تک انسان کا دل سب باتوں کو چھوڑ کر صرف خدا کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔ اور درحقیقت دین دُنیا پر مقدم نہ ہو جائے۔ تب تک خدا راضی نہیں ہوتا۔ مخلوق کو تم دھوکا دے سکتے ہو۔ ظاہری نمازیں پڑھ سکتے ہو۔ ظاہری روزے رکھ سکتے ہو۔ مگر یہ دھوکا مخلوق کو دیا جا سکتا ہے خدا تمہارے دھوکہ میں نہیں آسکتا۔ اتنے پر خدا تم سے راضی نہیں ہوگا کہ تم زبان سے کلمہ پڑھتے

ہو اور کلمہ گو کہلاتے ہو۔

کلمہ شریف کا مفہوم ۔کلمہ کے معنی کی طرف غور کرو۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔انسان زبان سے اقرار کرتاہے اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں۔ اِلٰهٌ ایک عربی لفظ ہے اور اس کے معنی معبود اور محبوب اور اصل مقصود کے ہیں۔ یہ کلمہ قرآن شریف کا خلاصہ ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔ اکثر لمبی کتابوں کو یاد کرنا ہر ایک کے واسطے مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے ایک مختصر سا کلمہ سنا دیا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جب تک خدا کو مقدم نہ کیا جاوے جب تک خدا کو معبود نہ بنایا جاوے۔ جب تک خدا کو مقصود نہ ٹھہرایا جاوے۔ انسان کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ بہشت میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اور صرف لفظوں سے انسان بہشت میں داخل ہو سکیگا۔ خدا تعالیٰ الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا وہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت اس کلمہ کے مفہوم کو اپنے دل میں داخل کر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عظمت پورے رنگ کے ساتھ ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص سچے طور پر کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے تو بجز خدا کے اور کوئی اس کا پیارا نہیں رہتا۔ بجز خدا کے کوئی اس کا معبود نہیں رہتا۔ اور بجز خدا کے کوئی اس کا مطلوب باقی نہیں رہتا۔ وہ مقام جو ابدال کا مقام ہے۔ اور وہ جو قطب کا مقام ہے اور وہ جو غوث کا مقام ہے وہ یہی ہے کہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر دل سے ایمان ہو۔ اور اس کے سچے مفہوم پر عمل ہو۔ یہ فخر مت کرو کہ

ہم کسی بت کی پرستش نہیں کرتے۔ اور نہ کسی انسان کی پوجا کرتے ہیں۔ بت پرستی اور انسان پرستی سے پرہیز تو ایک موٹی بات ہے ہندو جو حقائق اور معارف نہیں جانتا۔ وہ بھی اب تو بتوں سے پرہیز کرتا ہے۔ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا مفہوم اس پر ختم نہیں ہو جاتا کہ بتوں کی پوجا سے تم پرہیز کرو۔ بلکہ اس کے سوائے اور بہت سے جھوٹے معبود ہیں۔ اور ان سب کا ترک کرنا لازمی امر ہے۔

جیساکہ انسان کا ہواؤ ہوس کے پیچھے چلنا۔ اور اتباعِ شہوات کرنا اور طرح طرح کی بدیوں کی پیروی کرنا۔ یہ سب انسان کے واسطے بت ہیں جن کی وہ پوجا کرتا ہے اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں سب کی نفی کی گئی ہے۔ یہ کلمہ شریف ایک اللہ کے سوا تمام الہوں کی نفی کرتا ہے۔ تمام انفسی اور آفاقی الٰہ باہر نکال کر اپنے دل کو ایک اللہ کے واسطے پاک صاف کرنا چاہیئے۔ بعض بُت ظاہر ہیں۔ مگر بعض بُت باریک ہیں۔ مثلاً خدا تعالےٰ کے سوائے اسباب پر توکل کرنا بھی ایک بُت ہے۔ مگر یہ ایک باریک بُت ہے جیساکہ عالم جسمانی میں بعض بیماریاں باریک ہوتی ہیں۔ مثلاً تپ دق۔ اور بعض بیماریاں موٹی ہوتی ہیں۔ مثلاً تپ محرقہ کو دیکھنے والا فوراً کہہ دیتا ہے کہ یہ بیمار معرضِ ہلاکت میں ہے۔ ایسا ہی بعض موٹے اور ظاہری بُت ہیں۔ ان سے مخلصی سہل ہے۔ دیکھو ایک زمانہ تھا کہ تمام پنجاب ہندوستان بُت پرستوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن ان کا بہت حصّہ مسلمان ہوگیا جو ہمارے سامنے موجود ہے اور جو باقی رہ گئے وہ بھی بُتوں سے نفرت کرتے جاتے ہیں۔ ان بُتوں کے بیکار ہونے کی یہی دلیل موجود ہے کہ خود بُت پرستوں نے بھی اُن کو شناخت کیا اور چھوڑ دیا۔ لیکن وہ باریک بُت جو لوگ اپنی بغلوں کے اندر دبائے پھرتے ہیں ان کا نکالنا ایک مشکل امر ہے۔ بڑے بڑے فلسفی اور حکیم ان کو اپنے اندر سے نہیں نکال سکتے۔ وہ نہایت باریک کیڑے ہیں جو کہ خدا تعالےٰ کے بڑے فضل کی خوردبین کے سوائے نظر نہیں آسکتے۔ وہ بڑا ضرر انسان کو پہنچاتے ہیں۔ وہ بُت جذباتِ نفسانی کے ہیں جو کہ انسان کو خدا تعالےٰ اور اپنے ہم جنسوں کی حقوق تلفی میں حد سے باہر لے جاتے ہیں۔ بہت سے پڑھے لکھے عالم کہلاتے ہیں اور فاضل کہلاتے ہیں اور مولوی کہلاتے ہیں اور حدیثیں پڑھتے ہیں۔ اپنے آپ میں ان بُتوں کی شناخت نہیں کرسکتے اور اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ ان بُتوں سے بچنا بڑے بہادر آدمی کا کام ہے۔ جو لوگ ان بتوں کے پیچھے لگتے ہیں۔ وہ آپس میں نفاق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق تلف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک شکار مارا ہے۔ حد سے زیادہ اسباب پر زور مارتے ہیں اور ان کا تمام بھروسہ ان اسباب

ہی پر ہوتا ہے۔ جب تک ان باتوں کا قلع قمع نہ کیا جائے توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ بہت سے لوگ اصل حقیقت کو نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ کیا ہم کلمہ نہیں پڑھتے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑیگا بیشک نہیں پڑھتے۔ کلمہ بیہودہ نہیں کہ وہ بے اثر ہو۔ کلمہ طیبہ کو اگر کوئی شخص دل سے پڑھے اور اس پر کاربند ہو تو وہ دین دُنیا کے امور کے واسطے کافی ہے۔ میں اس جگہ ایک معمولی واعظ کی طرح کھڑا ہو کر باتیں نہیں کرتا۔ بلکہ میں اپنی شہادت پیش کرتا ہوں کہ اس کلمہ کے کس قدر فوائد عظیم ہیں۔ کوئی چاہے قبول کرے چاہے نہ کرے۔

مگر بات یہی سچ ہے جو میں اس جگہ بیان کرتا ہوں۔ میں اپنی جماعت میں ہی دیکھتا ہوں۔ کئی بلکہ بہت ایسے ہیں کہ جس توحید کی طرف خدا انہیں بلاتا ہے وہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ خدا کے واحد ماننے کے ساتھ یہ لازم ہے کہ اس کی مخلوق کی حق تلفی نہ کی جاوے۔ جو شخص اپنے بھائی کا حق تلف کرتا ہے اور اس کی خیانت کرتا ہے وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا قائل نہیں۔ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے اندر سے وہ تمام بت نکل جاویں جن کی وجہ سے وہ حسد۔ بغض۔ ریاکاری۔ غیبت۔ خیانت وغیرہ بلاؤں میں گرفتار ہوتا ہے۔ جب تک یہ چیزیں اپنے اندر سے نکال نہ لے۔ تب تک وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کہنے میں کیونکر سچا قرار دیا جاسکتا ہے۔ جب تک کُل کی نفی نہ کی جاوے۔ تو صرف منہ سے کہہ دینا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ خدا کو واحد لاشریک وہی سمجھتا ہے۔ جو نفسانی جذبات کے وقت حسد اور غصہ کو ایک دم میں اپنا خدا نہیں لیتا جب تک کہ کل جھوٹے معبود جو کہ چوہوں کی طرح انسان کے دل کی زمین کو دو بازہ کرتے ہیں بھسم نہ کر دئے جائیں۔ تب تک انسان صاف نہیں ہو سکتا جیسا کہ زمینی چوہے طاعون لانے والے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی یہ چوہے انسان کے دل کو خراب کر کے اُسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس بات کو غور سے سنو اور خوب یاد رکھو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس مجمع میں جو لوگ جمع ہیں۔ ان میں سے سال آیندہ تک کون زندہ ہوگا اور کون زندہ نہ ہوگا۔ اس بات پر ہرگز فخر نہ کرو کہ ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے ہیں جب

تک کہ اس کے اصل مفہوم کو حاصل نہ کر لو۔ ہزاروں آریہ اور برہمو اور یہودی موجود ہیں جو کہ اپنے آپ کو توحید کا قائل بتلاتے ہیں۔ مگر مقبول وہ ہیں۔ جو عمل کرتے ہیں۔

(ماخوذ از تقریر حضرت مسیح موعود جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء)

آزادی

یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا میں کسی شخص کو بھی آزادی حاصل ہے۔ اس میں رسول ہو پیغمبر ہو حکیم ہو۔ بادشاہ ہو امیر ہو غریب ہو۔ حاکم ہو۔ محکوم ہو آزاد نہیں خیال کیا جاسکتا۔ جو مطلق العنان بادشاہ کہلاتے ہیں۔ ہم سے پوچھو تو وہ بھی آزاد نہیں۔ ہم لوگ آزادی کے معنے سمجھتے ہیں۔ اپنی نیند سونا۔ اپنی نیند اٹھنا۔ جو چاہنا سو کر بیٹھنا۔ اور اس کے خمیازے سے اپنی حکمت عملی یا ترکیب سے بچا رہنا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نہ یہ آزادی ہے کہ ہم رواج ملک یا رسوم قوم سے آزاد ہو گئے۔ نہ یہ آزادی ہے کہ قانون حکومت سے بری ہو گئے نہ یہ آزادی ہے کہ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا نہ یہ آزادی ہے کہ مرنے مارنے سے نڈر ہو گئے۔ آزادی چیز ہی اور ہے۔ جو خدائے لایزال کے سوائے کسی کو حاصل نہیں جب تک انسان جسمانی حالت میں ہے مطلق آزاد نہیں ہو سکتا۔ وہ بات بات کا پابند اور ہزاروں گرفتاریوں میں گرفتار ہے۔ اگر ایک بات سے اپنے کو آزاد کریگا دوسری میں گرفتار ہو جائیگا۔ مثلاً پیغمبر آزاد ہے خطاؤں سے یعنی گناہوں سے بری اور معصوم ہے۔ مگر خدا کے خوف سے آزاد نہیں۔ اور اگر خدا کا خوف نہ مانے تو اپنے رب کا بندۂ فرمانبردار اور قاصد راست گفتار نہیں۔ جب فرمانبرداری سے نکلا تو پیغمبر نہ رہا۔ علیٰ ہذا حکیم آزاد ہے۔ نافہمیوں اور ناتجربہ کاریوں سے دانا آزاد ہے جہالتوں اور بعض صورتوں میں بیماریوں سے۔ لیکن بشریت آزاد نہیں رہنے دیتی۔

بعض تحقیقات میں سوکھا جانا مرض الموت میں گرفتار ہو جانا اس کی آزادی پر حرف لاتا ہے کوئی حکیم ایسا نہیں سننے جسے موت سے آزادی حاصل ہوئی ہو یا خوراک انسانی سے ہمیشہ کے واسطے مجتنب رہا ہو۔ اور اس کے جسم کی پرورش اور طاقت موجودہ میں فرق نہ آیا ہو۔ جو لوگ حبس دم کے

مشتاق ہیں۔ وہ بھی خوراک سے آزاد ہو کر طاقت کے محتاج اور ایک عضو معطل ہو جاتے ہیں۔

بادشاہ کو آزاد کس نے کہا۔ یہ بات داخل آزادی نہیں کہ اس کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ گناہ و بے گناہ جسے چاہا چار ہاتھ کی رسی میں لٹکوا دیا۔ ملک بخش دیا۔ عارضی جان بخشی کر دی۔ جو عمر مستعار سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ رات دن کی ملکی خیالات سے وہ آزاد نہیں۔ غنیم دشمن سے وہ بے پروا نہیں۔ اپنی دوامی صحت پر وہ قادر نہیں۔ ملک کے قدرتی نقائص کو وہ بدل نہیں سکتا۔ انسانی فطرتی خواہشوں سے وہ نہیں نکل سکتا۔ پھر آزاد کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح باقی افراد پر قیاس کر لینا چاہیے۔ آزاد وہ ہے کہ جسے موت ہے نہ غم۔ نہ اس کا کوئی حاکم ہے نہ وہ کسی کا محکوم جس طرح وہ آپ مبرا اور آزاد ہے۔ اسی طرح اُس نے جو چیز بنائی اُسے آزاد کر دیا۔ یعنی اس کی حالت کو عارضی تغیر و تبدل سے تا میعاد مقررہ محفوظ رکھا۔ کسی چیز کو اپنی ذات کے سوا دوامی بقا کا درجہ عطا نہیں فرمایا۔ آپ سب چیزوں کا محرک بنا لیکن اپنے آپ کو دوسرے کی تحریک کا محتاج نہ رکھا جب خود ہی محرک ہے اور اس کی ذات کے سوا دوسرا نہیں۔ تو اور کون اس کی ذات کا محرک ہو سکتا ہے؟ ہم حیران ہیں کہ جو لوگ آزادی آزادی پکار رہے ہیں وہ کونسی آزادی کے خواہاں اور طالب ہیں۔ اگر حکومت سے آزاد ہونا چاہتے تو انتظام ملک و امن داماں کا کونسا راستہ نکالتے ہیں۔ اگر قانون سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ تو بے آئینی سے کون کونسا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں؟ مذہب و ملت سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو کونسے رستہ سے خدا کو پہچان سکتے ہیں۔

رسم و رواج ملک سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو کس ملک میں جا کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ قوموں۔ فرقوں۔ گروہوں۔ پنتھوں سے آزاد بننا چاہتے ہیں تو کن لوگوں میں مل جل کر بسر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو آزاد فقیروں کو بھی خانوادے اور مرشد کا پابند پایا۔ اور موحدوں کو بھی جو خدا کی ذات کے سوا کسی کو نہیں ملتے۔ اور نہیں تو خدا ہی کے ملنے والوں میں حساب لگا کے پابند توحید دیکھا ہے

کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد
بریدہ زہمہ باخدا گرفتار است

ہمارے نزدیک جب تک انسان کے دم میں دم ہے وہ ایک نہ ایک بات کا ضرور پابند ہے۔ پابندی تسلیم ورضا سکھاتی ہے۔ سرکشی وتمردی سے بچاتی ہے۔ تکبر وغرور سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہمدردی سکھاتی ہے۔ رحم کی عادت ڈالتی ہے۔ فرمانبرداری کا خوگر بناتی ہے جتنی عمدہ صفتیں اور اخلاق محمودہ ہیں۔ وہ سب پابندی سے ظہور پکڑتی ہیں پس ہمیں مناسب ہے کہ اگر ہم اپنے آپ کو بندۂ فرمانبردار خالق ارض وسما کا مطیع بے عذر فرماں پذیر اور نیک کردار سمجھتے ہیں۔ تو انکسار کو اپنا رہبر بنائیں۔ سر تسلیم جھکائیں۔ جو کچھ پیش آئے۔ اُسے خدا کی طرف سے قضائے مبرم سمجھیں۔ اور بلا حجت بجالائیں۔ کیونکہ وہ ہر ایک شخص کی اس کے حوصلے۔ اس کی لیاقت اس کے مادے کے موافق ہر ایک چیز عطا کرتا ہے۔ حاکم۔ منصف کو بناتا ہے۔ بیوقوف اور کودن واجب الرحم کو ٹھہراتا ہے۔ ظالم۔ بدبخت ازلی کو پیدا کرتا ہے۔ اور اس سے وہ کام لیتا ہے جو قہر خدا سے منسوب ہیں۔ غرض اس کا کوئی کام اور کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

پس اے خدا کے ماننے والو! اسے برحق سمجھنے والو! دنیا میں وہ بات پیدا کرو جس سے نہ پلیس کی ضرورت رہے اور نہ جج کی حاجت مال کی رکھوالی کو چوکیدار نہ ڈھونڈنا پڑے۔ کسی کی جان کسی کے ہاتھ سے تلف نہ ہونے پائے۔ کوئی کسی کو بدنگاہ سے نہ دیکھے۔ ایک کو دوسرے سے حسد یا عداوت نہ ہو نفسانیت کا جھگڑا مٹ جائے۔ تمام مخلوق "بنی آدم اعضائے یکدیگرند" کے مشئے پر عمل پیرا ہو جائے۔ نہ مذہبی تعصب رہے نہ ہٹ دھرمی اور نہ ہند کا ڈنکا بجے۔ اگرچہ یہ باتیں بظاہر نہایت دشوار اور دور از خیال معلوم ہوتی ہیں۔ مگر نہیں وہ زمانہ قریب ہی آتا جاتا ہے۔ (مقتبس)

حقیقت الجنّ والجان

(از جناب قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد)

عامۃ الناس کا خیال۔ عامۃ الناس کا خیال ہے کہ جن ایک مخلوق ہے جو ملائک کے بالمقابل واقع ہے۔ وہ غیر مرئی جاندار ہیں جن میں جو لوگ اچھے اور ضرر رساں نہیں وہ مسلمان اور مکلف بہ احکام شریعت ہیں۔ بعض ان میں سے اُمتِ محمدیہ میں بھی داخل ہیں۔ اور بعض مشرک اور شریر اور کافر ہیں۔ جو شریر ہیں وہ گوناگوں شکلیں بدل سکتے ہیں۔ روئی کے گوشے سے کر ایک مہیب اور بدنما اور نہایت عریض وطویل وجود اختیار کر سکتے ہیں۔ انسانوں کو ڈراتے ہیں۔ زندوں اور مردوں کے اجسام میں گھس جاتے ہیں اور اُن سے گوناگوں حرکاتِ عجیبہ کراتے ہیں۔ اور قسما قسم کی باتیں اور زبانیں بول لیا کرتے ہیں۔ بعض عامل ان کو مسخر کر لیتے ہیں۔ اور ان سے بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔ ہندوستان کے ہر شہر میں ایسے عقائد کے لوگ اور جنوں کے عامل مل سکتے ہیں۔

اناجیل اربعہ میں جنوں کا بیان۔ اناجیل اربعہ میں جنوں کے بیماروں کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔ حضرت مسیح ناصری بھی جنوں کے عامل مشہور ہیں۔ اور ہنود بھی جنوں کے قائل ہیں۔ ہم جو اُمتِ محمدیہ کے افراد ہیں اور ہمارا رہنما اور رہبر قرآن کریم ہے۔ ہمارے تمام عقائد کی بنیاد اسی کتاب اللہ پر ہے۔ چونکہ وہ عربی زبان میں ہے۔ اس واسطے اس کے الفاظ اور محاورات کا کُتب لغت عربی کو چاہتا ہے اور ایک لفظ کے جو معنے لغت عرب بیان کرے۔ ای

وسعت معانی کو مدنظر رکھ کر کسی لفظ یا جملہ کے وہ معنے کرنے مناسب ہیں.
جو قانون الہٰی کے مطابق ہوں اور تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف نہ ہوں اور عقل
کو اپیل کرتے ہیں۔ ورنہ اس کے خلاف تمام معانی و مطالب بیکار ثابت ہونگے
اور محتاج دلیل ہونگے۔

قرآن کریم کے ارشادات۔ قرآن کریم میں آیت مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ
اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ مخلوقات دو قسم پر ہے۔ ایک مرئی جن
میں انس داخل ہیں۔ دوسرے غیر مرئی جو جن کہلاتے ہیں اور دونوں جاندار ہیں۔
اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور عبادت اور استعانت پر مکلف ہیں۔ قرآن کریم کے
رُو سے انبیاء و رسل کا وجود صرف بنی آدم میں ہوا۔ جنّوں میں سے کسی کا نذیر یا
رسول ہونا ثابت نہیں۔ کسی جن نبی یا رسول کا ذکر قرآن کریم میں مذکور نہیں۔
جو جنوں کے واسطے امام اور واجب الاطاعت ہو۔ جیسا کہ حضرت آدم۔ حضرت
ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بنی آدم کیواسطے
ہیں۔ اس آیت میں ملائکہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ بھی ایک مخلوق ہے۔
جو خدا تعالیٰ کی عبادات اور حمد و ثنا اور تعمیل ارشاد پر مکلف ہے۔ پس ہم کیونکر
کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کا ذکر اس آیت میں بھول گیا یا ترک کر گیا۔ لہٰذا ہم
ضرور کہینگے کہ ملائکہ بھی جن میں داخل ہیں۔ البتہ اقسام جن دو ہونگے۔ ایک
نوری وجود جو ملائکۃ اللہ ہیں۔ دوسرے ناری وجود جو جان کہلاتے ہیں جیسا کہ
خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ سے ظاہر ہے۔

ملائکۃ اللہ بھی جنات کی ایک قسم ہیں۔ وہ جن جو ملائکۃ اللہ کہلاتے
ہیں وہ تو لَا یَعْصُوْنَ بِاَمْرِہٖ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کے مصداق ہیں اور عباد
مکرمون ہیں۔ یعنی وہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اور جو حکم اُن

کو ملتا ہے۔ اُس کی تعمیل کرتے ہیں وہ قابل احترام بندے ہیں ان کو حکم ہوا۔ اِسْجُدُوْا لِاٰدَمَ تو انہوں نے سجدہ کر دکھایا اور اطاعت و فرمانبرداری کی۔ وہ جن جو جان کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ایک ابلیس تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے۔ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ۔ چونکہ وہ جن (قسم دوم) میں سے تھا۔ اس واسطے اُس نے اپنے رب کے حُکم سے سرتابی کی۔ دوسرے مقام پر ابلیس خود کہتا ہے کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ۔ میری خلقت تُو نے آگ سے کی ہے۔ نار میں صفت سرکشی موجود ہے۔ لہذا ابلیس سرکش ہوا۔ یہی ابلیس شیطان کہلایا یعنی جو خود ہلاک شدہ ہو اور دوسروں کو ہلاک کرے۔ سب شیاطین اسی جن میں داخل ہیں۔ بعض لوگ ان کو ارواح خبیثہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک سوال۔ سوال اب یہ باقی ہے کہ آیا یہ جن از قسم دوم انسانوں کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ زندوں یا مُردوں میں گھس سکتے ہیں۔ اور نئی زبانیں بول سکتے ہیں۔ عجیب عجیب حرکات انسانوں سے کرا سکتے ہیں۔ مختلف اشکال عجیبہ بدل سکتے ہیں یا نہیں۔ قرآن کریم سے تو ایسا ثابت نہیں۔ اگرچہ عامۃ الناس ہنود یا نصاریٰ کے خیالات کے رُو سے ایسے امور کے قائل ہوں۔ مگر ہم تو از روئے قرآن کریم ایسے جنوں کے قائل نہیں۔ جب تک یہ باتیں قرآن کریم سے ثابت نہ کی جائیں۔ البتہ اگر کوئی غیر مرئی وجود ہو جن کی حقیقت ہم پر نہ کُھلی ہو تو ہم کو کسی غیر مرئی مخلوق کے ہونے سے انکار نہیں۔ ہزارہا ایسی مخلوقات غیر مرئی ہونگی جن سے ہم بالکل واقف نہ ہونگے۔ لَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ مگر انسانوں سے جنوں کا کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں۔ جب تک دلائل قویہ سے ثابت نہ ہو۔

غیر مرئی اشیا بھی جن ہیں۔ وہ تمام جاندار جراثیم اور حیوانات جو انسانی آنکھ

کے لیئے غیر مرئی ہیں۔ مگر خوردبین سے نظر آ جاتے ہیں۔ از روئے کُتب لغت عرب وہ بھی جن میں داخل ہیں۔ کیونکہ وہ غیر مرئی وجود رکھتے ہیں۔ مثلاً طاعون کا کیڑا۔ بخار کا کیڑا۔ انفلوئنزا کا کیڑا۔ تپدق اور سل کے جراثیم۔ زکام کے جراثیم سب جن ہیں۔

لُغتِ عرب کی شہادت۔ کُتب لغت عربی میں لکھا ہے اَصلُ الجِن ستر الشیٔ عن الحاسۃ یعنی وہ غیر مرئی چیز جو حس انسانی سے پوشیدہ ہو۔ چنانچہ لفظ جن میں پردہ اور پوشیدگی کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ جُنَّۃ اللیل کے معنی ہیں۔ رات نے اس کو پوشیدہ کر لیا یا جنَّ علیہِ اللیلِ کے معنی ہیں۔ اس پر رات کی تاریکی کا پردہ چھا گیا۔ الجنان القلب۔ قلب کو بھی جنان کہا جاتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ حواس خمسہ سے پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم میں ہے۔ اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً یعنی لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے یا آڑ بنا رکھا ہے۔

حدیث میں ہے۔ الصَّوْمُ جُنَّۃٌ۔ یعنی روزہ ایک ڈھال ہے۔ عربی میں گھنے اور سایہ دار درختوں والے باغ کو جنت کہتے ہیں کیونکہ اس کے پتے ان کو دھوپ سے ڈھانک لیتے ہیں۔ جو بچہ ماں کے رحم میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کو جنین کہتے ہیں جس کی جمع اَجِنَّۃ ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ۔ جن بھی اسی وجہ سے جن کہلاتے ہیں کہ وہ ایک روحانی مخلوق ہیں۔ سب فرشتے جن ہیں۔ مگر ہر جن فرشتہ نہیں۔ مجنوں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو جنون ہو۔ اور جنون کہتے ہیں اس مرض کو جس میں عقل سے کام نہ پر پردہ آ جائے۔

بعض اقوام نے اپنے واسطے اور اپنے غیر کے واسطے الگ الگ اصطلاحات

مقرر کی ہیں۔ جیسا کہ عرب اپنے آپ کو عرب بمعنی فصیح اللسان اور دوسری اقوام کو عجم گونگا یعنی حیوان کہا کرتے ہیں۔ آریہ اپنے آپ کو آریہ بمعنی شریف النسب اور مہذب اور دوسروں کو ملیچھ راکھش اور شودر کہتے ہیں۔ یورپ کے باشندے خود کو سفید اور باقی اقوام کو کالے یا حبشی اور غیر مہذب کہتے ہیں۔

اسی طرح بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کا گروہ۔ مقدس جماعت اور ابن اللہ کہتے تھے۔ اور دوسری اقوام کو ناپاک شیطان کا گروہ اور جن کہتے تھے مثلاً ان کے نزدیک اصل باشندگان کنعان و فلسطین عنقیم۔ ایمیم زمزمیم۔ اموری۔ حتی۔ خرزی۔ حوی۔ یبوسی۔ فنوتی۔ جن کہلاتے تھے۔ یہی لوگ جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان کی افواج میں شامل تھے۔ جن کو قرآن کریم نے جن کہا ہے جو تعداد میں ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو تھے اور مزدوروں کا کام کرتے تھے (دیکھو کتاب سلاطین جلد اوّل ۵/۹ ۵/۱۸ تواریخ جلد دوم ۱۸/۱۷ و ۱۸-۱۷/۹)۔ تورات میں جن کا کوئی ذکر نہیں۔ یہود میں یہ خیال پارسیوں سے پیدا ہوا اور بخت نصر کے حملہ کے قریب پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اس کے لئے نام تجویز کیا۔

یونانی زبان میں جی کہتے ہیں زمین کو یا ملک کو فارسی میں گیو یا گینی کہتے ہیں۔ ج اور گاف آپس میں بدل جاتے ہیں۔ فارسی میں جو لفظ گیہان ہے اسی کو جہان بھی کہتے ہیں۔ لفظ جی کا مجرور مؤنث واحد جن ہے۔ کنعانیوں کو جنی کہتے تھے۔ اس کی جمع جن ہے۔ ہنود مہاجن اس شخص کو کہتے ہیں جو عامۃ الناس سے الگ محلات اور دوکانات میں آرام سے دھوپ سے پوشیدہ رہ کر کاروبار کرتا ہے۔

کون سے جن ایمان لائے تھے؟ قرآن کریم میں سورۃ الاحقاف اور سورۃ الجن میں جن جنوں کا ذکر ہے وہ قرآن کریم سن کر ایمان لائے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اہل ملک کو تبلیغ اسلام کی تھی۔ وہ دراصل اُمت موسویہ کے

تابع یہود تھے. جو غیر اقوام میں شہر نصیبین میں رہتے تھے. اور غیر اقوام میں رہنے کے باعث جن کہلاتے تھے. ان کا یہود ہونا اِنَّا سَمِعۡنَا کِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی سے ثابت ہے. اور ان کا عقیدہ ختم نبوت وَّ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا سے ثابت ہے. وہ کہتے ہیں کہ اسے ہماری قوم یہودانِ مدینہ وخیبر بھی حضرت موسیٰ کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے سے ایسے ہی منکر ہیں. جیسا کہ تم لوگ عقیدہ رکھتے ہو. کہ خدا تعالےٰ حضرت موسیٰ کے بعد کسی کو نبی اور رسول نہ بنائیگا حالانکہ ہم تو حضرت موسیٰ کی کتاب کے بعد ایک اور کتاب سن آئے ہیں جو کتاب موسیٰ سے مناسبت اور مشابہت رکھتی ہے اور آسمانی کتاب ہونے کی مدعی ہے.

پس بالیقین یہ لوگ یہود تھے اور بنی آدم میں سے تھے اور جن کہلاتے تھے. اگر یہ کوئی بنی آدم سے الگ مخلوق ہوتی تو ان کے واسطے اپنی جنس میں سے نبی ہونا چاہیئے تھا. اور ان کے احکام انسانی احکام سے الگ ہونے چاہئے تھے. جیسا کہ قرآن کریم نے مرد اور عورت میں صرف جنس کے فرق کی وجہ سے جُدا جُدا احکام دئے ہیں. اور دونوں کو ایک ہی قسم کے احکام پر مکلف نہیں ٹھہرایا. اگرچہ دونوں نسل آدم ہیں.

پس جن جو نسل انسان سے الگ مخلوق ہے کس طرح صرف نسل انسان کے احکام کے تابع ہو سکتے ہیں؟

کُتب احادیث میں جنات کا ذکر. کُتب احادیث میں جن کئی معانی میں استعمال ہوا ہے. چور. ڈاکو. سانپ. بچھو یا کوئی اور ضرر رساں جانور جو اندھیرے میں رہتے ہیں. ہر قسم کے درندے جو دن کو غاروں میں رہتے ہیں. اور رات کو نکل کر شکار کرتے ہیں. مثلاً قرآن کریم میں آیا ہے کَاَنَّهَا جَآنٌّ گویا کہ وہ سانپ

تھا۔ احادیث میں ہے۔ اندھیرے مکان میں داخل مت ہو کہ وہاں جن، سانپ،
بچھو اور ضرر رساں جانور ہوتے ہیں۔ رات کو گھر سے باہر مت نکلو کہ جن ہوتے ہیں،
چور۔ ڈاکو یا درندے ہوتے ہیں۔ ہڈیاں جنوں کی خوراک ہیں یعنی درندے ان
کو کھایا کرتے ہیں۔ کسی غیر آباد مکان یا کوئیں یا غار میں مت جاؤ۔ وہاں جن ہوتے
ہیں۔ یہاں مراد زہریلی گیس ہے۔ جو ایسے مقامات میں محبوس ہوتی ہے۔ جس
میں داخل ہونے والے کو مرض سکتہ اور بیہوشی وغیرہ ہو جاتی ہے۔

کُتب طب کے رُو سے جن وہ امراض ہیں جن کے اسباب معلوم نہ ہوں۔
مثلاً بچوں کو ام الصبیان کا ہونا جس میں بیہوشی ہاتھ پاؤں کا مڑنا اور آنکھیں
پتھرا جانا علامات ہوتے ہیں۔ لوگ اس کو جن کہتے ہیں۔ مگر دراصل قبض شکم سے
پیدا ہونے والی بیماری ہے جس کا علاج کُتب طب میں موجود ہے۔ نوجوان
عورتوں کو مرض ہسٹریا ہوتا ہے۔ جو ماہواری خون کے باقاعدہ نہ آنے سے پیدا
ہوتا ہے۔ اس بیماری میں قریباً وہ سب علامات موجود ہوتی ہیں جو مرض ام
الصبیان میں بچوں کو ہوتی ہیں۔ اس کا علاج بھی حکیم اور ڈاکٹر جانتے ہیں۔

مرض صرع یا مرگی جو دماغی بیماری ہے۔ شدت بخار میں ہذیان کہنا مرض
سرسام۔ مرض سکتہ میں بیہوش ہو جانا سب بیماریاں ہیں جو قابل علاج ہیں۔
مگر لوگ ان کو جن اور آسیب کہتے ہیں۔ عامۃ الناس سے کم ملنے جلنے والے
لوگ مثلاً امرا جو گھروں پر زیادہ رہتے ہیں۔ فقیر جو غاروں میں رہتے ہیں پہاڑی
لوگ جو جبال میں رہتے ہیں وہ بھی جن کہلاتے ہیں۔ انس ان کے بالمقابل وہ
لوگ ہیں جو کثرت سے آپس میں مانوس ہوتے ہیں اور میل جول رکھتے ہیں یا جو
شہروں کے باشندے ہیں۔ یورپ میں سپرچولزم یا مسمریزم ہندوستان میں علم
توجہ کا عمل بھی جن کہلاتا ہے۔ یہ امور پریکٹس سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو

مذہب یا پاکیزگی اخلاق یا اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک مسلمان۔ ایک ہندو۔ ایک عیسائی۔ ایک دہریہ اس کو کر سکتا ہے۔ اور چال چلن کی پاکیزگی کی بھی کوئی شرط نہیں۔ معمول عامل کے عمل کے تابع حرکات کرتا ہے۔ خود اس کو کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ ناواقف لوگ اس کو بھی جن کہتے ہیں کیونکہ حاضرین پر اس کے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں۔

وہم کا مرض۔ ایک بیماری وہم کی بھی ہے۔ وہم کا مرض ہر شخص میں علی قدر مراتب موجود ہے۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ اگر وہم کے بیمار کو کہا جائے کہ فلاں مقام میں اگر فلاں وقت پر کوئی شخص جائے تو وہاں میخ گاڑ کر نہیں آسکیگا۔ ضرور اس کا دامن یا کُرتے کا کوئی حصہ اُس میں پھنس جائے گا۔ یا فلاں مقام پر جن رہتے ہیں جو پہلے روئی کا گولہ بن جاتا ہے۔ پھر بکری کا بچہ یا خرگوش بن جاتا ہے۔ جب انسان اُس کو اُٹھا لیتا ہے تو اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ انسان بیزار ہو کر اُس کو چھوڑ دیتا ہے۔ جب ایک انسان ان خیالات کو لے کر اس مقام میں جاتا ہے تو اگر اتفاق سے اُس کو کوئی خرگوش فی الحقیقت نظر آجائے تو وہ یقین کر لیتا ہے کہ ضرور یہ جن ہی ہے یا قوتِ واہمہ میں ہر درخت یا بُوٹا کوئی جاندار نظر آنے لگ جاتا ہے۔ اس طرح کمزوری قلب سے بیہوش ہو کر گر جاتا ہے۔

ایک واقعہ۔ مگر درحقیقت کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جو اس کو متشکل نظر آتی ہے میرے ایک دوست تھے منشی محمد ایوب خاں نام تھا۔ موضع شیخ محمدی کے رہنے والے تھے جو پشاور سے سات میل کے فاصلہ پر مشہور گاؤں ہے۔ وہ شہر پشاور کے سٹیشن سے ایک ایسی سڑک سے رات کے دس بجے اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ جو ریلوے سٹیشن سے شہر کے باہر مشرق اور جنوب کو ہوتی ہوئی مغرب کو نکل جاتی ہے۔ اور کوہاٹ روڈ پر آملتی ہے۔ راستہ میں پشاور کا مشہور

قبرستان اخوند درویزہ اور ہزار خوانی کا علاقہ پڑتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب کہ میں اس قبرستان میں پہنچا جو کئی میل کے مربع میں پھیلا ہوا ہے۔ تو ایک درخت ایسا نظر آیا کہ گویا ایک عظیم الشان انسان ہے۔ اور نہایت ڈراؤنی صورت ہے اور مجھ پر حملہ کرنے کو ہے۔ میں بہت خوف زدہ ہوا اور بھوت کا گمان دل میں پیدا ہونے لگا کہ شاید یہ سچ ہے اور پستول پر ہاتھ رکھا اور نکال کر اپنی استقامت کو سنبھالا اور آگے بڑھنے لگا۔ چاندنی رات تھی جب قریب پہنچا تو وہ درخت تھا جس کا سایہ بلند نظر آیا۔ اور اس ہیبت شکل میں متشکل ہوا۔ جب اصلیت معلوم ہوئی تو نہایت سرمندہ ہوا کہ کیوں میری قوتِ واہمہ نے ایسا غلط خیال پیدا کیا۔ پس وہم بھی تصورات اور تخیلات پیدا کرتے ہیں۔ مسمریزم کے عامل اسی قوت واہمہ میں لکڑی سے سانپ بنا لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ کے زمانہ میں مصر کے ساحروں نے رسیوں اور سونٹوں سے سانپ بنا لئے تھے۔ قرآن کریم میں ہے سحروا اعین الناس واسترھبوھم یعنی ساحروں نے لوگوں کی آنکھوں پر تصرف کر کے سحر کیا اور ان کو ڈرایا۔ فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ۔ یعنی ان کی رسیاں اور سونٹے حضرت موسیٰ کے تخیل میں ان کے سحر کی وجہ سے ایسے نظر آئے۔ گویا وہ بھاگ رہے ہیں۔

بعض لوگ پرانے قبرستانوں یا مرگھٹوں پر رات کے وقت مُردوں کی ہڈیوں میں سے فاسفورس کے شعلے نکل کر فضا میں اُڑتے دیکھتے ہیں۔ اور گمان کرتے ہیں کہ یہ جن ہیں جو کھیل رہے ہیں۔ مگر سائنس دان جانتے ہیں کہ یہ صرف ہڈیوں کا فاسفورس ہے اور کچھ نہیں۔

ایک پیر صاحب کا قصہ۔ مجھے ایک شخص نے کہا کہ ہوتی میں فلاں پیر ہیں جن کے قبضہ میں جن ہیں۔ وہ ہر روز اس قدر روپیہ کسی بنک میں سے لا کر اس

کو بعرض اخراجاتِ لنگر دے جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اوّل تو یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اس بنک کا حساب روزانہ پڑتال کر کے دیکھ لو آیا اس میں ایک پیسہ کی کمی کبھی واقع ہوئی ہے یا نہ۔ اگر نہیں تو یہ بات قطعاً جھوٹ ہے اور بنک کا حساب روزانہ باقاعدہ رکھا جاتا ہے۔ دوم اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر پیر صاحب کا سارا ایمان اور اسلام یہ ہے کہ وہ چوری کرتا ہے اور جو چوری کے مال سے لنگر چلاتا ہے وہ خود فعل حرام کرتا اور لوگوں کو حرام کھلاتا ہے۔ تب اس کا مرید خاموش ہو رہا۔ اس قسم کے فضول خیالات جاہلوں میں اکثر شہرت رکھتے ہیں۔ مگر اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

جوانی کا نشہ۔ بعض مرد یا عورتیں جوانی کے نشہ میں قصداً بعض حرکات ایسی کرتے ہیں جن سے لوگوں میں یہ خیال ذہن نشین کراتے ہیں کہ ان پر جن کا اثر ہے۔ حالانکہ محض بناوٹ ہوتی ہے اور کسی خاص غرض کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے مثلاً ایک نوجوان عورت کا کسی نوجوان سے ناجائز تعلق ہے۔ ایک طرف وہ اپنے اوپر جن کا اثر ظاہر کر کے بیہوش ہونا شروع کر دیتی ہے۔ دوسری طرف اس نوجوان کو پیغام دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عامل ظاہر کرے۔ اس طرح دونوں صورتِ ملاقات پیدا کر لیتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اس کی حقیقت سوائے شرارت کے کچھ نہیں ہوتی۔ شہر پشاور میں بیس پچیس سال قبل عام دستور تھا کہ کوئی نوجوان عورت دوسری ہمجولیوں کو عام دعوت دیتی کہ فلاں دن اور فلاں وقت ان کے گھر پر سب جمع ہوں وہاں "اسرار" کھیلا جائیگا۔ سب ہمجولیاں صاف ستھرا رنگ رنگا لباس پہن، معطر ہو کر اس دن اس گھر میں جمع ہونے لگ جائیں مقررہ وقت پر چند ڈومنیاں آجاتیں اور ڈھولک اور باجا ساتھ لاتیں اور گانا بجانا شروع ہو جاتا۔ وہ نوجوان دعوت دینے والی یا اس کے بعد اس کی کوئی سہیلی بھی درمیان

میں بیٹھ جاتی اور ارد گرد بنی آمدہ عورتیں حلقہ کرلیتیں اور تالیاں بجاتیں۔ وہ دو زانو
تنا پہلے آگے اور پیچھے جنبش شروع کرتی۔ بعد میں حرکت کو تیز کرتی۔ پھر ہاتھ پاؤں
پھیلا کر حرکت کرتی ہاتھ دوسروں پر گرتی اور خوب پکڑ دھکڑ لگ جاتی یہاں تک
کہ وہ بے ہوش ہو جاتی۔ بالآخر اس کو ٹھنڈا کر کے ہوش میں لایا جاتا۔ اور پھر دوسری
کی باری آتی۔ اس کو بھی پشاور کے لوگ جن کہتے ہیں۔ مگر کیا کوئی دانا کہہ سکتا
ہے کہ یہ فی الحقیقت جن کا ثبوت ہے۔ یہ محض جوانی کے کرتوت ہیں۔

ہر عقیدہ یا عمل جو شریعت نے منوایا ہے تو اس کے اندر کوئی نہ کوئی روحانی
یا جسمانی، اخلاقی یا علمی یا مالی یا بدنی فائدہ مدنظر رکھا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے
کہ جن کا عقیدہ منوانے سے کونسا فائدہ مدنظر ہے۔ پشاور شہر کے رئیس اور محرک
تعلیم جناب مفتی فدا محمد صاحب مرحوم بیرسٹرایٹ لاء نے ایک دفعہ خاکسار کو فرمایا
کہ ہمارے ملک کے مسلمان جنوں کے قائل اور معتقد ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ
کوئی بچہ یا جوان انسان بھی رات کے وقت گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتا۔
شہر جانے کی جرأت تک نہیں۔ چہ جائیکہ وہ کسی جنگل یا پہاڑ یا صحرا میں اکیلے
رات کے وقت سفر کو جائیں۔ اس عقیدہ نے مرد و عورت سب کو نہایت بزدل
اور کمزور طبع بنا دیا ہے۔ اس کے بالمقابل میں نے سوئٹزرلینڈ۔ فرانس۔ انگلینڈ
اور دوسرے ممالک کا سفر کیا۔ رات کے وقت سمندر کے کنارہ سے جنگلوں
اور راستوں پر عورتیں اور نوجوان بچے سامان اٹھا کر اکیلے آتے جاتے ہیں۔ اور
کوئی ڈرتا نہیں۔ باوجودیکہ ان کی اناجیل میں جنوں کا ذکر ہے۔ مگر وہ اس
عقیدہ کو ترک کر چکے ہیں۔

ہمارے قرآن کریم میں اگرچہ ایسا کوئی ذکر نہیں کہ فلاں انسان میں جن گھس
گیا۔ پھر بھی مسلمان ان باتوں کے ایسے قائل ہو گئے ہیں کہ ساری اولاد بزدل

اور نکمی ہو گئی ہے۔ اس عقیدہ نے ساری قوم کو نامرد بنا دیا۔ دلیری اور جرأت جاتی رہی۔ ایک نوجوان میدان جنگ کے گولوں اور توپوں سے نہ ڈریگا مگر جب جن کا نام سُنیگا تو اس کا پسینہ چھوٹ جائیگا۔ یہ اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے۔

جب مسلمان ہندوستان میں آئے توحید اور وہ جرأت جوان کو حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی وہ ان سے ہندوستان کے ساتھ اندولج مسلسل نے مفقود کر دیں۔ ہندوؤں کے مشرکانہ خیالات اور جن بھُوت کے تخیلات دلوں میں بٹھا دئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ بن کر آئے اور غلام ہو کر رہ گئے۔

میں اُمید نہیں کرتا کہ کوئی شخص حضرت باری تعالیٰ کو واحد لاشریک مانتا ہو۔ اور حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت قرآنیہ پر ایمان رکھتا ہو اور حضرت احمد مسیح موعود علیہ السلام کو خدا کا نبی یقین کرتا ہو وہ پھر ان مشرکانہ اور ہندوانہ خیالات کو اپنے دماغ میں جگہ دیگا۔

ہر احمدی کو چاہئے کہ وہ جری اور دلیر بہادر ہو اور جن اور بھُوت کے فرضی وجود کا قائل نہ ہو۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اگر جن کوئی ایسی مخلوق ہو جن کو انسان کی خدمت کے واسطے ملائکہ کی طرح پیدا کیا گیا ہے تو ہم کو اس سے انکار نہیں نہیں۔ مگر جو صُورتیں ہم نے بیان کی ہیں وہ ناقابل قبول ہیں۔

(الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

جنّت اور جہنم کے درجات

جنت اور جہنم تین درجوں پر منقسم ہے۔ پہلا درجہ جو ایک ادنےٰ درجہ ہے اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان اس عالم سے رخصت ہو کر اپنی خواب گاہ قبر میں جا لیٹتا ہے۔ اور اس درجۂ ضعیفہ کو استعارہ کے طور پر احادیث نبویہ میں کئی پیرائیوں میں بیان کیا گیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی پیرایہ ہے کہ میّت عبد صالح کے لئے قبر میں جنت کی ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے جس کی راہ سے وہ جنت کی باغ و بہار دیکھتا ہے اور اس کی دلربا ہوا سے متمتع ہوتا ہے۔ اور اس کھڑکی کی کشادگی بحسب مرتبۂ ایمان و عمل اس میت کے ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو لوگ ایسے فنافی اللہ ہونے کی حالت میں دنیا سے جُدا ہوتے ہیں کہ اپنی جانِ عزیز کو محبوب حقیقی کی راہ میں فدا کر دیتے ہیں جیسے شہداء یا وہ صدیق لوگ جو شہداء سے بھی بڑھ کر آگے قدم رکھتے ہیں۔ ان کے لئے ان کی موت کے بعد صرف بہشت کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی۔ بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قواء کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی قیامت کے دن سے پہلے اکمل اور اتم طور پر لذات جنت حاصل نہیں کر سکتے۔

ایسا ہی اس درجہ میں میت خبیث کے لئے دوزخ کی طرف قبر میں ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے جس کی راہ سے دوزخ کی ایک جلانے والی بھاپ آتی رہتی ہے اور اس کے شعلوں سے ہر وقت وہ خبیث رُوح جلتی رہتی ہے۔ لیکن ساتھ اس کے یہ بھی ہے کہ جو لوگ اپنی کثرت نافرمانی کی وجہ سے ایسے فنافی الشیطان ہونے کی حالت میں دُنیا سے جُدا ہوتے ہیں کہ شیطان کی فرمانبرداری کی وجہ سے بکلی تعلقات اپنے مولےٰ حقیقی سے توڑ دیتے ہیں۔ ان کے لئے ان کی موت کے بعد

صرف دوزخ کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور تمام قوای کے ساتھ خاص دوزخ میں ڈال دئے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ مما خطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارا (سورہ نوح) مگر پھر بھی وہ لوگ قیامت کے دن پہلے اکمل اور اتم طور پر عقوبات جہنم کا مزہ نہیں چکھتے۔

پھر اس درجے کے اوپر جو ابھی ہم نے بہشتیوں اور دوزخیوں کے لئے بیان کیا ہے۔ ایک اور درجہ دخول جنت و دخول جہنم ہے جس کو درمیانی درجہ کہنا چاہئے۔ اور وہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے۔ اور بوجہ تعلق جسد کامل قوتوں میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیزی پیدا ہو کر اور خدا تعالیٰ کی تجلی رحم یا تجلی قہر بحسب حالت اپنے کامل طور پر ... ہو کر اور جنت عظمیٰ کو بہت قریب پا کر یا جہنم کبریٰ کو بہت ہی قریب دیکھ کر وہ لذات یا عقوبات ترقی پذیر ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ آپ فرماتا ہے۔ وازلفت الجنۃ للمتقین و برزت الجحیم للغاوین وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ و وجوہ یومئذ علیھا غبرۃ ترھقھا قترۃ اولئک ھم الکفرۃ الفجرۃ۔ اس دوسرے درجہ میں بھی لوگ مساوی نہیں ہوتے ہیں جو بہشتی ہونے کی حالت میں بہشتی انوار اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ انہیں کی طرف اللہ جل شانہ اشارہ فرماتا ہے۔ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم و بایمانھم۔ ایسا ہی دوزخی ہونے کی حالت میں اعلیٰ درجہ کے کفار ہوتے ہیں کہ قبل اس کے جو کامل طور پر دوزخ میں پڑیں ان کے دلوں پر دوزخ کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ۔

پھر اس درجے کے اوپر جو آخری درجہ ہے۔ تیسرا درجہ ہے۔ جو

منتہائے مدارج ہے جس میں یوم الحساب کے بعد لوگ داخل ہوں گے اور اکمل وراتم طور پر سعادت یا شقاوت کا مزہ چکھ لینگے۔

اب حاصل کلام یہ ہے کہ ان تینوں مدارج میں انسان ایک قسم کی بہشت یا ایک قسم کی دوزخ میں ہوتا ہے اور جب کہ یہ حال ہے تو اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ ان مدارج میں سے کسی درجہ پر ہونے کی حالت میں انسان بہشت یا دوزخ میں سے نکالا نہیں جاتا۔ ہاں جب اس درجہ سے ترقی کرتا ہے تو ادنٰے درجہ سے اعلیٰ درجہ میں آجاتا ہے۔

(ازالہ اوہام طبع اوّل جلد اوّل ۳۵۶ تا ۳۶۰
تصنیف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام)

مصائب و آلام کی گھڑیوں میں محبوب حقیقی کا اپنے پیاروں سے سلوک

انعام کو پانے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی ہستی سے مر جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے ایک نئی زندگی پاتے ہیں۔ اور اپنے نفس کے تمام تعلقات توڑ کر خدا تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ جب ان کا وجود مظہر تجلیات الہیہ ہو جاتا ہے۔ اور خدا اُن سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ ہزار اپنے تئیں پوشیدہ کریں۔ مگر خدا تعالیٰ ان کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور وہ نشان ان سے ظاہر ہوتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ دُنیا اُن کا کسی بات میں مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ہر ایک راہ میں خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ہر ایک میدان میں خدا کا ہاتھ ان کو مدد دیتا ہے۔ ہزار ہا نشان ان کی تائید اور نصرت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک جو اُن کی دشمنی سے باز نہیں آتا۔ آخر وہ بڑی ذلت کے ساتھ ہلاک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک اُن کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ خدا حلیم ہے اور آہستگی سے کام کرتا ہے

لیکن ہر ایک جو اُن کی دشمنی سے باز نہیں آتا۔ اور عمداً ایذا پر کمربستہ ہے۔ خدا اس کے استیصال کے لئے حملہ کرتا ہے کہ جیسا کہ مادہ شیر (جبکہ کوئی اس کے بچّہ کو مارنے کے لئے قصد کرے) غضب اور جوش کے ساتھ اس پر حملہ کرتی ہے اور نہیں چھوڑتی جب تک اُس کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دے۔ خدا کے پیارے اور دوست ایسی مصیبتوں کے وقت میں ہی شناخت کئے جاتے ہیں۔ جب کوئی ان کو دُکھ دینا چاہتا ہے اور اس ایذا پر اصرار کرتا ہے۔ اور باز نہیں آتا۔ تب خدا صاعقہ کی طرح اس پر گرتا ہے۔ اور طوفان کی طرح اپنے غضب کے حلقہ میں اس کو لے لیتا ہے اور بہت جلد ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ ہے جس طرح تم دیکھتے ہو کہ آفتاب کی روشنی اور کرم شب چراغ کی روشنی میں کوئی اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح وہ نور جو اُن کو دیا جاتا ہے اور وہ نشان جو اُن کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور وہ رُوحانی نعمتیں جو اُن کو عطا ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ کسی کا اشتباہ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ اور ان کی نظیر کسی فرد میں پائی نہیں جاتی۔ خدا اُن پر نازل ہوتا ہے۔ اور خدا کا عرش ان کا دل ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایک اور چیز بن جاتے ہیں۔ جس کی تہ تک دُنیا نہیں پہنچ سکتی۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۲، ۲۳)

جرعاتِ معرفت

عرفانِ الٰہی کیا ہے

عرفان اور معرفت عربی کے لفظ ہیں۔ جو قریباً علم کے مترادف ہیں۔ مگر علم اور ان میں فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ علم میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ بغیر کوشش اور تدبیر کے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر عرفان غور اور فکر سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور گو علم کا لفظ عرفان کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر عرفان کے معنوں میں یہ شرط پائی جاتی ہے۔ کہ غور اور فکر کے بعد حاصل ہو۔ گویا ان میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ علم عام ہے اور عرفان خاص۔ اسی لئے عربی کے محاورہ کے ماتحت یہ تو کہتے ہیں کہ عرف ربہ۔ بندہ نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ مگر یہ نہیں کہتے کہ عرف عبدہ۔ اللہ نے بندہ کو پہچان لیا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کی نسبت علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا کو کسی فکر اور غور کی ضرورت نہیں۔ پس خدا تعالےٰ کے علم کے متعلق عرفان کا لفظ نہیں بولا جاسکتا۔ بلکہ یہ بندہ کے علم کے متعلق ہی بولا جاتا ہے تو عرفان کے معنے یہ ہوئے کہ فکر۔ غور اور تدبر کے بعد۔ انسان کو خدا تعالےٰ کی ہستی کا علم حاصل ہو اور وہ اپنے رب کو پہچان لے۔ پہچاننے کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ باتیں جو کسی میں خاص طور پر پائی جاتی ہیں۔ اور دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ان کے ذریعہ سے اُس کی شناخت کرے۔

مثلاً اگر کہا جائے کہ زید نے بکر کو پہچان لیا۔ تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ باتیں جو خاص بکر میں پائی جاتی تھیں اور دوسروں میں نہیں۔ ان کے ذریعہ سے اُس نے زید کو مشخص کر لیا۔ کہ فلاں شخص زید ہے۔ اسی طرح عرفان الٰہی کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ بندہ نے خدا تعالیٰ کی جو صفات آسمانی کتاب میں پڑھیں اور معلوم کی ہیں کہ خدا ایسا رحیم و کریم ہے۔ ایسا ستار غفار ہے۔ اس کو ایک ایسی ہستی مل جاوے کہ جس میں وہ صفات پائی جاتی ہوں۔ اور وہ ان صفات کا مشاہدہ کرے۔ ورنہ عرفان کے معنی یہ نہیں کہ انسان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ خدا رحیم کریم اور رحمٰن ہے کیونکہ یہ تو ہر مسلمان جانتا ہی ہے۔ اور اگر یہی عرفان ہوتا۔ تو اور زیادہ عرفان حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ اور خدا تعالیٰ کی مختلف صفات جو قرآن اور حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کو معلوم کر کے ہر ایک انسان عارف کہلا سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ سب لوگ مانتے ہیں کہ خدا رب ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ خدا رحیم ہے۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ خدا کریم ہے۔ حفیظ ہے۔ مہیمن ہے۔ مگر ان کو عارف باللہ نہیں کہا جاتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض خدا تعالیٰ کی صفات کو جان لینے سے کوئی انسان عارف نہیں ہو سکتا۔ دراصل عارف باللہ وہ ہوتا ہے جو خدا کو پہچان لیتا ہے۔ اور اس پہچاننے کی تشریح یہ ہے کہ اس میں جو باتیں ایسی ہیں۔ جو اور کسی ہستی میں نہیں پائی جاتیں۔ ان کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے سنا ہو کہ زید کی شکل ایسی ہے۔ اس کی عادات ایسی ہیں۔ اس کی صفات ایسی ہیں۔ اس کا قد اتنا۔ کپڑے اس طرح کے پہنا کرتا ہے۔

اب وہ کسی جگہ ان خصوصیات کا آدمی دیکھے۔ اور ان خصوصیات کا خیال کرکے سمجھ لے کہ یہ زید ہے تو کہینگے کہ اُس نے زید کو پہچان لیا۔ اسی طرح عرفان الٰہی کے یہ معنی ہیں کہ خداتعالیٰ کی صفات کا علم حاصل ہونے کے بعد انسان کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ صفات جو ایک ہستی میں بتائی جاتی ہیں وہ فلاں ہے۔ ایسا انسان صرف یہی نہیں جانتا کہ ایک ہستی تھی ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کو پا لیتا ہے اور مشاہدہ کر لیتا ہے کہ واقعی یہی تھی ہے تو عرفان کے یہ معنی ہیں کہ جو باتیں سُنی ہوئی ہیں۔ ان کو کسی ہستی میں پا لیا جائے۔ اور معلوم ہو جائے کہ یہی وہ ہے جس کی فلاں فلاں صفات ہیں۔

(عرفان الٰہی)

بندے کو خدا سے کیا تعلق ہونا چاہیئے

بندے کو خدا سے کیا تعلق ہونا چاہیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ صرف کسی چیز کو مان لینا اور بات ہے۔ تمام تعلیم یافتہ لوگ نارتھ پول اور ساؤتھ پول کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن ان سے تعلق سوائے ان چند لوگوں کے جو ان علاقوں کی مزید تحقیقات میں مشغول ہیں۔ کسی کو نہیں ہے۔ ان کے ذکر سے ان کے جذبات میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن ایک ایسے شخص کے ذکر سے جو ان سے کوئی حقیقی تعلق رکھتا ہے۔ ان کے جذبات یک دم بھڑک اُٹھتے ہیں پس یہ بھی سوال ہے کہ کوئی مذہب اپنے پیروؤں سے خداتعالیٰ کے متعلق کس قسم کے تعلق کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ اسی مطالبہ کے معیار پر کسی

مذہب کی سچائی یا اس کی غلطی یا اس کی قبولیت یا اس کی ناکامی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ ایسا مطالبہ اپنے متبعین سے کرتا ہے جو خدا تعالےٰ کی شان کے خلاف ہے۔ تو ماننا پڑیگا کہ صفات الٰہیہ پر حقیقی ایمان نہیں رکھتا۔ اور اگر مطالبہ تو صحیح ہے۔ لیکن اس کے پیرو اس مطالبہ کو پُورا نہیں کرتے۔ تو ماننا پڑیگا کہ وہ مذہب اپنے مقصد کے پُورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔

میں جو اللہ تعالےٰ کی صفات پہلے بیان کرچکا ہوں۔ اور جن پر تمام مذاہب قریباً متفق ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا اصل تعلق اللہ تعالےٰ سے ہی ہے۔ کیونکہ ہمارے آرام اور ہماری ترقی اور ہماری کامیابی کے سب سامان اسی نے پیدا کئے ہیں۔ ہماری ہستی کے وجود میں لانے کا بھی وہی باعث ہے۔ اور ہماری آیندہ زندگی بھی اسی کے فضل سے وابستہ ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ ہمارے والدین ہوسکتے ہیں نہ ہماری اولاد۔ نہ ہمارے بھائی۔ نہ ہماری بیویاں۔ نہ ہمارے خاوند۔ نہ ہمارے دوست۔ نہ ہمارے اہل ملک۔ نہ ہماری حکومت نہ ہمارا مُلک۔ نہ ہماری جائداد۔ نہ ہمارا عہدہ۔ نہ ہماری عزت نہ خود ہماری جان کیونکہ یہ سب چیزیں اللہ تعالےٰ کے عطیوں کا ایک جزو ہیں۔ اور وہ اس کُل کا معطی ہے۔ درحقیقت ان صفات کو بیان کرنے کے بعد جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ وہی مذہب سچا ہو سکتا ہے۔ جو انسان سے یہ مطالبہ کرے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کی محبت اور اس کے ادب کو سب چیزوں کی محبت اور سب حاکموں کے ادب پر فوقیت دے۔ اور خدا کی رضا کے لئے سب چیزوں کو قربان کرنا پڑے تو کردے

مگر خدا کی رضا کو کسی اور چیز پر قربان نہ کرے۔ وہ اس امر کا مطالبہ کرے کہ خدا تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں سب چیزوں سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ اور اس کی یاد سب پیاروں کی یاد سے بڑھکر ہونی چاہیئے۔ اس کے وجود کو ایک دُور کے مُلک کے پہاڑ یا دریا کی طرح عالمِ موجودات کا ایک فرد نہیں سمجھ چھوڑنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو ہر ایک زندگی کا سرچشمہ اور ہر ایک اُمید کا مرکز اور ہر ایک نظر کا مطمحِ بنانا چاہیئے۔

اسلام یہی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ؑ (توبہ ع)

اے ہمارے رسُول! کہدے اگر تمہارے ماں اور باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی بہنیں اور تمہاری بیویاں یا تمہارے خاوند یا تمہاری قوم یا تمہارے مال جن کو تم محنتوں سے کماتے ہو۔ یا تمہاری تجارتیں جن میں نقصان ہو جانے کا تمہیں خطرہ ہوتا ہے یا تمہارے گھر جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اللہ اور اُس کے رسُول اور اللہ کی رضا کے لئے کوشش کرنے کی نسبت تمہیں زیادہ پیارے ہیں۔ تو تم مومن نہیں ہو۔ تم انتظار کرو اس وقت کا جب خدا تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کرے۔ اور اللہ عہد شکن لوگوں کو کامیاب نہیں کیا کرتا۔

ایک مسلمان ہرگز مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ جب تک اس کا اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی تعلق نہ ہو۔ جو اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ اسے خدا کی رضا

کے لئے ہر ایک دیگر چیز اور ہر ایک دوسرے جذبہ کو قربان کر دینا چاہئے۔ اس کی محبت ہر ایک دوسری چیز پر اسے مقدم ہونی چاہئے۔ ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ محبت الٰہی کی علامت کا اس طرح ذکر فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران ع ۲۰) ۔ مومن وہ ہیں جو خدا تعالےٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی۔ اور لیٹے ہوئے بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دلوں میں ایسی گھر کر جاتی ہے کہ وہ بار بار اس کی ملاقات اور اس کے قرب کی خواہش کرتا ہے۔ اور جس طرح ایک عاشق اپنے معشوق کو ہر وقت یاد کرتا رہتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ایسا انسان اللہ تعالےٰ کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔ اس کے احسانات اور اس کی خوبیاں اور اس کے قرب کی تمنا اور اس سے ایک ہو جانے کی خواہش اس کے دل میں بار بار جوش مارتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ دن کو کام کے وقت یا آرام کی خاطر بیٹھنے کے وقت یا رات کو سوتے وقت بھی اس کی طرف بندہ کی توجہ پھرتی رہتی ہے۔

اسی طرح فرماتا ہے:۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (انفال ع ۱)۔ مومن صرف وہ لوگ ہیں جن کے دل پر خدا تعالےٰ کا ایسا رعب ہوتا ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کا نام ان کی مجلس میں آجائے تو ان کے دلوں میں خشیت اللہ کی ایک لہر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ کا کلام ان کے سامنے پڑھا جائے تو ان کا دل ایمان سے بھر جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کام کا سرانجام

پانا اسی کی مدد پر موقوف سمجھتے ہیں۔ اور اپنی کامیابیوں کو اسی کے فضل پر منحصر خیال کرتے ہیں۔

میں اس جگہ ایک شبہ کا ازالہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو عام طور پر اسلام کی نسبت کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اسلام اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ اسباب سے انسان کو کوئی کام نہیں لینا چاہیئے۔ اور اپنے کام خدا پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگوں میں ایسے خیالات پائے جاتے ہیں۔ مگر اسلام کی ہرگز یہ تعلیم نہیں۔ تمام قرآن ان آیات سے بھرا ہوا ہے کہ دُنیا کی نعمتیں ہم نے انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں۔ پس ان کو ترک کرنا اس کے منشاء کے مطابق کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا (بقرہ ع ۲۴)۔ اور ہر کام کے لئے ہم نے جو طریق مقرر کئے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے وہ کام کرو۔ یعنے اسباب اور ذرائع بھی اللہ تعالےٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ انہی کے ذریعہ سے کام کرنا چاہئے۔ اور فرمایا۔ خُذُوا حِذْرَكُمْ (نساء ع ۱۰)۔ اے مسلمانو! تمام وہ سامان جن سے کامیابی ہو سکتی ہے اپنے پاس رکھو۔ اور ایک جگہ خدا فرماتا ہے۔ فَتَزَوَّدُوا (بقرہ ع ۲۵)۔ جب سفر کو نکلو تو اپنے پاس سفر کا سامان مزدرد رکھا کرو۔ اسی طرح رسول کریم صلعم کی نسبت آتا ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تُونے اونٹ کس کے حوالے کیا ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے خدا پر توکل کر کے اس کو چھوڑ دیا ہے آپ نے فرمایا۔ یہ تو توکل نہیں ہے۔ توکل یہ ہے کہ تُو پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھ پھر خدا پر توکل کر۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ توکل ترکِ اسباب کا نام نہیں۔ بلکہ اس امر پر یقین کا نام ہے کہ خدا تعالےٰ ایک زندہ خدا ہے۔ وہ دُنیا کو پیدا

کر کے خالی ہاتھ ہو کر نہیں بیٹھ گیا۔ بلکہ اب بھی اس کا حکم دنیا میں چلتا ہے۔ سب کاموں کے نتیجے اسی کے حکم سے نکلتے ہیں۔ وہ اس بندے کی جو اس پر یقین رکھتا ہے۔ اس وقت حفاظت کرتا ہے۔ جب وہ غافل ہوتا ہے اور اس حالت میں اس کے کام کی نگرانی کرتا ہے۔ جب وہ سامنے نہیں ہوتا۔

غرض اس امر پر یقین کرنے کا نام کہ خدا تعالےٰ اب بھی اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اور ان کی بیکسی کی حالتوں میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اور باوجود سامانوں کی موجودگی کے اگر اس کا غضب نازل ہو تو کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ توکل ہے نہ ترک اسباب کا۔ گویا توکل ایک دلی حالت کو کہتے ہیں نہ کسی ظاہری عمل یا ترک عمل کو۔

اسی طرح ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ (توبہ ع ۹)۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے مقدم ہے۔ یعنی بندہ کو خدا تعالےٰ سے تعلق کی بنیاد کسی دنیوی یا اُخروی انعام پر نہیں رکھنی چاہئے۔ بلکہ جو چیز اس کے مدِ نظر ہونی چاہئے وہ محض اللہ تعالےٰ کی رضا ہے۔ جب خدا تعالےٰ اس کا محبوب ہو۔ تو اس کی رضا پر کسی اور چیز کو مقدم کرنا اپنی محبت کی ہتک کرنا ہے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے جو صرف بطور نمونہ دیئے گئے ہیں۔ یہ اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلام بندہ سے خدا تعالےٰ سے کس قسم کا تعلق رکھنے کی اُمید کرتا ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ ہر ایک شخص جو خدا تعالیٰ کو فی الواقعہ مانتا ہے۔ اس امر میں ہم سے متفق ہو گا کہ اگر کوئی خدا ہے تو اس سے ہمارا ایسا ہی تعلق ہونا چاہیئے۔ (احمدیت یعنی حقیقی اسلام)

عرفانِ الٰہی کے حصول کیلئے ایک اہم گُر

سب سے پہلی اور ضروری بات۔ جو حصُولِ تقویٰ کے لئے ضروری اور جس کا نتیجہ عرفان الٰہی ہے۔ یہ ہے کہ انسان خیالات میں پاکیزگی پیدا کرے۔ اس کی ابھی میں تشریح کرونگا۔ جس سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ تقویٰ حاصل کرنے کی ایک عجیب تدبیر ہے۔ خیالات کے پاک رکھنے سے میری یہ مُراد نہیں کہ کوئی بُرا خیال ہی نہ آئے۔ ایسا ہونا تو اکثر لوگوں کے لئے ناممکن ہے بلکہ یہ ہے کہ اگر کوئی ناپاک خیال آئے۔ تو اس کو دل میں پھیلایا نہ جائے مثلاً ایک شخص کے دِل میں کسی وقت آئے کہ میں رشوت لوں۔ تو وہ اس کے متعلق سوچنا اور تدبیریں کرنا شروع نہ کر دے۔ بلکہ جہاں تک جلدی ہو سکے۔ اس خیال کو اپنے دِل سے نکالنے کی کوشش کرے۔ اور اگر موقعہ پر اس سے غلطی ہو بھی جائے تو اور بات ہے۔ لیکن جب یُونہی خیال آئے اس وقت اس کو دل سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ کیونکہ ایک ایسے شخص کی نسبت جس کو ہر وقت یہی خیال رہے کہ مَیں رشوت لُوں۔ اور وہ سوچتا رہے کہ کہاں سے لوں اور کس طرح لوں۔ وہ شخص ہزار درجے اصلاح کے قریب ہے۔ جو رشوت لینے کے خیال کو تو دل سے نکالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ لیکن موقعہ آجائے تو رشوت لے لیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو خیال انسان کے دل میں ہر وقت رہے اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور وہ دل پر ایسا نقش ہو جاتا ہے کہ پھر اس کا مٹانا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جس خیال کو نکالنے کی کوشش کی جاتی رہے وہ نقش نہیں ہو سکتا۔ پس جب کوئی بُرا خیال پیدا ہو فوراً اُسے نکال دو اور دوسری

طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور یہ مت خیال کرو کہ خیال کے نکالنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کوئی خیال جتنا زیادہ عرصہ دل میں رہتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اور اگر فوراً نکال دیا جائے تو انسان بہت سے بُرے نتائج سے بچ سکتا ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بُرے خیال کا دل سے نکالنا کوئی مشکل کام ہے بلکہ بہت آسان ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب کوئی بُرا خیال آئے۔ اسی وقت کسی اچھے خیال میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ کسی سے بحث شروع کر دینی چاہیئے یا کسی سے دیرینہ قضیہ ہو تو اس کے طے کرنے میں لگ جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح وہ کسی خطرناک گناہ سے بچ جائیگا۔ پس گو موقعے پر انسان بُرائی کے ارتکاب پر مجبور بھی ہو جائے۔ مگر اس موقع سے پہلے اور پیچھے اسے اس بدی کے خیال کو اپنے دل میں نہیں آنے دینا چاہیئے اور اس کو نکالتے رہنا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے اپنے نفس پر قابو پانے کی طاقت آ جائیگی۔ اور وہ بالکل چھوڑ دینے کے لئے تیار ہو جائیگا۔ یہ مت سمجھو کہ خیال کوئی معمولی چیز ہے۔ دُنیا میں جس قدر بھی کام ہو رہے ہیں۔ وہ سب خیال ہی کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً جب کوئی شخص ایمان لاتا ہے۔ تو پہلے اس کے دِل میں اسلام لانے کا خیال ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر جس قدر کام انسان کرتا ہے۔ ان کی ابتدا خیال سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اس لئے یہ نہ کہو کہ خیال کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ خیال ایک حقیقت ایک واقعہ اور بہت بڑی صداقت ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ خیال تو نظر نہیں آتا۔ اس لئے اس کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں وہ بیج جس سے بڑ کا درخت بنتا ہے۔ اس سے اتنا بڑا درخت کہاں نظر آتا ہے۔ پھر دیکھو انسان کس طرح بنتا ہے۔ کیا وہ نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس شہوت کا جو دل میں ایک خیال آنے

سے پیدا ہوتی ہے۔ پس جب انسان کی پیدائش خیال کے اثر کے ماتحت ہوتی ہے۔ تو اس کی حقیقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ دراصل انسان جس قدر کام کرتا ہے وہ خیال ہی کے ذریعہ کرتا ہے۔ اگر کہو کہ اَور چیزیں جب خیال کے ساتھ ملتی ہیں۔ تب کام ہوتا ہے۔ اکیلا خیال کچھ کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے خیال بے حقیقت چیز ہے۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ اس طرح تو اس بیج کو بھی بے حقیقت قرار دینا پڑیگا۔ جس سے بڑ کا درخت پیدا ہوتا ہے کیونکہ بیج بڑ نہیں بن جاتا۔ بلکہ وہ زمین سے جو مادہ چوستا ہے وہ بڑ بنتا ہے۔ یہی حال دُوسرے درختوں کا ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص بیج کو اس لئے بے حقیقت کہہ سکتا ہے کہ جب تک دوسری چیزیں اُس کے ساتھ نہ ملیں۔ اس وقت تک اس سے درخت نہیں بن سکتا۔ تو وہ خیال کو بھی بے حقیقت کہہ سکتا ہے۔ لیکن جب بیج کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بے حقیقت ہے۔ تو خیال کے متعلق بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بے حقیقت شے ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ خیال کوئی بے حقیقت چیز نہیں ہے۔ بلکہ خیال مادہ ہے تمام چیزوں کا۔ کیونکہ اسی کے آگے نتائج نکلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ (۲-۲۸۴)۔ اے لوگو جو خیال تمہارے دِل میں آئے۔ اُسے خواہ تم عمل میں لاؤ۔ یا تم پوشیدہ رکھو۔ اللہ اس کا حساب لے گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یُوں اگر کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوگا تو بھی اس سے مؤاخذہ کیا جائیگا کیونکہ خدا تعالےٰ یہ بھی فرماتا ہے۔ اور رسول کریم صلعم بھی فرماتے ہیں کہ جس بات پر انسان کا بس نہیں۔ اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص چلتے چلتے مال دیکھتا ہے۔ اور اُس کے دل میں آتا ہے کہ مَیں اسے اٹھالوں۔ تو صرف اس خیال کے آنے پر اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

ہاں اگر یہ خیال آنے پر وہ سوچنا شروع کر دے کہ میں کس طرح اس مال کو اٹھاؤں۔ کس وقت اٹھاؤں۔ تو اس کا یہ سوچنا اور تدبیریں کرنا قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔ چنانچہ جب یہ آیت اُتری تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صحابہ گئے۔ اور جاکر عرض کی کہ بعض اوقات کوئی بُرا خیال تو خود بخود دل میں آ جاتا ہے۔ کیا اس طرح ہم ہلاک ہو جائینگے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بُرا خیال دل میں آتا ہے اور انسان اس پر عمل نہیں کرتا تو یہ خود نیکی ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خیال جو دل میں گڑ جاتا ہے اور جس کے سوچنے میں انسان لگ جاتا اور تدبیریں شروع کر دیتا ہے۔ اس کا محاسبہ ہوگا۔ ورنہ اگر کسی کو خیال آئے کہ میں چوری کروں۔ اور وہ اسے فوراً نکال دے تو وہ ایک نیکی کرتا ہے۔ اسی طرح اگر اسے کسی کو قتل کرنے کا خیال آئے لیکن اُسے نکال دے تو وہ نیکی کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اور سزا کا مستحق اسی حالت میں ہوتا ہے جبکہ اس خیال پر قائم رہتا ہے۔ پس اس نکتہ کو خوب یاد رکھو۔ یہ اعمال کی اصلاح کے لئے بہت بڑا زینہ ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی بُرے خیال کا پیدا ہونا تمہارے اختیار میں نہیں۔ لیکن اس کا نکالنا تمہارے اختیار میں ہے اس لئے فوراً نکال دیا کرو (عرفانِ الٰہی)

(از تقریر حضرت امیر المومنین مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ قادیان۔)

تصوّف کیا ہے اور صُوفی کسے کہتے ہیں؟

(ا) یاد رکھو کہ وہ شخص جس کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ وہ نیکی کے نئے سے نئے راستے تلاش کرے۔ اور ہر قسم کی نیکیاں اپنے اندر پیدا کرے اُسی کو صوفی کہتے ہیں لیکن

تم نے سُنا ہوگا کہ اُمتِ محمدیہ میں فلاں فلاں صوفی گذرے ہیں۔ اور تم حیران ہوتے ہوگے کہ صوفی کسے کہتے ہیں؟ سو یاد رکھو کہ صوفی وہی ہوتا ہے جو اپنے دل کی صفائی کی مختلف راہیں تلاش کرتا رہتا ہے۔ اسی لئے کئی دفعہ نا سمجھ لوگ صوفیا کو بیوقوف خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ مگر جہاں عشق کا مظاہرہ ہو وہاں انسان یہی کوشش کرتا ہے کہ مَیں اپنے محبوب کی نقل کروں۔ مَیں خدا اور اس کے رسول کی صفات کا نقال بن جاؤں اور میں دُنیا کی ہر خوبی کا نقال بن جاؤں اس کا نام تصوف ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ اس سے پہلے خدا رسیدہ لوگوں نے نفلی نمازوں سے خدا کا قرب حاصل کیا تو وہ نماز پڑھنے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے نفلی روزے رکھ کر وصال الٰہی حاصل کیا۔ تو وہ روزے رکھنے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے صدقہ و خیرات سے خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کی تو وہ صدقہ دینے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ اُنہوں نے نفلی حج سے برکت حاصل کی تو وہ حج کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے علم پڑھایا۔ تو وہ لوگوں کو علم پڑھانے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کی تو وہ اپنے ہاتھ سے مزدوری کرنے لگ جاتا ہے۔ غرض جس جس رنگ میں وہ کسی بزرگ کو نیکی میں رنگین پاتا ہے وہی رنگ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ میں یہ بھی لے لوں اور وہ بھی لے لوں۔ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کا عاشق ہوتا ہے اور عشق و محبت کا ترانہ دُنیا کے ترانوں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ دُنیا کی نگاہوں میں وہ پاگل ہوتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کی نگاہ میں وہ پاگل نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ وہ شریعت

اور وقار کو چھوڑنے والا نہ ہو۔"

(۲) "غرض عشق کے اظہار کے ہزاروں ذرائع ہیں۔ اور ان تمام ذرائع کے اظہار کرنے کا نام ہی تصوف ہے۔ اور اسی تصوف پر حقیقی قرب کی بنیاد ہوتی ہے۔ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف نام ہے ورد وظیفہ کا۔ حالانکہ ورد وظیفہ کیا چیز ہیں۔ وہ صرف دوسروں کی دماغی نقل ہیں۔ اور تصوف عشقی نقل کا نام ہے۔ اور عشقی نقل کے مقابلہ میں دماغی نقل کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ دماغی نقلیں صرف کاغذ کے پھول ہیں اور کاغذ کے پھولوں میں کبھی خوشبو نہیں ہو سکتی۔ ہاں جو عشق میں مخمور ہو کر عشقی نقل کرتا ہے وہی حقیقی کامیابی حاصل کرتا ہے۔"

(۳) "نیکی کے تمام راستوں کو اختیار کرنا اور عشق اور محبت کے ماتحت دین میں ترقی کرنا اسی کا نام تصوف ہے۔ جو شخص یہ تصوف اختیار کرتا ہے۔ اس پر رؤیا و کشوف والہامات کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے کلام الٰہی کے معارف و اسرار سے اسے آگاہ کیا جاتا ہے اور محبت الٰہی کے رموز اس پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ غرض تمام روحانی نعمتیں اسے میسر آجاتی ہیں۔ مگر شرط یہی ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق محبت کا ہو۔ اور محبت میں کوئی شرطیں اور حد بندیاں نہیں ہوتیں۔ جو شخص شرطوں اور حد بندیوں کے اندر کام کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا اس کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک آقا کا نوکر کے ساتھ ہوتا ہے مگر جو شخص عشق میں سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے وہ سلوک کرتا ہے جو وہ اپنے پیاروں اور محبوبوں سے کیا کرتا ہے۔"

(۴) ہمارے سلسلہ کی بُنیاد ہی محبّت وعشق الہٰی پر ہے۔ پس کوشش کرو کہ تمہارے اندر محبتِ الہٰی پیدا ہو۔ تمہارے ہاتھ بیشک کاموں میں مشغول ہوں۔ مگر تمہارے دل رُو بہ خدا ہوں۔ اور اُن میں ہر وقت اللہ تعالےٰ کی محبت کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہوں۔ اور ہر وقت اس کی خوشنودی کے حصوُل کے لیے بیقرار رہو۔ صحابہؓ نیکیوں کے اتنے دلدادہ تھے کہ ایک دفعہ کوئی جنازہ گذرا۔ تو ایک مجلس میں جہاں چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے ایک صحابیؓ کہنے لگے۔ جنازے میں شامل ہونا بڑے ثواب کا کام ہے۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہُوا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے جنازے میں شامل ہوتا ہے اور پھر اس سے جُدا نہیں ہوتا جب تک اسے دفن نہ کر دیا جائے۔ اُسے اُحُدْ پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ باقی صحابہؓ یہ روایت سُن کر کہنے لگے۔ نیکبخت! تُو نے یہ بات ہمیں پہلے کیوں نہ بتائی؟ معلوم نہیں۔ ہم اب تک کتنے اُحُدْ کے پہاڑ جیسے ثواب ضائع کر چکے ہیں۔ تو نیکی کو ہر رنگ میں لینے کی کوشش کرنا اور نیکیوں کے حصول کی جستجو کرنا اسی کا نام تصوّف ہے۔ اسی کا نام بزرگی اور اسی کا نام

رُوحانیت

ہے۔ تم ہزاروں کتابیں تصوف پر پڑھ جاؤ۔ تم ہزاروں کتابیں رُوحانیت کا سبق سکھانے والی اپنے مطالعہ میں لے آؤ۔ تمہیں اس سے زیادہ ان میں اور کوئی چیز نظر نہیں آئیگی۔ یہ خلاصہ ہے تمام رُوحانیات کا (اور باقی جو کچھ ہے وہ اس کی تفصیلات ہیں) کہ انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی ایسی محبّت پیدا ہو جائے کہ اس کے دل میں ہر وقت یہ آگ سی لگی رہے کہ

میں نئے سے نئے طریقے نیکیوں کے حصول کے ملتے جائیں جن کے ذریعہ میں اس سے اپنا تعلق وسیع سے وسیع تر کرتا چلا جاؤں۔ یہی خواہش ہے جو انسان کے دل میں جس وقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں رُوحانیت بھی ترقی کرنے لگ جاتی ہے۔ پس بچے بھی اور نوجوان بھی اور بوڑھے بھی اور ادھیڑ عمر کے لوگ بھی جو بھی کوشش کریں اپنے اپنے ظرف اپنے اپنے مجاہدہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق اللہ تعالےٰ کی برکات اور اس کے فضلوں سے حصہ لے سکتے ہیں۔"

(اقتباسات از خطبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرمودہ ۱۲/۱۲ ۔ الفضل جلد ۲۹۵/۲۹)

مصائب و آفات میں ایک حکمتِ بالغہ مضمر ہے

(از آنریبل سر شیخ عبد القادر صاحب سابق رکن حکومتِ ہند)

یاد رکھنا چاہئے کہ دُنیا اضداد سے پیدا کی گئی ہے۔ ہر ایک چیز کا وجود اس کے ضد کے وجود کا متقاضی ہے۔ دھوپ کے ساتھ ساتھ سایہ لگا ہوا ہے۔ اور دھوپ کا احساس ناممکن ہوتا۔ اگر ساتھ سایہ نہ ہوتا۔ ایک مثبت ہے۔ دوسرا منفی۔ دونو لازم و ملزوم ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکمتِ بالغہ کا مقصد اصلی کیا ہے اور اس میں انسان کا کیا حصہ ہے۔ نگاہ میں وسعت اور عمق پیدا ہو جائے تو تمام تکالیف خیر محض دکھائی دیں۔ اور ہر منفی کی تہ میں کچھ مثبت پنہاں نظر آنے لگے۔

یہی "وہ سُرمہ" ہے جس کے لگاتے ہی آنکھ گرد و پیش جنت ہی جنت دیکھتی ہے۔ اور دِل مرحوم داغ شیریں بیان کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر گاتا ہے۔ کہ دُنیا بھی اک بہشت ہے۔

(عبد القادر)